عبدالحلیم شرر کی غیر افسانوی نثر: ایک تجزیاتی مطالعہ

مقالہ برائے

ڈاکٹر آف فلاسفی

مقالہ نگار

فضل الرحمان

نگراں

ڈاکٹر محمد آصف زہری

ہندوستانی زبانوں کا مرکز

اسکول آف لینگویج ،لٹریچر اینڈ کلچر اسٹڈیز

جواہر لعل نہرو یونیورسٹی، نئی دہلی۔67

2017

जवाहरलाल नेहरू विश्वविद्यालय
JAWAHARLAL NEHRU UNIVERSITY
भारतीय भाषा केन्द्र
Centre of Indian Languages
भाषा, साहित्य एवं संस्कृति अध्ययन संस्थान
School of Language, Literature & Culture Studies
नई दिल्ली–110067, भारत NEW DELHI-110067, INDIA

Date: 20/07/2017

DECLARATION

I hereby declare that the research work done in this Ph.D. thesis entitled **"Abdul Haleem Sharar's Non-fictional Prose: An Analytical Study (Abdul Haleem Sharar ki ghair afsanvi nasr: ek tajziyati motala)"** by me is an original research work and it has not been previously submitted for any other degree in this or any other University/Institution.

F. Rahman
Fazlur Rahman
(Research Scholar)

20/07/17
Dr. Mohd Asif Zahri
(Supervisor)
CIL/SLL&CS/JNU

Prof. Gobind Prasad
(Chairperson)
CIL/SLL&CS/JNU

GRAM: JAYENU, Tel.: (91-011) 26741557, 26742676 Extn.: 4217, (D) 26704217; Telefax: (91-011) 26704217
Email: chair_cil@mail.jnu.ac.in, jnucil@gmail.com

Scanned by CamScanner

فہرست

عناوین		صفحات
پیش لفظ		4-7
باب اول :	عبدالحلیم شرر شخصیت اور عہد	8-56
باب دوم :	عبدالحلیم شرر کی تاریخ نویسی	57-123
باب سوم :	عبدالحلیم شرر کی سوانح نگاری	124-163
باب چہارم:	عبدالحلیم شرر کی انشائیہ ومضمون نگاری	164-220
باب پنجم :	عبدالحلیم شرر کی صحافت نگاری	221-247
حاصل مطالعہ		248-251
کتابیات		252-257

پیش لفظ

1857ء کے بعد اردو ادب میں ایک انقلاب رونما ہوا۔ جس میں لسانی سطح پر نمایاں تبدیلیاں عمل میں آئیں۔ جس کے نتیجے میں مشکل و بھاری بھرکم الفاظ کے استعمال سے پرہیز کیا جانے لگا۔ اردو ادب میں سادہ و سلیس اور عام فہم عبارتوں کا چلن عام ہونے لگا۔ اسی دوران ایک تحریک ''علی گڑھ تحریک'' نام سے وجود میں آئی۔ جس نے اردو ادب کو ایک نئی سمت و رفتار عطا کیا۔ اس تحریک کا مقصد ملک و قوم کی تعمیر و ترقی اور اردو زبان و ادب کا فروغ تھا۔ اس تحریک کے روح رواں سرسید اور ان کے نامور رفقاء تھے۔ جنھوں نے اپنی افسانوی اور غیر افسانوی تحروں کے ذریعے اردو ادب کی بیش بہا خدمت انجام دیں۔ ان میں سے ہر ایک کے یہاں مقصدیت کے ساتھ ساتھ دلکش انداز بیان بھی موجود تھا۔

اس دور میں اردو کی مختلف اصناف پروان چڑھیں، جن میں ناول، سوانح، مضامین اور انشائیہ وغیرہ خصوصیت کے ساتھ قابل ذکر ہیں۔ اس تحریک کی مقصدیت کو آگے بڑھانے والوں میں ایک اہم نام عبدالحلیم شرر کا بھی ہے۔ جنھوں نے اردو ادب کی متعدد اصناف پر خامہ فرسائی کی اور اردو اب میں بسیار نویس کی حیثیت سے جانے جانے لگے۔ انھیں جو شہرت نصیب ہوئی وہ ان کی ناولوں کی مرہونِ منت ہے۔ اس وقت نہ صرف انھیں تاریخی ناول نگار کے تمغے سے نوازا گیا بلکہ اردو کا والٹرٹ اسکاٹ بھی کہا جانے لگا تھا۔

عبدالحلیم شرر کی شخصیت کا ایک پرتو ان کی غیر افسانوی نثر بھی ہے۔ جس میں تاریخ، سوانح، انشائیہ، مضامین اور صحافت وغیرہ جیسی اصناف شامل ہیں۔ اس مقالے میں ان کی غیر افسانوی نثری ادب پر بحث کرتے ہوئے ان کی شخصیت کا دوسرا رُخ قارئین کے سامنے پیش کرنے کی سعی کی گئی ہے۔ دراصل غیر افسانوی نثر میں شرر کو وہی مقام و مرتبہ حاصل ہے، جو مقام انھیں تاریخی ناول نگاری میں ہے۔ شرر کو ناول نگاری تک محدود کر دینا، اردو ادب کی غیر افسانوی اصناف کے ساتھ ناانصافی ہے۔ ایک بات یہاں بیان

کر دینا مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اردو کا یہ ادیب اس قدر زود نویس تھا۔ لیکن اس کے باوجود اسے وہ مقام نہیں عطا کیا گیا جس کا وہ حق دار تھا، ناقدین ادب نے نہ جانے کیوں اور کس بنا پر انھیں نظر انداز کیا؟!

شرر کی شخصیت کے مقام و مرتبے کا اندازہ ان کی تحریروں کے مطالعے سے لگایا جا سکتا ہے۔ اس مقالے کی غرض و غایت بھی یہی ہے کہ ان کے غیر افسانوی کارناموں کو قارئین کے سامنے پیش کیا جائے، تاکہ ادب میں ان کے صحیح مقام و مرتبے کا تعین ہو سکے۔ نیز ادب کے طالب علم کو یہ اندازہ ہو سکے کہ شرر کی خدمات ناولوں کے علاوہ غیر افسانوی ادب میں بھی اس قدر ہیں کہ دوسرے ادباء ان کے عشر عشیر بھی نہیں پہنچتے۔ ان کی غیر افسانوی صنف میں، تاریخ، سوانح، مضمون، انشائیہ اور صحافتی خدمات کو اس مقالے میں بہت ہی بسط و تفصیل کے ساتھ ذکر کیا گیا ہے تاکہ ان کی شخصیت مزید آشکارا ہو سکے اور ان کے ساتھ جو ناانصافی ہوتی آرہی ہے اس کا محاکمہ کر کے اس مقالے کے ذریعے اُسے انصاف آشنا کرایا جا سکے۔ مسلمانوں کی تاریخ سے شرر کو کافی دلچسپی تھی اور وہ ان کے تئیں بڑے فکر مند رہتے تھے۔ اس کا اندازہ ان کی تاریخی کتابوں کے مطالعے سے لگایا جا سکتا ہے۔ سوانح نگاری کے باب میں انھیں وہ مقام حاصل ہے جو حالی اور شبلی کے علاوہ کسی ادیب کو نہ حاصل ہو سکا۔ شرر نے اپنے انھیں بزرگوں کو سامنے رکھتے ہوئے مختلف شخصیات کی زندگیوں کو قلم بند کیا اور خوبصورت انداز بیان نیز علمی دیانت داری کے ساتھ انہیں اردو ادب میں متعارف کرایا۔ اس صنف کے ذریعے شرر نے ادب میں ایک قیمتی سرمایے اور بیش قیمت علمی ذخیرے کا اضافہ کیا۔ علاوہ ازیں انہوں نے مضامین، انشائیہ اور صحافت پر کئی سارے مجلّات و رسائل کا اجراء بھی کیا۔ جس سے اردو ادب مزید متمول ہوتی چلی گئی۔

پیش لفظ اور حاصل مطالعہ کے علاوہ یہ مقالہ پانچ ابواب پر مشتمل ہے۔

اس مقالے کا پہلا باب: عبدالحلیم شرر، شخصیت اور عہد کے نام سے لکھا گیا ہے۔ اس باب میں شرر کی ابتدائی تعلیم، ان کا خاندانی پس منظر اور اس وقت کا عہد و ماحول ان کی شخصیت پر کس طرح اثر انداز ہوا، ان تمام نکات کو تفصیل کے ساتھ بیان کیا گیا ہے۔

دوسرا باب، عبدالحلیم شرر کی تاریخ نویسی سے متعلق ہے۔ اس باب میں ان کی تاریخ نگاری اور وہ اپنے

معاصرین سے کس قدر متاثر نظر آتے ہیں؟ ان کا تاریخ لکھنے کا مقصد اور منشا کیا تھا؟ ان کا اس صنف میں کیا مقام ومرتبہ ہے؟ ان تمام سوالوں پر تفصیلی بحث کی گئی ہے۔

تیسرا باب، عبدالحلیم شرر کی سوانح نگاری کے نام سے ہے۔اس باب میں شرر نے دنیا کی جن خاص اور مقبول شخصیات پر اپنا اظہار خیال کیا ہے، وہ مغربی ومشرقی عہد کی مشہور ومعروف شخصیات ہیں۔ان کا ذکر اردو زبان وادب میں ایک قیمتی اور معلوماتی سرمایہ ہے۔

چوتھا باب، عبدالحلیم شرر کی انشائیہ اور مضمون نگاری ہے۔اس باب میں اردو انشائیہ کی تاریخ اور اس کی ابتدا وغیرہ کا ذکر کیا گیا ہے۔نیز شرر کی انشائیہ نگاری اور ان کے مقام ومرتبے کا تعین کیا گیا ہے۔ساتھ ہی ساتھ مضمون نگاری کی تاریخ اور شرر کی مضمون نویسی کا تفصیلی جائزہ لیا گیا ہے۔

پانچواں باب، عبدالحلیم شرر کی صحافت نگاری پر مشتمل ہے۔اس باب میں صحافت کی ابتدائی تاریخ پر گفتگو کرتے ہوئے شرر کی صحافتی خدمات اور ان کے مشہور زمانہ رسالہ ''دلگداز'' کے اداریے کا تجزیاتی مطالعہ پیش کرتے ہوئے بحثیت صحافی ان کی تحریروں کا جائزہ لیا گیا ہے۔نیز حاصل مطالعہ میں شرر کے غیر افسانوی نثر سے حاصل شدہ نتائج کے ساتھ ساتھ مقالے کی تلخیص کو پیش کیا گیا ہے۔ان شاءاللہ یہ مقالہ شرر کی غیر افسانوی نثر کے سلسلے میں پیش خیمہ ثابت ہوگا۔اس کے ذریعہ شرر کی اہمیت وعظمت مزید آشکارا ہوگی۔

اس مقالے کی تکمیل کے بعد اگر شکریہ کے کلمات نہ ادا کئے جائیں تو فرمان رسول کی مخالفت ہوگی کہ ''جو انسانوں کا شکریہ ادا نہیں کرسکتا وہ اللہ کا کیا شکر گزار ہوگا!''۔لہٰذا سب سے پہلے رب کریم کا شکر گزار ہوں جس کی توفیق اور رحمت شامل حال رہی، جس کی وجہ سے یہ مقالہ پایۂ تکمیل کو پہونچا۔اس کے بعد اپنے مشرف اور نگراں جناب ڈاکٹر محمد آصف زہری کا شکر گزار ہوں، جنھوں نے والدین کی طرح سر پرستی کی، نیز اپنے علم وادب کی آگہی اور چشمہ شافی سے ہمیشہ سیراب کرتے رہے۔ان کی رہنمائی میرے لئے مشعل راہ ثابت ہوئی۔ انھوں نے ہمیشہ شفقت پدری کا ایسا نمونہ پیش کیا جس کو میرا قلم بیان کرنے سے قاصر ہے۔آپ نے ہر جگہ اور ہر مقام پر بغیر کسی ردوقدح اور ناصحانہ مشورے سے قدم قدم پر میری رہنمائی کرتے رہے۔اسی طرح

'ہندوستانی زبانوں کے مرکز' کے جملہ اساتذہ کا بھی سپاس گزار ہوں جن کی تدریس اور تربیت نے اعلی تعلیم سے مجھے ہمکنار کیا۔

اس کے بعد اپنے والدین کا شکر گزار ہوں جن کی دعاؤں اور نیک خواہشات نے اپنی شفقتوں اور محبتوں کا قرض دار بنا دیا اور ساتھ ہی ساتھ شب و روز ہماری ترقی اور کامیابی کے لئے دعائیں کیں۔ نیز اپنی شریک حیات اور فرزند معاذ کا بے حد ممنون و مشکور ہوں جنھوں نے اپنی تمام مصروفیات کے باوجود ہمارا خیال رکھا۔ ساتھ ہی ساتھ تمام اہل خانہ کا شکر گزار ہوں، جن کی مدد اور دعا شامل حال رہی۔ اس کے بعد اگر ان تمام دوستوں اور خیر خواہوں کا شکریہ نہ ادا کیا جائے تو بڑی ناسپاسی ہوگی، جنھوں نے اس مقالے کی تکمیل میں ہمارے ساتھ ہر ممکن تعاون کیا۔ اس میں ڈاکٹر اقبال ضیاء، ڈاکٹر عمران احمد عندلیب، ڈاکٹر عطاء اللہ خان، زبیر احمد، شاہ خالد، محمد وسیم، غفران احمد، محمد خالد، نازیہ بیگم جافو اور ان کے علاوہ جتنے بھی احباب بالواسطہ یا بلاواسطہ طور پر ہماری عنایت فرمائی، ان سب کا صمیم قلب سے مشکور ہوں، اور خدائے عزوجل سے ان کی ترقی و کامیابی کے لیے دعا گو بھی ہوں۔

اخیر میں ان تمام مکتبات اور ان کے ذمہ داران کو اظہار تشکر پیش کرتا ہوں، جنھوں نے کتابوں کی فراہمی میں ہماری مدد کی، جن میں، ڈاکٹر ذاکر حسین لائبریری، جامعہ ملیہ اسلامیہ نئی دہلی، جواہر لعل نہرو سنٹرل لائبریری نئی دہلی، سنٹرل لائبریری، دہلی یونیورسٹی، اردو اکادمی دہلی، سنٹرل لائبریری علی گڑھ مسلم یونیورسٹی، انڈین انسٹی ٹیوٹ آف اسلامک اسٹڈیز لائبریری، جامعہ ہمدرد، وغیرہ قابل ذکر ہیں۔

فضل الرحمان

ہندوستانی زبانوں کا مرکز

جواہر لعل نہرو یونیورسٹی، نئی دہلی

باب اول

عبد الحلیم شرر: شخصیت اور عہد

خاندانی پس منظر:

عبدالحلیم شرر لکھنوی اردو دنیائے ادب میں سنگ میل کی حیثیت رکھتے ہیں ان کا سلسلۂ نسب کئی پشتوں میں جا کر مشہور عباسی خلیفہ امین الرشید سے جا ملتا ہے، ان کا خاندان کیسے اور کہاں سے ہوتا ہوا ہندوستان آ پہنچا۔ اس کی تصویر کشی محمد یحییٰ تنہا اپنی کتاب سیر المصنفین میں اس انداز سے کرتے ہیں۔

> ''ان کا خاندان دولت عباسیہ کے عہد میں عرب سے عراق میں آباد ہوا، پھر ارض عراق کو چھوڑ کر ہرات میں آیا اس کے بعد سلطان محمد تغلق کے عہد میں ہندوستان آیا اور سلطنت مغلیہ کے دور میں جب نئے نئے ایرانی امراء کا دربار شاہی میں رسوخ ہوا تو یہ خاندان وادیٔ گنگا میں سکونت پزیر ہوئے'' (1)

شرر کا خاندان دہلی کی آب و تاب اور اس کی رونق کو چھوڑ کر وادیٔ گنگا کی جانب چل دیئے، یہ خاندان اپنے علم کی شان و شوکت اور فضل و کمال کی بنیاد پر اتر پردیش کے مشرقی علاقہ جونپور میں ایک چھوٹی سی جاگیر حاصل کرنے میں کامیاب ہوگئے، اور ان کے علم و فضل کی وجہ سے جونپور میں سلاطین شرقیہ کی طرف سے ان کو خاص عنایات اور عزو شرف حاصل رہا، شرر کے بزرگان میں ایک بزرگ مولانا معزالدین تھے، جو علمیت اور مذہبیت سے لبریز ہونے کے ساتھ ساتھ اپنے دور کے علمائے کبار اور مقتدائے شریعت میں شمار کئے جاتے تھے، اللہ نے ان کو علم و اولاد دونوں نعمتوں سے مالا مال کر رکھا تھا، ان کے بڑے بیٹے حسام الدین والد کی دیکھ بھال اور ان کی اطاعت و فرمانبرداری کیلئے ہمہ وقت ان کے ساتھ جونپور میں موجود رہے، لیکن مولانا کے چھوٹے فرزند نظام الدین (شرر کے پردادا تھے) جن کو تحصیل علم سے خاص لگاؤ اور دلچسپی تھی وہ کسب علم کی خاطر گھر بار کو خیر آباد کہہ کر دہلی روانہ ہوگئے، اور وہاں جا کر اس مدرسے میں داخلہ پا گئے جس کے بانی و سربراہ حضرت مولانا شاہ ولی اللہ محدث دہلوی تھے جن کی ذات ایک فرد نہیں بلکہ ایک انجمن کے مثل تھی نیز وہ ایک عہد آفریں ہونے کے ساتھ ساتھ تاریخ ساز شخصیت کے مالک بھی تھے، جنکی علمی، مذہبی اور دانشوری کی دھوم ہر چہار جانب سنائی دے رہی تھی، نظام الدین نے تقریباً دہلی میں چھ (6) سال تک

محدث دوراں شاہ ولی اللہ صاحب سے زانوے تلمذ تہہ کرتے رہے اوراس دوران اہل خانہ سے خط وکتابت کے ذریعے ملاقات ہوتی رہتی تھی، ایک دن اچانک والد محترم مولانا معزالدین کی اس دنیا سے رخصت ہونے کی خبر ملتی ہے، فوراً دہلی سے گھر کی جانب روانہ ہوجاتے ہیں۔ وہاں کچھ دن ان کا قیام ہوتا ہے اسی دوران بھائیوں کے درمیان تقسیم جائداد کے لئے خاندانی مناقشات شروع ہوجاتے ہیں۔لیکن نظام الدین موروثی جائداد پر تعلیم کو فوقیت اور ترجیح دیتے ہوئے گھربار چھوڑ کر اودھ کی جانب نکل پڑتے ہیں، لکھنؤ میں ان کا قیام ہوتا ہے، یہاں پر مسلسل رہنے سے ان کا ربط وضبط دھیرے دھیرے علمائے فرنگی محل سے اچھا ہوجاتا ہے اور کچھ ہی دنوں میں ان کے حلقہ بگوش ہوجاتے ہیں اور کچھ عرصے کے بعد علمائے فرنگی محل کی تحریک پر قصبہ ٔکرسی چلے جاتے ہیں۔ وہاں پہونچ کر شاہ نجابت اللہ کے خدّام میں شامل ہوجاتے ہیں اور وہاں پر رہتے رہوئے لوگوں سے تعلقات استوار ہوجاتے ہیں، ابھی نظام الدین صاحب کی شادی بھی نہیں ہوئی تھی، شاہ صاحب ان کے سب کچھ تھے ایک دن شاہ صاحب نے نظام سے رشتۂ ازدواج کے لئے کہا کہ خطیب کرسی کی لڑکی سے آپ نکاح کرلیں، مولانا نظام الدین شاہ صاحب کے حکم کی تعمیل کرتے ہوئے خطیب کرسی کی دختر کو اپنی زوجیت میں قبول کرلیا، خطیب کرسی بادشاہ دہلی کے جانب سے صاحب جاگیر تھے، ان کے یہاں کوئی نرینہ اولاد نہیں تھی، اس لئے مولانا نظام الدین نے اپنا قیام یہیں کرلیا، لیکن کچھ عرصے کے بعد خطیب صاحب اللہ کو پیارے ہوگئے۔ اب ان کی جگہ مولانا نظام الدین کرسی کے خطیب مقرر ہوگئے۔ یہ سلسہ چل ہی رہا تھا کہ اچانک خطیب کرسی کی جائداد میں وراثت کا جھگڑا شروع ہوگیا۔ مولانا نظام الدین کو یہ چیز ناپسند تھی، اسی لئے اس جائداد اور مال وزر کی وجہ سے وہ اپنے بھائیوں اور اہل خانہ وغیرہ کو خیرآباد کہہ کر علم تحصیل کے لئے چلے گئے تھے۔ یہاں بھی مولانا نظام الدین نے تمام جائداد سے کنارہ کشی اور کرسی کو الوداع کہتے ہوئے دوبارہ پھر لکھنؤ علمائے فرنگی محل کی صحبتوں میں چلے آئے، یہاں پہونچنے کے بعد مولانا کے پاس ذریعۂ معاش کچھ نہیں تھا بالکل خالی بیٹھے ہوئے تھے، لیکن انھیں اپنے رب کی ذات پر مکمل بھروسہ تھا، کہ ان کا رب ان کے لئے رزق کا کوئی نہ کوئی ذریعہ ضرور عطا کرے گا، اتفاق کہیے یا قدرت کی کرشمہ سازی کہ ان دنوں لکھنؤ میں مشہور یورپی تاجر (مارٹن) قیام پزیر تھا، اس کو عربی وفارسی سیکھنے

کی چاہت تھی،اوراس کے لئے ایک بہترین اتالیق کی ضرورت تھی،اتفاق ایسا ہوا کہ اس کے لئے مولانا کا انتخاب کیا گیا، فارسی اور عربی کی تعلیم کے لئے انھوں نے 30 روپیہ ماہوار مقرر کیا،اور یہاں پر مارٹن کی ایک کوٹھی بھی تھی جو مارکین کے نام سے مشہور تھی،اس کے ایک حصے میں مولانا کو رہائش کے لئے دے دیا گیا،مولانا یہاں پر اپنے اہل وعیال کے ساتھ رہنے لگے۔عبدالحلیم شرر اپنے رسالہ دلگداز میں اس سلسلے میں لکھتے ہیں،

> ’’یہی مارکین کی کوٹھی میں مولوی نظام الدین کے بڑے فرزند مولوی محمد کے یہاں ایک فرزند ہوا،اس فرزند کا نام عبدالرحیم رکھا گیا مگر ماں نے اپنے مذاق کے مطابق تفضّل حسین کے نام سے یاد کیا، چنانچہ اس نام سے شہرت ہوئی اور یہی میرے والد محترم تھے‘‘(2)

کچھ دنوں تک یہاں مولانا اپنے اہل وعیال کے ساتھ قدرے سکون کی زندگی گزار رہے تھے کہ اچانک مارٹن کی وفات ہوجاتی ہے اب مولانا کی ملازمت بھی ختم ہوگئی،اور روزی روٹی کا مسئلہ پیدا ہوا،اس لیے کہ مولانا کا ذریعۂ معاش اس کے علاوہ کچھ اور نہیں تھا۔ بادل نخواستہ دوبارہ مع اہل وعیال لکھنؤ سے کرسی کی جانب لوٹ گئے،لیکن جب یہ لوگ وہاں پہونچے تو وہاں کی آب وہوا ان لوگوں کو راس نہیں آئی،اسی دوران قصبہ کرسی میں ہیضہ کی وبا پھیلی ہوئی تھی، یہ وبا اتنی شدید تھی کہ عذاب الٰہی سے کم نہیں معلوم ہو رہی تھی،اس بیماری میں نہ جانے کتنے خاندان موت کے لقمۂ اجل بن گئے،اوران کا خاندان بھی اس عذاب سے محفوظ نہ رہ سکا، بلکہ نظام الدین بھی اسی کے لپیٹ میں آگئے،اس دنیا سے ہمیشہ ہمیش کے لئے رخصت ہوگئے،اور ان کا پورا خاندان تقریبا اسی مہلک وبا کا شکار ہوگیا،ایک کے بعد ایک اس دنیا سے رخصت ہوگئے مولانا کے بیٹے محمد بھی داغ مفارقت دے گئے،ان کے چھوٹے بھائی احمد نے جب یہ عالم دیکھا تو گھر کے بچے ہوئے افراد کو لے کر لکھنؤ چلے آئے اور مولوی محمد کی بیوی اور بچے رشتے کے ایک ماموں محمد رضا کے گھر میں قیام کیا، محمد کے تینوں بچوں میں سے دو بچے اس مہلک بیماری میں موت کے آغوش میں چلے گئے تھے تن تنہا تفضّل حسین اپنے خاندان کے چشم و چراغ رہ گئے تھے،کسی طرح حالات کے سرد وگرم تھپیڑوں کا مقابلہ کرتے

ہوئے سن شعور کو پہو نچے، تو مشفق چچا نے دست شفقت رکھا اور اپنے ساتھ رکھ کر تجارت کے آداب واصول اور طریقۂ کار سکھانے لگے اور ساتھ ہی ساتھ عربی وفارسی کی تعلیم سے بھی روشناش کرانے لگے، تفضّل حسین کو قدرت نے فطری صلاحیتوں سے نوازا تھا، حصول علم کے متلاشی تھے باضابطہ کسی درسگاہ میں داخلہ نہیں لے سکے، لیکن جتنا ممکن ہوسکا علم حاصل کیا، آپ کی عربی کی تعلیم اعلیٰ درجے کی تھی اور فارسی میں یگانہ ءعصر تھے، ساتھ ہی ساتھ علم طب کا حصول بھی لکھنؤ کے معروف ومشہور طبیب حکیم محمد ابراہیم سے حاصل کیا، چچا کے ساتھ کئی بار تجارت کی غرض سے پنجاب جانے کا موقعہ ملا، اس عرصے میں آپ نے پنجابی زبان میں بھی دسترس حاصل کرلی، اس ذوق وشوق سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ تحصیل علم کے سلسلے میں آپ کس قدر حریص تھے، عشرت لکھنوی تفضّل حسین کا حلیہ اور اخلاق پیش کرتے ہوئے رقم طراز ہیں،

''حکیم تفضّل حسین نیک نفس پابند صوم وصلاۃ، حنفی مذہب، صوفی مشرب، متوسط قد وقامت، گورارنگ، چیچک رو، کتابی چہرہ، لاغر اندام، ریشہ مبارک یک مشت، وددانگل، کرنجی آنکھیں، لکھنؤ کے جھنوائی ٹولے میں رہتے تھے۔'' (3)

تفضّل حسین کی زندگی یوں ہی گزر رہی تھی نہ کوئی ذریعہ معاش، نہ کوئی ملازمت، اچانک تبدیلی قسمت نے کروٹ لی، اوران کا رشتۂ عقد کرسی کے مشہور عالم دین منشی قمرالدین کی دختر ارجمند سے ہوگیا، جو رشتہ میں تفضّل کے ماموں تھے، دربار اودھ سے ان کا خاص تعلق تھا، محمد یحیٰ تنہا اس سلسلے میں لکھتے ہیں،

'' منشی قمرالدین کا تعلق اودھ کے شاہی دربار سے تھا، مولانا شرر کے والد حکیم تفضّل حسین صاحب کا عقد ایک قریبی رشتے کے ماموں منشی قمرالدین صاحب کی صاحبزادی سے ہوگیا، جو روسائے وشرفائے قصبہ کرسی میں سے تھے، لیکن امجد علی اور واجد علی شاہ کے عہد میں ایک بڑی معزز خدمت پر مامور تھے اور دربار شاہی میں بہت اثر رکھتے تھے'' (4)

اس رشتۂ زواج سے منسلک ہونے کے بعد تفضّل حسین کی صحرانوردی کئی سالوں کے بعد ختم ہوتی ہوئی نظر آئی، اوراب جاکر منشی قمرالدین صاحب کے دامن عافیت میں پناہ گزیں ہوئے، اب تفضّل نے انھیں کو

اپنا نسبتی اور حقیقی پدر شفیق تسلیم کرلیا، منشی صاحب اپنے اثر و رسوخ اور تفضّل حسین کی قابلیت دونوں کو یکجا کر کے سرکار اودھ کی خدمت پر انھیں مامور کرا دیا، اب زندگی کے تمام مشکلات کو چھوڑ کر آگے بڑھنے کی کوشش کر رہے تھے، زندگی میں قدرے سکوں ملا ہی تھا۔ کہ یکا یک 3 جنوری 1856ء کو انتزاع سلطنت کا حادثہ رونما ہوگیا، یہ منظر دیکھتے ہی پورا لکھنؤ سکتے میں آگیا، ایسا محسوس ہو رہا تھا، کہ تمام کے تمام لوگ جیتے جی مر گئے، جب ان کا اپنا بادشاہ معزول کر کے انکے سامنے سے بے بس اور لاچاری کے حالت میں لکھنؤ سے کلکتے کے مٹیا برج میں منتقل کیا جا رہا تھا، لکھنؤ سے جس وقت بادشاہ کو نکالا جا رہا تھا، اس کا ذکر نواب خاص محل نے اپنے ایک خط میں جو انھوں نے سیدہ بیگم کو لکھا تھا اس کی منظر کشی کرتی ہوئی لکھتی ہیں۔

"لکھنؤ سے ہم لوگ جدا ہوئے جیسے بلبل گلزار سے چھوٹی، یوسف مصر سے نکلے، بوئے گل چمن سے جدا ہوئی پیا جان عالم کا سکوت اور تمام عملے کا حسرت بھری نگاہ سے دیکھ کر بے کسی کے آنسو بہانا، کمال ادب سے رومال میں غم کے موتیوں کا سمونا، اعزہ کی ہچکیاں لگی ہوئی تھیں، ہم آخرش محلات میں ماتم بپا کرتے ہوئے سلطان عالم کے ساتھ روانہ ہوئے ،اس وقت جان عالم کا یہ کہنا: تم پر دس برس تک میں نے سلطنت کی اس عرصے میں جو کچھ صدمہ اور رنج میری ذات سے تم کو پہونچا ہو اس کو بخوشی معاف کردو، اس وقت میں معزول ہوں تم سے چھٹتا ہوں خدا جانے زندگی میں تم سے پھر ملوں یا نہ ملوں" (5)

بادشاہ کو کلکتہ کے مٹیا برج میں رکھا گیا۔ اور یہاں پر ایک متفقہ رائے پاس کی گئی، کہ ہم اپنے اس محروس زدہ واقعہ کی باضابطہ پیروی کریں گے، گورنر جنرل ہند کے دربار میں اگر ہمیں کامیابی نہیں ملی، تو ہم لندن جا کر وہاں کی پارلیمنٹ اور ملکۂ انگلستان کے سامنے بھی اپنے مقدمات کو پیش کریں گے، کلکتہ میں جب کوئی کامیابی ملتی نظر نہیں آئی تو انگلستان جانے کا ارادہ کیا گیا، وفد تیار کیا گیا اس وفد میں منشی قمرالدین بھی شامل تھے، یہ وفد انگلستان پہونچا وہاں پر مقدمہ پیش بھی ہوا معاملہ زیر غور تھا۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا کہ واجد علی شاہ کے دن دوبارہ لوٹ آئیں گے کہ اچانک 1857ء کا واقعہ پیش آگیا۔ اور ساتھ ہی ساتھ بادشاہ کے کچھ ناعاقبت اندیش مشیروں نے بادشاہ کو ورغلانے میں کامیاب ہوگئے۔ بادشاہ نے حکم دیا کہ تمام لوگ مع

وفد واپس آ جائیں، تمام لوگ مایوس و نامراد واپس لوٹ آئے لیکن منشی قمر الدین مصر، بیت المقدس اور مکہ مکرمہ میں فریضۂ حج کی ادائیگی کرتے ہوئے کلکتہ واپس ہوئے، واجد علی کا تخت و تاج سے محروم ہو جانا ایسا محسوس ہو رہا تھا، کہ یہ محض سیاسی اور تاریخی ہار نہیں بلکہ پوری تہذیبی، ثقافتی اور تمدنی شکست معلوم ہو رہی تھی، جس میں تمام اکابرین و شرفاء کے ساتھ ساتھ علوم و فنون کے ماہرین کو ان کی قابلیت و علمیت نیز صنعت و حرفت کے عمل سے ان کو بالکل یتیم کر دیا گیا تھا، انھیں ہزاروں پریشاں حال لوگوں کے بھیڑ میں ایک نام تفضّل حسین کا بھی تھا، جو گھریلو زندگی کی ضروریات اور مالی دقتوں سے پریشان حال تھے، اسی رنج و غم اور فرصتی کے عالم میں تاریکیوں کو منور کرتا ہوا انکے گھر میں ایک نیر اقبال طلوع ہوا، گویا تفضّل حسین کے گھر میں ایک ایسے نومولود کا آمد ہوا جس سے تمام خاندان افراد کی بانچھیں کھل گئیں، جس کی روشنی بہت دور تک جگمگاتی رہی، عبدالحلیم اپنی، ولادت باسعادت کے سلسلے میں خود لکھتے ہیں۔

> ''جس زمانے میں منشی فخر الدین صاحب انگلستان میں تھے اور مولوی تفضّل حسین صاحب لکھنؤ میں پریشان حال تھے، بروز پنج شنبہ 17 جمادی الآخر 1276ھ مطابق 10 جنوری 1860ء کو میں پیدا ہوا۔ میری ولادت لکھنؤ کے جھنوائی ٹولہ کے متعلق تکیہ پر غیب کے مشرقی جانب ایک مکان میں ہوئی، جو اس تکیئے کی مسجد کے مقابل ایک چھوٹے چار پانچ مکانوں کے احاطے کے اندر تھا اور تا جو جی کا پھاٹک کہلاتا تھا'' (6)

بعض دیگر محققین اور مصنفین شرر کی تاریخ ولادت دوسری بتاتے ہیں، جیسے صاحب سیر المصنفین محمد یحییٰ تنہا سن ولادت 1860 بتاتے ہیں لیکن مرزا محمد عسکری مترجم و مؤلف تاریخ ادب اردو نے شرر کی تاریخ ولادت 20 جمادی الثانی 1276ھ لکھتے ہیں، اسی طرح عشرت لکھنوی نے اپنے ایک مضمون میں جو رسالہ (زمانہ) کے نام کانپور سے نکلتا تھا اس کے فروری 1928ء کے شمارے میں اپنے مضمون ''مولانا شرر مرحوم'' کے نام سے لکھتے ہیں، اسی میں شرر کی پیدائش 17 جمادی الثانی 1275ھ لکھتے ہیں، وقار عظیم کے فردوس بریں کے مقدمہ میں شرر کی ولادت کی تاریخ 2 جمادی الآخر قم ولادت 20 جمادی الآخر 1276ھ لکھتے ہیں وغیرہ وغیرہ۔

مذکورہ بالا محققین اور مصنفین نے شرر کے بیان کردہ تاریخ ولادت پر کوئی واضح تردیدی دلائل پیش نہیں کیا ہے بلکہ مجرد شرر کے سلسلے میں لکھتے ہوئے انکی تاریخ ولادت کا ذکر کر دیا ہے، لیکن ان تمام اقوال اور مذکورہ ولادت تاریخ میں جو شرر نے اپنی ولادت کی تاریخ لکھی ہے، وہی قابل قبول اور زیادہ اقرب الی الصح مانی جائے گی۔

اودھ سلطنت کا خاتمہ اور اسی درمیان شرر کی ولادت سے جہاں ایک طرف مسرت وشادمانی کا ماحول تھا، وہیں دوسری جانب اودھ کی سلطنت کے خاتمے سے حکیم تفضّل حسین صاحب پریشان حال بھی تھے، اس لیے کہ بے روزگاری عام ہوگئی تھی، ذریعۂ معاش کی کوئی صورت نکل نہیں پا رہی تھی تقریباً چھ (6) سال تک اس پریشانی کے عالم میں شب وروز گزرے، لیکن ایک دن منشی قمرالدین کی جانب سے تفضّل حسین کو مٹیابرج آنے کی دعوت دی گئی، تفضّل حسین وہاں گئے، ان کو بادشاہ کے محرروں میں 20 روپیہ ماہواری تنخواہ پر مقرر کر دیا گیا، اب وہ یہیں پر رہنے لگے۔ لیکن ساتھ ساتھ بچوں اور اہل خانہ کی بھی فکر دامن گیر تھی، ابھی شرر کا بچپن اپنے محلے کے بچوں کے ساتھ کھیل کود میں گزر رہا تھا۔ عمر تقریباً پانچ سال کو پہونچنے والی تھی کہ منشی قمرالدین کے بھائی مولوی حفیظ الدین سے پہلا درس لینے کے لئے لکھنؤ ہی میں قدیم محلّہ کڑہ بزن بیگ خان میں بھیجا گیا۔ یہاں شرر نے اپنے استاد مولوی حفیظ الدین سے تین سال تک زانوئے تلمذ کرتے رہے لیکن اس تین سال کے عرصے میں والد کو اپنے فرزند کی طرف سے کوئی امید افزا اور تسلی بخش خوشی نہیں مل رہی تھی لہذا والد کو یہ تشویش لاحق ہوئی کہ ہمارا بچہ یہیں اپنے محلے میں رہ کر کھیل کود میں مشغول ہو کر علم کی عظیم دولت سے محروم ہو جائے گا، اس لیے انھوں نے شرر کو نو سال کی عمر میں کلکتہ کے مٹیابرج میں اپنے پاس تعلیم کے لئے بلا لیا، وہاں پر ان کے نانا منشی قمرالدین کا تعلق بخشی گری سے تھا۔ ان کے والد کا رشتہ منشی سلطان سے دوستانہ تھا لیکن نانا کا شمار بادشاہ کے وفاداروں میں ہوتا تھا۔ ساتھ ہی ساتھ وہ ایک اچھے خوش خط بھی تھے یہاں تک کی ان کی تحریر کردہ درخواستیں بادشاہ کے ملاحظے میں آتی تھیں، اور والد محترم کا قیام وطعام بھی مٹیا برج میں تھا، اپنے بیٹے کو لکھنؤ سے بلانے کا صرف واحد مقصد تھا۔ کہ اس کو اپنی نگرانی میں رکھ کر تعلیم دی جائے، اس لیے کہ انھوں نے جو لکھنؤ میں تعلیم حاصل کی تھی شاید ان کے والد اس سے مطمئن نہیں تھے۔ ان

کو یہ بھی تشویش لاحق رہی ہوگی۔ کہ کہیں میری عدم توجہی سے میرا بیٹا تعلیم سے ہی نہ دستبردار ہو جائے، جبکہ ہمارا پورا خانوادہ علم کی روشنی سے اپنے پورے عہد کو منور اور روشن کئے ہوئے تھا۔ اپنے خاندان کی علمی بصیرت اور انکی خصوصیات کا ذکر خود شرر اپنے رسالہ دلگداز میں اس انداز سے کرتے ہیں۔

''مجھے خدا کا شکر گزار ہونا چاہیئے کہ میرے تمام اعزہ شریف اور متقی و پرہیزگار تھے، اور گھرانہ اہل علم و فضل لوگوں کا تھا جن کو پڑھنے اور پڑھانے کے سوا کسی اور کام سے سروکار نہ تھا، ان میں اکثر کا پیشہ اور ذریعۂ معاش تعلیم دینا تھا'' (7)

مٹیا برج شرر کے لئے کوئی اجنبی جگہ نہیں تھی اس لیے کہ نانا اور والد کا یہاں سے گہرا رشتہ تھا۔ بیک وقت دونوں یہیں پر موجود بھی تھے، شرر کی ابتدائی تعلیم خود ان کے والد حکیم تفضّل صاحب نے شروع کرائی، اس کے بعد حافظ الٰہی بخش سے قرآن ناظرہ ختم کیا۔ اپنی ابتدائی تعلیم کے سلسلے میں خود بیان کرتے ہیں۔

''والد نے میری تعلیم میں ایسی غیر معمولی کوشش کی کہ دو سال کے اندر فارسی کی دو کتابیں ختم ہونے پائی تھیں کہ میزان صرف اور منشعب شروع کروادیں، یہ کتابیں ختم نہیں ہوئی تھیں کہ منطق میں صغریٰ، کبریٰ اور نحو میں نحو میر اور شرح مایۃ عامل پڑھادیں، اسی درمیان میں ایک بنگالی ماسٹر جو سردار مرزا کو پڑھانے آتے تھے ان سے میں نے انگریزی شروع کی، لیکن وہ تعلیم ناقص تھی کہ اس کو پڑھنا نہیں کہہ سکتا'' (8)

شرر کی تعلیم اب نانا اور والد کی نگرانی میں ہو رہی تھی اور ساتھ ہی ساتھ کلکتہ کے مٹیا برج کی زندگی لکھنؤ کی زندگی سے بہت متضاد اور متنوع تھی، شرر جہاں لکھنؤ میں اپنے محلے اور گلی کوچوں کے بچوں کے ساتھ پل بڑھ رہے تھے، لیکن اب یہاں کی زندگی نانا اور والد کے رفقاء کار اور دوستوں کے گھروں اور انکی صحبتوں میں پروان چڑھنے لگی، یہاں کے سلسلے میں شرر خود لکھتے ہیں۔

''میں کلکتہ مٹیا برج پہنچا تو گویا ایک عالم سے نکل کر دوسرے عالم میں چلا گیا اور میری زندگی کا دوسرا دور شروع ہوا'' (9)

یہاں کلکتہ میں شرر بہت ہی انہماک اور دلجمعی سے پڑھ رہے تھے، وہیں دوسری جانب شہزادوں اور دیگر

بچوں کی صحبت میں خوبصورت اور رنگین ماحول، پر تکلف فضا اور عیش وعشرت کے تمام سامانوں سے لطف اندوز بھی ہو رہے تھے۔ اگر ایک جانب شرر عیش ومسرت کے تمام مواقع سے فائدہ اٹھا رہے تھے۔ تو دوسری جانب منشی سلطان بہادر کی دینی اور علمی مجالس میں بھی شریک ہونے سے نہیں چوکتے تھے، بلکہ بخشی امانت اللہ بہادر کی صحبت میں حاضر ہو کر تہذیب وثقافت اور شائستہ کلچر و پر لطف مذاق کا درس بھی برابر لیتے تھے جیسے جیسے ان کی صحبت شہزادوں سے زیادہ بڑھنے لگی، تو بےفکری، رندانہ مشربی و بے خیالی میں مست رہنے لگے، ان تمام صحبتوں اور عادات واطوار کا ذکر خود کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

''میرا سن سولہ یا سترہ سال کا تھا تو میرے لیے تین صحبتیں تھیں، ایک منشی السلطان بہادر کے یہاں کی صحبت جو بالکل دینی اور علمی صحبت تھی، دوسری امانت الدولہ کے یہاں کی صحبت جو نہایت مہذب، شائستہ پر لطف، پر مذاق تھی، اور تیسری شہزادوں کی صحبت جس میں بےفکری، رندانہ مشربی، شاعری، بذلہ سنجی، دل لگی، مذاق کی باتیں، بے باک آوارہ عورتوں کی صحبتیں اور مدہوشی کی رنگینیں تھیں''۔(10)

یہ تمام مستیاں اور رنگنیاں چل رہی تھیں۔ شرر تعلیم کے ساتھ ساتھ ان تمام مشاغل میں بھی مصروف تھے کہ 1875ء میں ان کے نانا منشی قمر الدین اپنی طویل عمری کی بنا پر وہاں سے سبکدوش ہو کر لکھنؤ چلے آئے اور اپنی جگہ پر شرر کو ملازمت کے لئے متعین کروا دیئے، گویا کہ اب شرر کو پہلی ملازمت مل گئی، لیکن شرر نے اپنی تعلیم کو مسلسل جاری وساری رکھا، شرر مٹیا برج کلکتہ سے بہت کچھ سیکھا اگر چہ ان کو کچھ نقصان اٹھانا پڑا تو دوسری جانب انھوں نے بہت سارے تجربات، مشاہدات، اور فوائد حاصل کئے، وہاں کی بہترین تعلیم وتعلم ،خوشگوار ماحول نے ان کے ذہنی دریچے کھول دیئے، منشی پریم چند شرر کی ابتدائی تعلیم جو مٹیا برج کلکتہ میں ہوئی اس کے متعلق لکھتے ہیں،

''وہیں ان کی تعلیم ہونے لگی پہلے حافظ الٰہی بخش سے سال بھر میں قرآن ختم کیا، گلستاں بوستاں تک استعداد حاصل کی، ملا باقر سے ہدایۃ النحو، کافیہ، ملا جامی ختم کی، منشی عبداللطیف سے شرح وقایہ اور خوش نویسی سیکھی، مولانا طباطبائی سے کچھ عربی کی کتابیں

پڑھیں، حکیم مسیح سے طب حاصل کی‘‘(11)

شررا پنی زندگی کے ابتدائی حسین لمحات مٹیا برج میں کس طرح گزار رہے تھے اس کے بارے میں لکھتے ہیں۔

’’مٹیا برج کی ابتدائی زندگی یوں گزرتی تھی، کہ تعلیم کے علاوہ میرا سارا وقت منشی السلطان بہادر کے گھر میں اور انکی ایک لڑکی اور نواسی کے ساتھ کھیلنے میں صرف ہوتا اور رات کو منشی السلطان کے دسترخوان پر کھانا کھاتا تھا جس کے گردان کے خاندان کے بیس پچیس چھوٹے بڑے ہوتے اور جہاں تک مجھے یاد ہے یہ نہایت، مہذب، اور دلچسپ صحبت تھی جسکا مزا مجھے آج تک نہیں بھولا‘‘(12)

گو یا مٹیا برج میں شرر کی دنیا ہی بدل گئی یہاں تعلیم و تعلم کا ماحول، کھیل کود، اور دلفریب چیزیں بھی ہمہ وقت موجود رہتی تھیں اور روزانہ ایسے لوگوں سے ملاقات ہوتی جن کا تعلق تعلیم و تربیت سے رہتا تھا، کسب علم کی پیاس، اہل علم کی صحبتیں، تقدس و روحانیت کی فضائیں ہمیشہ چلتی تھیں۔ جن سے ایمان کو بصیرت افروز جلا ملتی تھی، شرران تمام مجالس، محافل میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیتے تھے۔ ان محفلوں میں بھی شرر کا داخلہ ہوتا تھا جہاں عیش و عشرت کی لہریں، ورقص و سرور، مسرت و شادمانی کے سرچشمے پھوٹتے تھے، نیز بیڑ بازی اور دلچسپیوں کے تمام لہو لعب میں بھی شریک ہوتے تھے، شرر اپنی زندگی کی ان لمحات کو کس طرح گزارا اس کا ذکر خود کرتے ہیں۔

’’اس دینداری کے رخ کے ساتھ اس زمانے میں میری زندگی کا دوسرا رخ یہ تھا کہ منشی السلطان کے بیٹے سردار مرزا جو والد کے شاگرد تھے بیڑ بازی کا بے حد شوق تھا بادشاہ کے بڑے بیٹے مرزا ولی عہد بہادر کا جب انتقال ہوا تو ان کے سب بیڑ انھوں نے نیلامی میں خرید لیئے۔ چار پانچ بیڑ باز جو جانور بازوں میں نوکر تھے ہر وقت انکی صحبت میں رہتے تھے اور جب دیکھیئے بیڑ بازی کا چرچہ ہو رہا ہے، ہر جمعہ کو داروغہ عباس علی خان کے مکان پر بیڑ بازیوں پر بیڑ لڑاتے، میں جب سبق پڑھ کے آتا تو اس صحبت میں شریک ہو جاتا، خود بیڑ پالتا اور بالالتزام پالیوں میں جاتا جس میں بیڑ بازوں کی حالت اور بازی بدلنے

والوں کے جوش وخروش سے وہ ہنگامہ مچتا جو مجھے زندگی بھر نہ بھولے گا، سردار مرزا کے بیڑ بازوں میں چھوٹے خان نام کے ایک بوڑھے شخص تھے، جو افیونی تھے، بیڑوں کے پالنے اور انکا علاج کرنے ان کو تیار کرنے میں وہ استاد زمانہ سمجھے جاتے تھے، مجھ سے ان سے بہت ربط وضبط تھا جہاں وہ جاتے میں ان کے ساتھ ہو جاتا اور وجہ یہ کہ وہ میرے بیڑوں کو تیار کر دیا کرتے اور بتاتے کہ ان کی نگہداشت کیسے کی جائے، چنانچہ انھیں کے ساتھ پالی کے علاوہ اور دنوں میں بھی داستان سننے کے لئے داروغہ غلام عباس کے مکان پر جاتا، جس میں علی العموم افیونیوں کا ہی مجمع رہتا اور سچ یہ ہے کہ عجیب لطف کی صحبت ہوتی ستر اسی افیونی چار چار، پانچ پانچ کی ٹکڑیوں میں تقسیم ہو کر بیٹھ جاتے، پونڈ چھلتے، بالائی شیر مالیں اڑتیں، افیون گھلتی اور دور جاری رہتا'' (13)

مٹیا برج بھی تقریبا چھوٹا لکھنؤ کی شکل اختیار کر چکا تھا، اس لیے کہ بیڑ بازی، مرغ بازی، کبوتر بازی، اور اس نوعیت کے جتنے بھی کھیل تھے، تمام وہاں پر موجود تھے لکھنؤ کی طرح داستان گوئی کا چلن بھی مٹیا برج میں ہو گیا تھا شرر داستان گوئی کے سلسلے میں لکھتے ہیں۔

''ایک داستان گو جو لکھنؤ سے گئے ہوئے تھے درمیان میں بیٹھ کر داستان کہتے، اور اس خوبی اور فصاحت کے ساتھ کہ میں حیرت سے ان کی صورت دیکھا کرتا، داستان کے چار فن رزم، بزم، حسن وعشق اور عیاری، ان میں دو پچھلے فنون کے یہ داستان گو صاحب بادشاہ تھے، حسن کا نقشہ کھینچتے تو انکی تصویر ان کے چہرے پر پھرنے لگتی اور چند لمحوں کے لئے وہ نہایت ہی خوبصورت بن جاتے، اسی طرح عیاری ایسے عمدہ عنوان سے بیان کرتے کہ چالاکیوں اور عیاروں کے مجسم پتلے بنا کے آنکھوں کے سامنے کھڑے کر دیتے، سچ تو یہ ہے کہ انھیں داستان گو صاحب کی فصاحت بیانی نے مجھ میں فصاحت زبانی کا شوق پیدا کر دیا جس پر شہزادوں اور محلات کی صحبت نے جلا دی اپنے ان لٹریری مکتبوں سے اس درجہ متاثر ہوا کہ اسی زمانے میں والد محترم سے کہہ کر نثر نویسی میں لائق الدولہ بہادر کی شاگردی اختیار کر لی،

جو بادشاہ کے وابستگان دامن میں فارسی کے ایک بہت اچھے نثار سمجھے جاتے تھے‘‘(14)

شرر خالی اوقات میں گھومتے پھرتے اور لہولعب کے ساتھ ساتھ مرغ بازی، بیڑ بازی جیسے مشاغل میں منہمک رہتے تھے، جب ان کے والد کی نظر پڑی تو انھوں نے شرر سے کہا کہ فرصت کے لمحات میں منشی سلطان صاحب کے دفتر میں جا کر ان کے کام کاج میں ان کا ہاتھ بٹاؤ، شرر ایک مطیع وفرمانبردار بیٹے کی طرح والد کے حکم کی تعمیل کرتے ہوئے وہاں جانے لگے، وہاں پر کام کرنے کے دوران جو تجربات اور سیکھ ملی اس کے سلسلے میں شرر خود لکھتے ہیں۔

’’مثل مشہور ہے کہ خدا شکر خورے کو شکر دیتا ہے، ویسے ہی مجھے فارسی عاشقانہ عبارت آرائی کے شوق میں یہاں حسن وعشق کا ایک نہایت ہی دلچسپ مشغلہ ہاتھ آ گیا، بادشاہ کے نام محلات، عالیات، بیگمات جو خطوط بھیجا کرتیں وہ خطوط بادشاہ کے ملاحظے کے بعد اسی دفتر بیت الاجرا میں محفوظ رکھے جاتے یہ خط تو ددنامے کہلاتے علی العموم سرخ اور پرافشاں کاغذ پر ہوتے اور عموماً عاشقانہ انداز سے رنگین عبارت میں لکھے جاتے ان کی تعداد ڈیڑھ سو کے قریب ہوگی جنکو میں پڑھنا شروع کیا مجھے ان میں بڑا لطف آتا......

افسوس کہ اب وہ نایاب ذخیرہ خدا جانے کہاں گم ہوگیا، آج موجود ہوتا تو شائع کرنے کے قابل تھا، اس لیے کہ اس میں جتنے خطوط تھے سب کسی اچھے انشاپرداز کے لکھے ہوئے تھے، اور نہایت زور قلم دے کر رنگین عبارتوں میں لکھے ہوئے تھے، لہٰذا ہر ایک میں جداگانہ جدت طرازی اور تازگی تھی بہر حال میری انشاپردازی کا پہلا نصاب تو ددنامے تھے‘‘(15)

شرر کے ان تمام تحریروں سے واضح ہوتا ہے، کہ جہاں وہ ایک طرف پڑھنے لکھنے کے شیدائی تھے، وہیں دوسری جانب انھیں کھیل کود، موج مستی، شہزادوں کی صحبت میں ہمیشہ رہنا انکا مشغلہ بن چکا تھا، لیکن شرر پہلے ہی اس بات کا اعتراف کر چکے ہیں۔ کہ شہزادوں کی صحبت نے میری زبان وبیان میں جلا بخشی ہے انھیں سے انداز گفتگو اور طرز تکلم کا ایک بڑا حصہ سیکھا ہے۔ شہزادوں سے ان کے تعلقات بہت استوار تھے، اس لیے کہ

بعض شہزادے ان کے ہم سبق بھی تھے۔ جس کی وجہ سے ان کی رسائی اندرون خانہ تک ہوگئی تھی، شرر کا یہ رنگ وسرور اور انکی طرب گاہوں میں شرکت روز بروز بڑھتی جارہی تھی، والد کے کسی ہم چشمک نے شرر کی رندانہ مشربی، بذلہ سنجی، اور مدہوشیوں کو دیکھا تو حیرت استعجاب میں پڑھ گئے، اس طفل نوخیز کے حرکات وسکنات سے فورا ان کے والد کو باخبر کیا، والد کو یقین نہیں ہوا، اس لیے کہ وہ اپنے اس لائق جگر گوشے کی جانب سے مطمئن تھے۔ کہ یہ انتہائی شریف صوم وصلاۃ اور دینی مجالس کا پابند اس کو لہولعب اور دیگر دنیاوی مشاغل سے کیا ربط وضبط لیکن جب انکی خوش فہمی کا قلع قمع ہوا تو گویا ان کے پیروں تلے زمین کھسک گئی، فورا شرر کو طلب کیا اور یہ کہہ کر لکھنؤ واپس بھیج دیا، کہ تمہاری والدہ نے بلایا ہے یہ واقعہ 1877ء کا ہے، ابھی بیٹے کی آنکھوں میں شرم باقی تھی فورا حکم کی تعمیل کرتے ہوئے وہاں سے نکلتے ہیں۔ عجلت کا یہ عالم تھا کہ اپنے ہم مشرب اور ہم سبق شہزادوں تک سے ملاقات نہیں ہو پاتی ہے جس وقت شرر مٹیا برج کو خیر آباد کہہ رہے تھے، اس وقت ان کی عمر تقریبا سترہ سال تھی، مٹیا برج کی تمام خوشیوں، سرمستیوں اور مدہوشیوں کو ہمیشہ ہمیش کے لئے خیر آباد کہہ کر لکھنؤ کی راہ لیتے ہیں۔

لکھنؤ پہونچ کر وہ تمام رنگین ماحول جس میں وہ پرورش پا رہے تھے مفقود ہوگئے، اس کا ذرہ برابر بھی اثر ان کی شخصیت پر نظر نہیں آرہا تھا، پھر اپنی فطری ذوق وشوق اور تعلیم کی آسودگی کے لئے علمی ومذہبی مطالعہ میں منہمک ہوگئے، وہ لکھنؤ کے لئے انجان نہیں تھے بلکہ جس وقت وہ مٹیا برج میں منشی گیری کررہے تھے، اس دوران ان کا لکھنؤ آنا جانا رہتا تھا، ان کا علمی ربط وضبط مولوی عبدالباری، محمد اکرام اور عبدالحی لکھنوی وغیرہ سے پہلے ہی سے تھا لکھنؤ آنے کے بعد شرر نے تمام درسی کتابیں از سرنو عبدالحیؒ لکھنوی سے پڑھی، جب کی یہ کتابیں وہ احمد علی مجتہد سے پڑہ چکے تھے، عبدالحیؒ کا حلقہ درس بہت وسیع تھا، اس میں ہر مسلک وعقائد سے تعلق رکھنے والے طلبہ شریک ہوتے تھے، شرر کے تعلیمی شغف، مذہبی ودینی رمق کو دیکھتے ہی پہچان گئے، اور ان پر خاص نظر عنایت کرنے لگے، شرر جس وقت کلکتہ سے لکھنؤ آئے تھے، اس وقت لکھنؤ کی فضا مناظروں اور مباحثوں والی ہوگئی تھی، ہر طرف شیعہ، سنی، حنفی، اہل حدیث وغیرہ کا مناظرہ چلتا رہتا تھا، ان میں سے ہر ایک اپنے مسلک کی برتری اور فوقیت کی خاطر ایک دوسرے کی تکذیب اور نیچا دیکھنے کی کوشش کرتے رہے

تھے، شررکو یہ ماحول ملتے ہی ان کے مذہبی جوہر نکھرنے لگے، اور مذہبی اور دینی کتابوں میں اپنے آپ کو منہمک کر لیے، عبدالحیٔ لکھنوی کے درس میں ایک طالب علم نور محمد ملتانی بھی تھے، جو عقائد اور مسلک کے اعتبار سے شیعہ تھے، ان دنوں لکھنؤ میں شیعوں کے ایک عالم دین مولوی حامد حسین تھے۔ جن سے نور محمد کی خاصی قربت اور ربط وضبط تھی، نور محمد اپنے علم اور اپنے انداز سے سوچتے اور سمجھتے تھے مولوی حامد حسین کی قربت کا کوئی خاطر خواہ ان پر اثر نہیں ہوا، شرر اور نور محمد ان دونوں کی دوستی ہوگئی، انھوں نے شررکو بہت سی ایسی نادر کتابیں دیں جس کی بساط تک شرر کی رسائی ناممکن تھی، شرر نے ان تمام کتابوں کا مطالعہ کیا، نور محمد اکثر وبیشتر مولوی حامد حسین کے یہاں آیا جایا کرتے تھے، مناظرہ سے دلچسپی تھی، انکا اپنا ذاتی کتابوں کا ایک ذخیرہ بھی تھا جس میں تاریخ وسیر، احادیث وفقہ وغیرہ کی کتابیں بڑی تعداد میں موجود تھیں، نور محمد کے ساتھ شرر مولوی حامد حسین کے گھر جایا کرتے تھے، وہاں پر ان کی ملاقات مفتی میر محمد عباس سے ہوئی جو ادب نواز تھے ان کے کلام میں لطافت اور بذلہ سنجی کا عنصر موجود تھا، شرر نے وقت کو غنیمت سمجھتے ہوئے ان سے دیوان حماسہ، اور مقامات حریری کا درس لینے لگے۔

مولانا حامد کے یہاں کئی کاتب اور ملازم موجود تھے، جو مولانا کے لئے مفید اور مطلب کے اقتباسات کو حوالوں کے ساتھ الگ الگ کاغذات پر نقل کرتے رہتے تھے، نور محمد بھی مولانا کے یہاں ملازمت کرنے لگے، اور ان کا کام تھا اصل متن سے موازنہ کر کے اس میں کسی قسم کی کوئی کمی اور بیشی کو دور کر کے اس کی تصحیح کرتے تھے، انھیں کے ذریعہ شرر کی بھی رسائی ہوئی، وہ بھی مولانا کے کتب خانہ میں جزوی ملازمت کرنے لگے، ان کا بھی وہی کام تھا جو نور محمد صاحب کر رہے تھے، گویا کہ دونوں ایک ہی شعبہ میں کام کرنے لگے، دوران ملازمت شرر کو متعدد نادر کتابوں کے مطالعہ کا شرف بھی حاصل ہوا، جو شاید کہیں اور دستیاب نہیں ہوسکتی تھیں ان دونوں حضرات کا مقصد اولین ایک ہی تھا۔ کہ مولانا کے ذاتی کتب خانہ میں ملازمت ہی کے ذریعہ پہونچا جاسکتا ہے، اور یہ لوگ اپنے مقصد میں کامیاب ہوگئے۔ شرر کی افتاد طبع کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے، کہ انھیں دنوں شبلی نے ایک کتابچہ امام کے قرأت فاتحہ پڑھنے کے مسئلے پر لکھا تھا جس میں شبلی نے مولوی عبدالحی لکھنوی کے فکر کی مخالفت کی تھی، اس میں شرر نے اپنے استاد محترم کے شانہ بہ شانہ شریک

ہوکر شبلی کے رد میں ایک رسالہ لکھا (شبلی ان دنوں مولوی شبلی تھے سرسید سے ان کی ملاقات بھی نہیں ہوئی تھی) مولانا شرر ہمیشہ اس خوش فہمی میں مبتلا تھے، کہ مولانا شبلی اس واقعہ کے بعد طلبائے لکھنؤ سے گھبرانے لگے تھے، اس واقعہ سے شرر کی خوب شہرت ہوئی، جہاں بھی مناظرہ ہوتا تھا شرر کو بلایا جانے لگا، شرر اپنے ہمراہ مولوی نور محمد ملتانی کو لے کر جایا کرتے تھے، یہ دونوں حضرات مسلک اہل حدیث کی نمائندگی کرنے کی حیثیت سے جاتے تھے۔ قیام لکھنؤ کے دوران شرر کا شغف صرف کتب بنی تھا، وہ شب و روز اپنے آپ کو مذہبی کتابوں کے مطالعہ میں قید کر لیے تھے، مولوی نور محمد نے شرر کے اندر کتب احادیث کے مطالعہ کا ذوق وشوق پیدا کر دیا تھا، روز بروز احادیث کے مطالعہ میں اضافہ ہونے لگا، انھیں دنوں دہلی میں علامہ نذیر محدث دہلوی کا بڑا چرچا تھا ان سے درس لینے کے لئے لوگ ہندوستان کے اطراف واکناف اور باہر کے ممالک سے طلباء آیا کرتے تھے، ان کا شہرہ سن کر شرر کے اندر بھی یہ چاہت ہوئی، کہ دہلی جا کر علامہ سے حدیث کا درس لیا جائے، سفر کی تیاریاں شرر دھیرے دھیرے کر ہی رہے تھے، کہ والد محترم حکیم تفضّل حسین مٹیا برج کو 1879ء میں ہمیشہ ہمیش کے لئے چھوڑ کر چلے آئے، اور آتے ہی عبدالحلیم کا عقد ماموں کی صاحبزادی سے کرا دیا، سب کے سامنے شرر مقید کر دیئے گئے، اس سلسلے میں شرر خود لکھتے ہیں، کہ۔۔۔

> ''اسی زمانے میں اپنے حقیقی ماموں حکیم سعدالدین مرحوم کی صاحبزادی سے میرا عقد ہو گیا، یعنی 1297ھ مطابق 1879ء جب کہ میری عمر 18 سال تھی''(16)

شرر کے والد اب ہردوئی میں ایک معمولی سی ملازمت پر اکتفاء کر رہے تھے، شرر کے اوپر اب خانگی ذمہ داری بھی عائد ہوگئی تھی۔ گھر کی ضروریات کیلئے کچھ کام کرنے کی ضرورت تھی، لیکن شرر کو صرف علم کی پیاس لگی تھی ان کا دل دہلی میں لگا ہوا تھا، کہ کس طرح سے اور کتنے جلدی سندالوقت کے محدث کے حلقہ درس میں شامل ہو جائیں، ابھی نئی نئی شادی ہوئی تھی بمشکل چھ (6) مہینے بھی نہیں گزرے تھے، کہ ایک دن اچانک چپکے سے بغیر کسی کو اطلاع کئے ہوئے مولوی نور محمد کا ایک سفارشی خط لے کر دہلی کی جانب رخت سفر باندھ لیا۔ نہ ہی کوئی ہمدم اور نہ ہی زادۂ سفر کا کوئی سامان ساتھ لئے، بلکہ علم کی تلاش میں دہلی پہونچ گئے، یہاں

پہونچ کر وقت کے محدث کی خدمت میں سفارشی خط لے کر حاضر ہوئے، اور اسی کی بدولت ان کا اس مدرسے میں داخلہ ملنے کے ساتھ ساتھ وہیں پر قیام وطعام کا بھی بندوبست ہو جاتا ہے، اب وہ وہاں رہ کر قرآن وحدیث کی تعلیم حاصل کرتے ہیں، عبدالحلیم شرر تقریباً ڈھائی برس تک دہلی میں رہ کر قرآن وسنت کی تعلیم حاصل کرتے ہیں، اوراس کے چشمہ شافی سے سیراب ہوتے ہیں، اس دوران شرر نے بخاری، مسلم، ابوداؤد، نسائی، ترمذی، موطاامام مالک اور تفسیر جلالین وغیرہ کا مطالعہ کیا، یہ احادیث اور تفسیر کی وہ کتابیں ہیں جو تقریباً دین اسلام کے تمام مسائل کا احاطہ کرتی ہیں، ان کے علاوہ اور بھی تفسیر کی بہت اہم اور جامع کتابیں موجود ہیں، دینی علم سے شرر کو خاص لگاؤ تھا، شب وروز قال اللہ اور قال الرسول کی باتیں کرتے تھے، شرر کے لئے مٹیا برج کی وہ تمام رنگینیاں اور بدحواسیاں طاق نسیاں ہوگئی تھیں۔ دہلی کی فضا شرر کو خوشگوار لگنے لگی، اس لیے کہ وہی ماحول بحث ومناظرہ یہاں بھی موجود تھا، جو لکھنؤ میں چھوڑ کر آئے تھے، شرر کو یہاں اچھا موقعہ ملا علامہ نذیر حسین محدث دہلوی کی شاگردی نصیب ہونے کے بعد ان کے سوچنے اور سمجھنے نیز طرز گفتگو کا معیار بلند ہوگیا۔ شرر اپنی دلّی کی اس زندگی کے متعلق لکھتے ہیں۔

''اس زمانے میں نہ ہمیں کسی سے ملنے کی فرصت تھی نہ دہلی کے ادیبوں اور شاعروں سے ملنے کا اتفاق ہوا، حنفیوں اور اہل حدیث کے مابہ انتزاع مسائل پر جھگڑے اور بحث کرنے کے علاوہ ہمیں دنیا ومافیہا سے کچھ سروکار نہ تھا'' (17)

وہ دور مناظرہ اور مباحثہ کا تھا، مسلکی اور مذہبی مناظرہ خوب ہوتے تھے، قیام دہلی کے دوران شرر نے ''کتاب التوحید'' کا ترجمہ بھی کیا تھا، دہلی میں ایک جگہ مناظرہ چل رہا تھا شرر بھی ایک طرف مناظر کی حیثیت سے تھے اور وہیں دوسری جانب مولوی فضل رسول بدایونی بھی تھے جو اہل حدیث کے سخت ترین مخالفین میں شمار کئے جاتے تھے، اور ساتھ ہی ساتھ شاہ ولی اللہ دہلوی کے خاندان کو طعن تشنیع کرنے سے چوکتے نہیں تھے، اور کس طرح سے محدث دہلوی کے خاندان پر الزام تراشی کرتے تھے۔ اس کا ذکر شرر نے اپنے رسالہ دلگداز میں بیان کیا ہے اور ساتھ ہی ساتھ کتاب التوحید کے ترجمہ کرنے کے واقعہ کو بھی نقل کیا ہے۔

''انھوں نے شاہ ولی اللہ کے خاندان کو نہایت بدنام کر رکھا تھا، مولوی شاہ اسماعیل

غازی پوری شہید کی نسبت کہتے تھے۔ کہ ان کی کتاب تقویہ الایمان محمد بن عبدالوہاب کی کتاب کا ترجمہ ہے، جو حج کے موقعہ پر مولوی اسماعیل کے ہاتھ لگ گئی تھی، یوں کہ مجھے رسالہ التوحید اور تقویۃ الایمان جداگانہ نظر آئیں اور دونوں کا بیان اور ترتیب ابواب بالکل الگ الگ تھے لہذا یہ دیکھ کر مجھے، مولوی رسول کی جرات پر حیرت ہوئی، میں فوراً آمادہ ہوگیا کہ رسالہ ''التوحید'' کا اپنی زبان میں ترجمہ کرڈالوں، اور مولوی تلطف حسین اسکے چھاپنے کو تیار ہوگئے، چنانچہ میں ترجمہ کیا اور وہ چھپ گئی، اور میری یہی پہلی کتاب ہے جو شائع ہوئی اور شاید دہلی میں کئی بار چھپ چکی ہے'' (18)

شرر کو بھی یہ احساس ہوا کہ آخر اصل کتاب التوحید کو کیسے تلاش کیا جائے، اس کے لیے وہ ترکیبیں سوچنے لگے، اتفاق سے ان کے مدرسے میں نجد کے دو طالب علم، تحصیل علم کی غرض سے ہندوستان آئے تھے، شرر سے ان کی قربت ہوئی، انھیں کے ذریعے کتاب التوحید کو حاصل کیا، اس کا ترجمہ کیا جس کا ذکر اوپر کیا گیا ہے کہ شرر نے کس طرح اس کا اردو ترجمہ کیا اور اس کو شائع بھی کروایا۔ شرر جس وقت دہلی میں قیام فرما تھے اس وقت دہلی کی فضا شعر وسخن اور ادب نوازی سے بھی معمور تھی، شعر و شاعر کی محفلیں منعقد ہوا کرتی تھیں، لیکن شرر کی توجہ اس جانب مبذول نہیں ہوئی، بلکہ ہمیشہ مناظرہ مباحثہ اور مسلکی عقائد ونظریات کے بحث میں مشغول رہے، دینی تعلیم ہی کو اپنا محور بنا رکھا تھا شرر کی زندگی قیام دہلی کے دوران کس طرح سے گزر رہی تھی اس کا ذکر شرر خود کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

''میری دہلی کی زندگی پارسانہ اور بالکل بے نفسی کی تھی، پانچوں وقت کی نماز مسجد میں پڑھتا، شب وروز مطالعہ کتب میں مشغول رہتا، یہاں تک کہ صاحب (محدث دہلوی) کے ایک داماد تھے جو کہنہ مشق شاعر تھے، اور اچھا کہتے تھے مجھے لکھنؤ کا خیال کرکے وہ اپنی صحبت میں کھینچنا چاہتے تھے، مگر مجھے اس صحبت سے وحشت ہوتی، لمبا کرتا اور شرعی اونچا پائجامہ پہنتا اور اکثر تہبند باندھے رہتا یہاں تک کہ بازار میں جانے میں تأمل نہ ہوتا، معمولی دوپلڑی ٹوپی سر پر رہتی'' (19)

اس اقتباس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ شرر دہلی میں صرف اور صرف دینی تعلیم کی طرف متوجہ تھے، علوم عصریہ کی جانب کوئی توجہ نہیں دی، لیکن اس سلسلے میں ڈاکٹر ممتاز منگلوری لکھتے ہیں۔

''کہ دہلی میں قیام کے دوران شرر نے انگریزی جاننے کی ضرورت کو شدت سے محسوس کیا اور اس کی طرف خاص توجہ دی پوری لگن اور محنت سے کام لے کر انھوں نے چند روز میں انگریزی میں بھی اچھی دست گاہ پیدا کر لی''(20)

شرر جس وقت دہلی میں علم حاصل کر رہے تھے، اسی دوران مولانا الطاف حسین حالی کی (مسدّس) بھی منظر عام پر آئی تھی، اتفاق سے شرر کو دستیاب ہوگئی انھوں نے مطالعہ کیا اس کے کیا اثرات ان کی ذات پر مرتب ہوئے اس کا ذکر کرتے ہوئے رقم طراز ہیں۔

''اسی اثنا پہلے پہل مولانا الطاف حسین حالی کا مسدس جس کو ابھی زیادہ شہرت نہیں ہوئی تھی، اتفاق سے میرے ہاتھ آ گیا، میں نے اس کو اول سے آخر تک پڑھا اور ایسا لطف آیا کہ کئی بار پڑھا، اگرچہ میرے مذاق اور طرز زندگی میں اس سے کوئی تغیر نہیں ہو اگ، رمیرے دل پر مسلمانوں کے عروج وزوال کی ایسی سچی تصویر دکھانے والی نظم کا بڑا اثر پڑا''(21)

شرر کا قیام دہلی کے دوران لکھنؤ بھی آنا جانا لگا رہتا تھا، ایک بار شرر دہلی سے لکھنؤ گئے ہوئے تھے، ادھر سے واپسی کے وقت علی گڑھ میں اپنے دوست محمد اسماعیل واسرائیل کے پاس ٹھہر گئے، شرر سرسید کی شہرت اور ان کی شخصیت سے ناآشنا نہیں تھے، بلکہ ان کی یہ کوشش تھی، کہ ان سے کیسے ملاقات کی جائے، اور علی گڑھ جا کے اگر سرسید سے ملاقات کا شرف حاصل نہ ہو تو اس کو ایسے تصور کیا جاتا ہے کہ کوئی شخص مکہ مکرمہ جائے اور بغیر عمرہ کے ہی واپس لوٹ آئے، گویا سرسید کو اس دور میں خانہ کعبہ کی حیثیت حاصل تھی، لیکن شرر کے جذبات اس قدر معتقدانہ نہیں تھے، تو معاندانہ بھی نہیں تھے، آخر سید صاحب سے ملاقات ہوئی شرر ملاقات کا واقعہ اس طرح بیان کرتے ہیں۔

''سید صاحب نے میرا حال پوچھا اور میں نے کہا لکھنؤ کا ایک طالب علم ہوں دہلی میں

مولوی نذیر حسین صاحب سے حدیث پڑھتا ہوں، اور معقولات کی کتابیں مولوی عبدالحئ صاحب سے پڑھ چکا ہوں سن کر خوش ہوئے اور کہا دہلی میں جا کر مولوی نذیر حسین صاحب سے میرا سلام کہنا، اور میں ان کا احترام کرتا ہوں اور قدیم سے ان کی خدمت میں نیاز حاصل ہے میں نے سلام پہونچانے کا وعدہ کر کے کہا، سید صاحب آپ نے ایک مقام پر تصویروں کے رکھنے کو جائز بتایا ہے، میں اس کو آپ سے سمجھنا چاہتا ہوں فقہی فتوی سے قطع نظر کر کے میں سمجھنا چاہتا ہوں، کہ جس طرح معمول ہے ہر مذہب اور عاقلانہ طرز مروج زمانے سے رسم بن جاتا ہے، اور اس کے صالح اغراض فوت ہو جاتے ہیں، اسی طرح میں سمجھتا ہوں کہ یہی تصویریں جو آج کسی دنیوی مقصد سے رکھی جاتی ہیں، چند روز بعد پوجی نہ جانے لگیں، جیسا کہ بت پرست اقوام میں ہوتا آیا ہے، اس پر سید صاحب نے بڑے زور کا قہقہ لگایا اور فرمایا کی آئندہ زمانے میں لوگ خدا کو تو پوجتے نظر آتے نہیں، تصویروں کو کون پوجتا ہے، یہ جواب میرے لیے تو تسکین بخش نہ تھا، مگر سید صاحب کی بزرگی اور عقل کے خیال سے خاموش رہا'' (22)

اس کے بعد شرر کئی مرتبہ علی گڑھ گئے اور وہاں انھوں نے سر سید احمد سے ملاقات بھی کی۔ مولانا عبدالحلیم شرر اب اپنی تعلیم کو مکمل کرنے کے بعد 1880ء کے اواخر میں دلّی سے لکھنؤ لوٹ جاتے ہیں، یہاں آنے کے بعد اب تلاش معاش کی فکر دامن گیر ہوتی ہے، اس لیے کہ اب وہ اکیلے نہیں تھے، بلکہ پہلے سے زیادہ ذمہ داریاں ان کے کندھوں پر عائد ہو گئی تھیں اور رزق کی تلاش میں سرگرداں ہو جاتے ہیں، دہلی سے واپسی کے بعد ایک دن اپنے مشفق استاد کی خدمت میں حاضر ہو کر علیک سلیک کے بعد احوال وغیرہ دریافت کرتے ہیں انھیں بھی اپنے شاگرد عزیز کا خوب خیال تھا شرر کے کہنے پر وہ منشی نول کشور کو ایک سفارشی خط لکھتے ہیں ان سے یہ عرض داشت کرتے ہیں کہ اس بچے کو اپنے مطبع میں پروف ریڈنگ کی ملازمت دینے کی زحمت فرمائیں، شرر اس خط کو نول کشور کو دیتے ہیں، وہ ایک جہاں دیدہ اور سریع الفہم ہونے کے ساتھ ساتھ تجربہ کار بھی تھے دوران گفتگو وہ شرر کی ذہانت وفطانت اور قابلیت وصلاحیت کا اندازہ لگا لیتے ہیں اور ان

سے کہتے ہیں، کہ آپ کی شخصیت اس کام کے لئے نہیں ہے بلکہ آپ کا مقام تو اس سے کہیں اوپر ہے، آپ صیغۂ تصحیح میں رہ کر کچھ ترقی نہیں کر سکتے ، بلکہ آپ ہمارے اخبار اور رسالہ کے لئے مضمون لکھا کیجئے ، یہ کام تو شرر کے موافق تھا اور ان کے لئے انتہائی آسان بھی ،اس لیے کہ اس سے پہلے مضامین وغیرہ وہ لکھ چکے تھے، دوران قیام دہلی میں کچھ کتابوں کا ترجمہ بھی کر چکے تھے، بعض ادیبوں نے شرر کے تعلق سے یہ بھی لکھا ہے کہ جس وقت شرر مٹیا برج کلکتہ میں قیام پذیر تھے اس وقت وہ وہاں سے اودھ اخبار کے نامہ نگار کی حیثیت سے کام کرتے تھے،اس کا ذکر خاکی قرلباش نے اپنے ایک مضمون میں کیا ہے لکھتے ہیں۔

'' کلکتہ کے دوران قیام ہی میں مولانا کو اخبارات کا ذوق پیدا ہوا تھا اور وہ اودھ اخبار میں بحثیت نامہ نگار خبریں لکھ کر بھیجا کرتے تھے'' (23)

ڈاکٹر ممتاز منگلوری اس سلسلے میں لکھتے ہیں کہ

'' کلکتے میں قیام کے دوران سے شرر کو صحافت سے دلچسپی پیدا ہوگئی تھی ،اور وہ وہاں سے اودھ اخبار کے لئے نامہ نگاری کے لئے کام کیا کرتے تھے'' (24)

شرر نے اپنی اس نامہ نگاری والی بات کو اپنی آپ بیتی میں ذکر نہیں کیا ہے،لیکن عدم ذکر سے عدم وجود لازم نہیں آتا ہے۔ الغرض شرر لکھنے پڑھنے اور مناظرہ وغیرہ میں پہلے سے مشغول رہتے تھے، دہلی سے لکھنؤ لوٹنے کے بعد علی احمد کسمنڈی کے کہنے پر بہت سارے اخبارات ورسائل میں مضامین لکھ چکے تھے اس لیے شرر کے لئے یہ کام بہت مناسب اور موزوں تھا، 1881ء میں نول کشور نے ان کو اپنے ادارتی عملہ میں شامل کر لیا،اس کے بعد شرر کی صحافتی زندگی میں چار چاند لگنے شروع ہو گئے۔مولانا عبدالحلیم شرر کو صحافتی دنیا میں دلچسپی پیدا کرنے نیز ان کو تحریک وترغیب دینے میں کسمنڈی پیش پیش تھے انھیں کے کہنے پر اپنا تخلص شرر اختیار کیا،اس سلسلے میں محمد یحییٰ لکھتے ہیں۔

'' انھیں کی تجویز سے شرر کا تخلص اختیار کیا تھا،اور دو چار غزلیں کہیں تھیں گویا ان سے تلمذ نہ تھا اور جو کچھ کہتے تھے اس پر حیدر آباد بھیج کر اپنے پرانے استاد مولوی علی حیدر صاحب نظم طبا طبائی سے اصلاح لیا کرتے تھے لیکن اخبار کی دنیا اور مضمون نگاری کی طرف ان کو منشی احمد علی کسمنڈی ہی نے متوجہ کیا''(25)

عبدالرزاق کانپوری کہتے ہیں کہ شرر کا تخلص ان کے استاد امیر مینائی نے رکھا تھا اس لیے کہ شرر کی طبیعت میں گرمی اور جوشیلا پن تھا جس کی وجہ سے انھوں نے یہ تخلص رکھنے کے لئے کہا لیکن مولانا عبدالحلیم اس سلسلے میں خود خاموش ہیں۔

شرر اودھ اخبار میں ملازمت شروع کر دیئے ان کی ماہواری تنخواہ تیس روپیہ متعین ہوئی، اخبار کے اسسٹنٹ ایڈیٹر مقرر کر دیئے گئے اس وقت شرر کی نو عمری کا زمانہ تھا، طبیعت زوروں پر تھی، ادبی مذاق کے ساتھ ساتھ اعلی خیال آفرین کی دولت قدرت کی جانب سے ودیعت کردہ تھی قارئین اودھ کو ان کے قلم کی زود بیانی نے موہ لیا تھا، ان کے مضامین اودھ اخبار میں قسط وار چھپنے لگے، لکھنے کی مشق شرر کے یہاں اس قدر سہل تھا، کہ وہ مہینے بھر کے مضامین کو تقریبا چار یا پانچ دنوں میں لکھ کر رکھ لیتے تھے، اس اخبار سے شرر کیا منسلک ہوئے ان کے تخلیقی جوہر نکھرنے لگے، اس اخبار میں کسی بھی موضوع پر چاہیں مضمون لکھ سکتے ہیں۔ کسی خاص موضوع کی حد بندی نہیں تھی۔ شرر ادبی و علمی اور فلسفانہ خیالات پر مضامیں لکھنے لگے۔ ان کے جوہر طبع کی جوالانیوں نے ہر چہار جانب دھوم مچا رکھی تھی۔ نیز مستند اور معتبر شاعر و ادیب ان کی جانب کشاں کشاں چلے آرہے تھے، شرر نے ایک مضمون اودھ اخبار میں (روح) کے نام سے لکھا تھا، جس کے بعض اقتباسات کے خیالات سر سید احمد کو بہت پسند آئے، جس کے لیے انھوں نے منشی نول کشور کو ایک خط لکھا اور اس میں سے کچھ خیالات کو اپنی تفسیر میں شامل کرنا چاہتے تھے، اس کا ذکر تنہا نے اپنی کتاب سیر المصنفین میں اس طرح کیا ہے۔

> ''ایک مضمون (روح) پر مولانا کے قلم سے نکلا تھا، اس کو پڑھ کر سر سید احمد خاں نے منشی نول کشور کو اس مضمون کا ایک خط بھیجا کہ اودھ اخبار میں (روح) پر جو مضمون چھپا ہے، بہت اعلی درجے کا ہے، میں اپنی تفسیر میں اس کے چند خیالات لینا چاہتا ہوں لہٰذا ان صاحب سے جن کا مضمون ہو، مجھے اخذ کرنے کی اجازت دلوا دیجئے، منشی نول کشور نے مولانا سے دریافت کر کے سید صاحب کو ان کی خواہش کے مطابق اجازت دے دی''(26)

شرر اس قدر لکھنے، پڑھنے کے شوقین اور متلاشی تھے، بھلا وہ کس طرح ایک ہی اخبار پر قائم و دائم رہ سکتے

تھے، ان کے قلم کی جولانی و جودت طرازی کے لئے یہ مناسب ہی نہیں تھا، کہ وہ ایک ہی اخبار میں لگے رہتے، لہٰذا تمام اعتراضات سے بچنے کے لئے انھوں اپنے ایک بہت ہی قریبی دوست مولوی عبدالباسط کے نام ایک ہفتہ واری مجلّہ محشر کے نام سے جاری کیا عبدالباسط کا نام سرورق پر اس لیے رکھا گیا تا کہ اخبار اودھ کی جانب سے کسی قسم کا احتجاج و اعتراض نہ کیا جائے، یہ رسالہ اپنی دلکش تحریروں اور عبارت کی رنگینوں کی وجہ سے انفرادی مقام رکھتا تھا۔مختلف قسم کی نازک خیال آرائیاں شاعرانہ مذاق وغیرہ پر مشتمل تھا اس کے سلسلے میں صاحب سیرالمصنفین لکھتے ہیں

> ''اس میں اول سے آخر تک مضامین مولانا کے قلم سے ہوتے تھے محشر رنگین اور شاعرانہ مذاق کا پرچہ تھا جس میں بہت سی نازک قسم کی خیال آرائیاں ہوتی تھیں، ایک زمانے تک اس میں (زمانہ کا جائزہ) کے عنوان سے ایک نرالے مضمون کا سلسلہ جاری رہا، اردو میں یہ ایک نیا اور اچھوتا رنگ تھا سب لوگوں نے عموما انگریزی خوانوں نے خصوصا ان مضامین کو پسند کیا'' (27)

اس رسالے کی مقبولیت میں روز بروز اضافہ ہورہا تھا شرر کا شروع ہی سے مناظرہ اور ڈبیٹ جیسی چیزوں سے خاص لگاؤ تھا، اس لیے ہمیں اس کی جھلک کہیں نہ کہیں ان ادبی رسالہ میں نظر آ ہی جاتی تھی، ان کا یہ رسالہ فارسی تشبیہوں، ترکیبوں، استعاروں اور انگریزی کے بندشوں کا ایک حسین امتزاج اپنے اندر سموئے ہوئے تھا، شرر کا یہ رسالہ نکلتا رہا اور شاید شرر کو بھی یہ گمان تھا کہ منشی نول کشور اس خبر سے مطلع نہیں ہیں وقت گزرتا رہا تقریبا دو سال بعد 1884ء میں نول کشور نے اودھ اخبار کا خصوصی نمائندہ بنا کر حیدر آباد جانے کے لئے کہا یہ حکم شرر کے لئے گویا قیامت صغری سے کم نہ تھی، اس لیے کہ شرر کا لکھنؤ سے جانا (محشر) کے لئے اچھی خبر نہیں تھی، شرر حیدر آباد چلے گئے اور یہ رسالہ بند ہو گیا، شرر کے حیدر آباد پہونچنے پر نواب محسن الملک نے پر زور استقبال کیا، ملازمت کی پیش کش کی، شرر نے انکار کر دیا، شرر کی مقبولیت پہلے ہی سے تھی لوگ ان کو ان کی تحریروں سے جانتے تھے، انھیں دنوں حیدر آباد میں ایک اخبار (ہزار داستان) کے نام سے نکل رہا تھا اس کے مالک سید حسن کی خواہش تھی کہ شرر ان کے اس اخبار کی ادارت قبول فرمائیں، ان کی یہ

پیش کش اچھی لگی لیکن شرر نے اس کے لیے ایک شرط رکھی کہ میں پہلے لکھنؤ جا کر منشی نول کشور کے اخبار سے مستعفی ہوں گا، لہذا شرر کی درخواست تسلیم کر لی گئی اور شرر نے حیدرآباد سے لکھنؤ کا رخت سفر باندھ لیا، ممبئی، بڑودہ، اجمیر، اور آگرہ ہوتے ہوئے لکھنؤ پہونچے۔ منشی نول کشور سے ملازمت سے سبکدوشی کے لئے درخواست کی، منشی صاحب نے بادل نخواستہ ان کی درخواست کو منظور کیا۔

لیکن پیسے کا لین دین اور حساب وغیرہ مکمل نہیں کیا، بلکہ اس کے لیے شرر کو جھیلنا پڑا، شرر کو روپیوں کی سخت ضرورت تھی وہ بغیر روپیوں کے کیسے حیدرآباد جاتے، نول کشور کی جانب سے جان بوجھ کر مسلسل تاخیر ہو رہی تھی، آخر ایک دن حساب مکمل ہوا اور اب شرر جانے کی تیاری کرنے لگے، لیکن اچانک وہاں سے ایک خط شرر کو موصول ہوا اس میں لکھا ہوتا ہے، کہ آپ حیدرآباد تشریف نہ لائیں، شرر اس سلسلے میں لکھتے ہیں،

> ''میں نے اخبار اور پریس دونوں ایک صاحب کے ہاتھ فروخت کر ڈالا ہے اب آپ آنے کی زحمت نہ کریں'' (28)

اس خط کے آنے سے شرر بہت کبیدہ خاطر ہوئے، اس لیے کہ اب ان کے پاس کوئی ذریعہ معاش بھی نہیں تھا ان کو یہ فکر بھی لاحق ہوئی کہ گھر کا خرچ اور اسکا انتظام وانصرام کیسے ہوگا، اب وہ مسلسل خالی رہنے لگے، اب وقت گذری کے لئے شرر کے پاس کوئی شغل نہیں تھا، وہ دن بھر اپنے ایک قریبی دوست منشی نثار صاحب کے کتاب کی دکان پر وقت گزارتے رہتے تھے کچھ کام وغیرہ ان کے پاس آجاتا تو وہ شرر کو دے دیا کرتے تھے، جس سے ان کا تھوڑا بہت کام چل جاتا تھا، ان کے پاس ایک مطبع تھا اور وہ ایک مجلّہ بھی (پیام یار) کے نام سے شائع کرتے تھے، انھوں نے شرر کو مشورہ دیا کہ آپ کوئی ناول لکھیں میں اس کو اپنے مطبع سے شائع کروں گا، اس بارے میں شرر خود لکھتے ہیں۔

> ''انھوں نے مشورہ دیا کہ میں کوئی ناول لکھوں، جس کو وہ اپنے مطبع میں چھپوائیں اور (پیام یار) میں اشتہار دیں، فروخت میں جتنا روپیہ وصول ہو، نصف میرا اور نصف ان کا میں نے اس کو قبول کیا، اور ناول، ''دلچسپ'' کا پہلا حصہ لکھ لیا، جو میری پہلی تصنیف ہے''(29)

شرراب ناول لکھنے میں مشغول ہوگئے ان کا یہ معاشرتی ناول منظر عام پر شائع ہونے کے بعد آیا، توقع سے زیادہ بہت ہی کم وقت میں ہاتھوں ہاتھ فروخت ہوگیا، اس سے ناشر اور مصنف دونوں کے حوصلے مزید بڑھے، اور یہ واقعہ 1885ء کا ہے ابھی شرر نے ایک ہی جلد شائع کیا تھا، اب اس کی مقبولیت اور قبول عام کو دیکھتے ہوئے شرر نے اس کا دوسرا حصہ بھی 1886ء میں مکمل کر کے شائع کرادیا، اس بارے میں شرر خود رقم طراز ہیں۔

> ''میرا یہ پہلا ناول شاعرانہ سخن آفریں کا پہلا نمونہ ہے، میری عربی و فارسی انشاء پردازوں کے رنگ کو جدید انگریزی مذاق کے سانچے میں ڈھالا تو انگریزی کے مطالعہ نے عاشقانہ جذبات بھر دیئے، اس میں شک نہیں کہ انگریزی کے طرز پر یہ اردو کی شاعرانہ و عاشقانہ انشاء پردازی کا پہلا نمونہ ہونے کی وجہ سے اس ناول کی عبارت میں خیال آفرینی کا جس قدر زور ہے اسی قدر جملے بڑے ہوگئے اور اس قدر پیچیدہ ہوگئے۔ کہ عام ناظرین باوجود بے حد لطف اٹھانے کے پوری طرح سمجھ نہ سکے ہوں گے، اس امر کو میں اب محسوس کرتا ہوں۔ مگر ان دنوں جس قدر زیادہ مدح سرائی کرتا اسی قدر مجھے بھی اپنی اس پیچیدہ رنگ میں ڈوبی ہوئی عبارت پر ناز ہوتا، لیکن قاعدہ یہ ہے کہ مشق خود ہی عیوب کو دور کرتی ہے، چنانچہ دلچسپ کے پہلے حصے کی عبارت میں جس قدر الجھاؤ ہے، دوسرے میں نہیں لیکن یہ محض فطری اصلاح تھی جس میں میرے اس ارادے کا بہت کم دخل تھا، اس لیے کہ اس وقت میں اپنے اس عیب کو محسوس بھی نہیں کیا تھا'' (30)

شرر نے اس اقتباس میں اپنی ان تحریروں اور اسلوب کے سلسلے میں بیان کیا ہے کہ کس قدر پیچیدہ رنگ ان کی تحریریں اختیار کی ہوئی تھیں، لیکن یہ وہ دور تھا جب ناول لکھنے کا چلن شروع ہو چکا تھا۔ اور اس میں اپنا قدم جمانا بہت مشکل کام تھا۔ انگریزی اور دیگر زبانوں میں ناول مسلسل لکھے جا رہے تھے شرر کو اس بات کا بھی احساس تھا، ان کی انگریزی بھی اتنی اچھی نہیں ہے کہ وہ انگریزی زبان میں کچھ لکھ سکیں، لہٰذا انھوں نے اس وقت کو مناسب سمجھا کہ کیوں نہ اپنی انگریزی استعداد کو بہتر کرلیا جائے، اس کے لیے انھوں نے ڈکشنری

اور گرامر کی کتابوں کی مدد سے اپنی اس کمی کو دور کرنے کی کوشش میں لگ گئے ، اور انگریزی اور انگریزی کتابوں کا مطالعہ بھی شروع کردیا ، ان کو اس بات کا بھی ادراک تھا کہ اگر اس دور میں ناول کی دنیا میں مضبوطی کے ساتھ قدم جمانا ہے تو اس کے لیے انگریزی کا جاننا بہت ضروری ہے، شرر سیکھنے میں کوئی کسر نہیں چھوٹی اور اپنی اس کمی کو دور بھی کرلیا، اسکا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ اسی دوران بنگال کے ایک ناول نگار بنکم چٹر جی تھے جن کا ایک ناول (گیش نندنی) کے نام سے شائع ہو چکا تھا اس کا انگریزی ترجمہ شرر کے ہاتھ لگ گیا، انھوں نے اس کا باریک بینی سے مطالعہ کیا اور یہ ناول شرر کو کافی پسند آیا اس لیے کہ اس میں ہندوستان کی تاریخ بیان کی گئی تھی اور اس کے کردار بھی ہندوستانی تھے، لہٰذا شرر نے یہ ارادہ کرلیا کہ اب اس کا ترجمہ اردو زبان میں کیا جائے اور انھوں نے (زمیندار کی بیٹی) کے نام سے اس کا ترجمہ بھی کیا، شرر کی زمیں پہلے سے ہموار تھی بس کیا تھا انھوں اپنے دوست منشی نثار حسین کے اخبار (پیام یار) میں اس کا اشتہار دیا ، اور 1986ء میں ان کے مطبع سے اس کو شائع کیا ، یہ کتاب بھی منظر عام پر آتے ہی قارئین نے ہاتھوں ہاتھوں خرید لیا، اس کتاب کو مکمل طور سے شرر نے انگریزی سے اردو زبان میں ترجمہ کر ڈالا ، اب ہم کہہ سکتے ہیں، کہ شرر انگریزی زبان میں اچھی دسترس حاصل کر چکے تھے اور یہ ترجمہ اس کا بین ثبوت ہے ۔ شرر کو 1884 سے 1886ء کے دوران میں ذریعہ معاش اور گزر بسر کے جو احوال پیش آئے اس کا ذکر اپنے رسالہ دلگداز میں کرتے ہیں ۔

> ''1884 سے 1886 ء کے اواخر تک میری زندگی یوں ہی بسر ہوئی کہ مذکورہ ناولوں کی اشاعت سے مجھے بسر کرنے کے لیے تھوڑا بہت مل جاتا تھا اور مجھے نوکری کی تلاش پر مجبور نہیں ہونا پڑا ۔ منشی نثار حسین صاحب سے مجھے مالی امداد اشتہاری مدد اچھی ملی اور میں نے ان کے پریس اور ادبی اشاعتوں میں کافی مدد کی'' (31)

شرر کی تصنیف و تالیف اور ناول نگاری وغیرہ کا ابھی سلسلہ شروع ہوا تھا کہ ان کے دوست منشی نثار حسین کے توسط سے اٹاوہ (اتر پردیش) کے مولوی بشیر الدین سے ان کی ملاقات ہوئی ، شرر سے اب ان کی ملاقات برابر ہونے لگی ، جب بھی وہ لکھنؤ تشریف لاتے دونوں صاحبان سے بغیر ملاقات کئے واپس نہیں

جاتے، وہ خود ایک رسالہ ''البشیر ،، کے نام سے نکالتے تھے اس دوران انھوں نے شرر کو مشورہ دیا کہ اس طرح خالی بیٹھے ہوئے ہیں، کیوں نہیں آپ کوئی رسالہ نکالتے ،جس کے ذریعہ آپ اپنی بات پہونچانے کے ساتھ ساتھ اردو ادب کی ترویج واشاعت میں نمایاں کردار بھی ادا کریں گے، اس لیے کہ بشیر صاحب پہلے سے شرر کو اوران کی تحریروں کو جانتے تھے۔ان کے اس بھروسے سے شرر کی ہمت کو مزید تقویت ملی اور انھوں نے خریداروں کو لانے تک کی بات کہی۔اس کے لئے مشورہ بھی دیا کہ یہ رسالہ زیادہ سے زیادہ سولہ صفحات پر مشتمل ہو، ماہواری ہو، اوراس کی سالانہ امداد ایک روپیہ ہو، انھوں نے فوراپانچ خریداروں کا چندہ بھی دے دیا، اب شرر کے کے لئے اور بھی آسانی ہوگئی۔شرراس کے لیے مکمل طریقے سے کمر بستہ ہوگئے، شرر نے اس بات کا ذکر اپنے رسالے میں خود کیا ہے کہ ان کا پہلا رسالہ کس طرح نکلا وہ لکھتے ہیں۔

''انھیں پانچ روپیوں سے، میں دلگداز کا پہلا اشتہار چھپوا کر پیام یار میں شائع کرادیا، خوش نصیبی سے پندرہ روز کے اندر تین چالیس درخواستیں قیمت کے ساتھ آگئیں، اور انھیں روپیوں سے دلگداز کا پہلا نمبر جنوری 1887ء میں چھپا، غرض دلگداز کی اشاعت میں میرا ایک بھی پیسہ نہیں لگا، اور تین ہی چار مہینوں میں اس کی اشاعت ہزار سے زیادہ ہوگئی'' (32)

اس رسالہ سے شرر کی معاشی بدحالی اور پریشانی بھی دور ہوگئی اور ان کے لیے ایک ذریعہ معاش کا بندوبست بھی ہوگیا۔اب اردو زبان وادب کی ترویج اور فروغ میں یہ رسالہ اپنی خدمات بھی انجام دینے لگا، شرر کا یہ رسالہ روز افزوں ترقی کے منازل طے کرنے لگا، اسکا ذکر شرر اپنے ایک مضمون، 1887ء میں اپنی خوشی کا اظہار کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

''ہماری زندگی کو اس نے بہت عمدہ اور کامیاب کرنے والا تغیر دیا اس سن میں ہم کو موقعہ ملا کہ پبلک سے بلاواسطہ گفتگو کرنے کا ایک سلسلہ وار ذریعہ قائم کریں'' (33)

شرر کا یہ رسالہ مختلف نوعیت کے مضامین کے ساتھ شائع ہورہا تھا اور قارئین کو مسلسل اپنی جانب کھینچ رہا تھا، شرر خود ہی اس بات کا ذکر کررہے ہیں کہ کس طرح کے مضامین دلگداز میں لکھے جارہے تھے۔

''دلگداز کے مضامین اس خاص رنگ کے تھے جواب میں نے مذاق خیال سے
مغربی ومشرقی رنگ عبارت ملا کے پیدا کیا تھا، اور جس طرح سے دومختلف اور متضاد
عناصر کی آمیزش سے ایک نیا مزاج پیدا ہوتا ہے، اسی طرح یہ رنگ عبارت مشرقی
ومغربی آمیزش سے پیدا ہوا اور اتنے دنوں میں میں نے ایسی شان پیدا کر لی تھی کہ
ہندوستان کے ہر حصے سے داد مل رہی تھی''(34)

شرر کا رسالہ دلگداز مسلسل ترقی کرر ہا تھا، جیسا کہ شرر نے اس بات کا ذکر خود کیا ہے، اس کی مقبولیت کا اندازہ اس سے بھی لگایا جاسکتا ہے، کہ اسی کی آمدنی اور کمائی سے اپنا ایک پریس بھی قائم کرلیا، جیسا کہ مذکورہ بالا سطور میں پہلے ذکر کیا جاچکا ہے، کہ شرر جس دور میں اپنا رسالہ نکال رہے تھے، وہ دور ناولوں کا تھا اور شرر اس بات سے بخوبی واقف تھے کہ اگر اپنے اس رسالے میں ناول کی بھی اشاعت کی جائے تو قارئین اس چیز کو پسند کریں گے، اس کا تجربہ بھی شرر نے کیا جیسا کہ اس دور میں ایک مشہور ناول والٹر اسکاٹ کا طلسمان (Talisman) کے نام سے شرر کو پڑھنے کا موقعہ ملا، اس ناول کا موضوع بیت المقدس کی جنگ تھی جو بادشاہ رچرڈ اور سلطان صلاح الدین ایوبی کے مابین واقع ہوئی تھی اس ناول میں رچرڈ نے مسلمانوں کی تضحیک اور تذلیل کر کے ان کا کردار پیش کیا تھا جب شرر نے اس ناول کو پڑھا تو ان کو یہ بات بہت ناگوار گزری، اور انھوں نے اس کے جواب میں (ملک العزیز ورجنا) نام کی تاریخی ناول لکھی، اس سلسلے میں شرر خود لکھتے ہیں۔

''انگریزی میں ترقی کے سلسلے میں میں نے والٹر اسکاٹ کا ناول ٹے لس مین پڑھا
جو تیسری صلیبی لڑائی کو پیش نظر رکھ کے تصنیف کیا گیا تھا اور اس میں مسلمانوں کی اہانت
کو دیکھ کر مجھے ایسا جوش آیا، کہ اس عنوان سے میں بھی ایک ناول لکھوں، چنانچہ یہی جوش
نکالنے کے لئے میں نے ملک العزیز ورجنا شائع کرنا شروع کیا''(35)

شرر نے اپنے رسالے 1888ء میں پہلی بار ناول کو شائع کرنا شروع کیا، شرر کا یہ ناول قسط وار دلگداز میں شائع ہو رہا تھا، قارئین نے اس کو بہت پسند کیا، لہٰذا شرر کی یہ ناول اور ساتھ ہی ساتھ ان کا رسالہ دلگداز

شہرتوں کی بلندی تک پہونچ گیا تھا، یہ ناول کامیابی کی سیڑھیوں کو عبور اس لیے کرر ہا تھا، کہ یہ اپنی نوعیت کے اعتبار سے صنف تاریخ میں ناول نگاری کی یہ جدید کوشش تھی۔شرراس میں کس قدر کامیاب ہوئے، اس کو قارئین نے ثابت کردیا، اس ناول کے سیکڑوں ایڈیشن ہندوستان اوراس کے باہر کس طرح فروخت ہو گئے ۔اس ناول نے لوگوں کے بجھے ہوئے جذبات کو نئے سرے سے برانگیختہ کردیا،شررنے جب دیکھا کہ ان کا ناول اس قدر مقبول ومشہور ہورہا ہے ، توانھوں نے اس سے متاثر ہوکرفن تاریخ پر بہت ساری ناولیں لکھیں، جس کوقارئین نے شرف قبولیت سے نوازا بھی، جیسے حسن انجلینا، منصور موہنا،فلورا فلورنڈا، ایام عرب، فردوس بریں، فتح اندلس، زوال بغداد، اوراس طرح کی کئی ناولیں شررنے تحریر کی ہیں اوراس کی وجہ سے شررکواردو دنیا میں ایک تاریخی ناول نگار کی حیثیت سے جانا جانے لگا، شررکی ان کے علاوہ اور بہت سارے موضوعات پر تصنیف موجود ہیں مثلا، تاریخ، سوانح ،مضمون نگاری، انشاءنگاری وغیرہ وغیرہ، آگے چل کراس مقالے میں ان تمام اصناف پر الگ سے بحث کی جائے گی۔

الغرض، دلگداز شررکی محنتوں اوران کے شب وروز کے تگ ودو سے مسلسل کامیابی کی جانب پروان چڑھ رہا تھا، اس رسالے میں شرراپنی باقی ماندہ ناولوں کوقسط وار بھی شائع کررہے تھے، شرراس رسالے کے تئیں اتنے پرامیداور پرجوش تھے کہ اس رسالے کی کامیابی کو دیکھتے ہوئے 1890ء میں انھوں نے ایک اورمجلّہ جاری کیا جسکا نام (مہذب) رکھا، یہ ہفتہ واری تھا اس رسالے میں شررمذہب اسلام کی مشاہیر کی سوانح عمریوں کولکھا کرتے تھے، یہ رسالہ بھی ہرخاص وعام میں بہت مقبول ہوا، شررکا یہ رسالہ ایک قسم کے قارئین تک محدود ہوگیا۔ہم کہہ سکتے ہیں کہ اس رسالے نے اپنے قارئین کا ایک مخصوص حلقہ تیارکرلیا تھا، شررکا یہ رسالہ تقریبا ایک سال تک نکلتا رہا، کہ اچانک شررکو مالی مشکلات درپیش آگئیں، جس کی وجہ سے اس مجلّے کی اشاعت کو بند کرنا پڑا، یہ رسالہ ابھی بند ہی ہوا تھا، کہ شررکی گھریلو دقتیں مزید بڑھتی جارہی تھیں، اپنے خانگی مسائل میں اس قدر الجھ گئے کہ ان کو اپنے مقبول اور معروف رسالہ دلگداز کی اشاعت کو بھی 1891ء کے اپریل میں بند کرنا پڑا، شررکے مسائل اس قدر پیچیدہ ہو گئے کہ شررکو تلاش معاش کی ضرورت لاحق ہوگئی، اس کے لئے 1891ء میں حیدرآباد کا رخ کیا، شررو ہاں کے علمی وادبی سرگرمیوں سے پہلے ہی واقف تھے۔

انھوں نے کچھ دن وہاں قیام کیا۔ان کی ملاقات وہاں کے نواب ،سر وقارالامراء بہادر مدارالمہام سے ہوتی ہے،ان کو اپنے چھوٹے صاحبزادے کے لئے ایک اتالیق کی ضرورت ہوتی ہے، جو بچپن ہی سے انگلستان کے ایٹن (ETON) کالج میں زیر تعلیم ہے،نواب کو اپنے اس بیٹے کی فکر دامن گیر تھی کہ یہ جس ماحول میں تعلیم حاصل کرر ہا ہے، اس کی بودوباش جس جگہ ہو رہی ہے، وہ لازمی طور پر اپنی دینی و مذہبی تشخص کو بھول جائے گا، اس لیے ہمیں ایک ایسے استاد کی ضرورت ہے جو اسے دینی و مذہبی تعلیم کی روشنی سے روشناس کر سکے،نواب نے اس کے لئے شرر کا انتخاب کیا اور اپنے بیٹے کے ساتھ انگلستان بھیجنے پر راضی ہو گئے۔ اس واقعہ کو محمد یحییٰ نے اپنی کتاب سیر المصنفین میں اس طرح سے نقل کرتے ہیں۔

''میں آپ کو اپنے بیٹے کی دینی تعلیم و تربیت کے لئے انگلستان بھیجنا چاہتا ہوں،آپ جائیں گے؟ مولانا نے جواب دینے کے لئے تین دن کی مہلت مانگی،اور کل احباب نے قبول کرنے کا مشورہ دیا،اس لیے تیسرے دن وہاں جا کر رضامندی ظاہر کی،نواب صاحب خوش نے ہو کر فرمایا،آپ لکھنؤ جا کر اپنے مطبع اور کاروبار کا انتظام کر آیئے ،مولانا فوراً لکھنؤ آئے ، مطبع اور کارخانے کو بند کیا،اور انگلستان کے شوق میں پندرہ روز کے اندر ہی حیدرآباد واپس آ گئے ،اور جب وہاں پہونچے تو وقارالامراء نے غالباً اپنے کسی ایسے مشیر کے مشورہ سے جو نہیں چاہتا تھا، کہ کوئی اور شخص بھیجا جائے ،ٹالنا شروع کیا اور مولانا کو دوسوروپئے ماہوار تنخواہ اپنے خزانہ پائیگاہ سے مقرر کر دی'' (36)

شرر کو نواب کے اس برتاؤ سے کافی تکلیف اور مایوسی ہوئی،مگر کر بھی کیا سکتے تھے،لاچار مجبور بغیر کسی کام کے انتظار میں یہیں پڑے ہوئے تھے،نواب نے اپنے خزانے سے دوسوروپیہ ماہوار مقرر کر کے شرر کے غم کا کچھ مداوا کر دیا،اس دوران جب شرر نے دیکھا کہ نواب کی جانب سے کوئی مشغولیت نہیں ہے،تو انھوں نے اس وقت کو غنیمت جانتے ہوئے اور موقعۂ منتظرہ کا فائدہ اٹھاتے ہوئے ایک تاریخی کتاب (تاریخ سندھ) کے نام سے لکھی۔شروع کی یہ کتاب ان کی تاریخی کتابوں میں سے ایک بہتر اور معتبر کتاب تسلیم کی جاتی ہے، اس کی تکمیل کے بعد شرر نے اس کا مسودہ نواب کی خدمت میں پیش کیا، وہ اس قدر متاثر ہوئے کہ فوراً خزانہ ریاست سے پانچ ہزار روپئے بطور ہمت افزائی کے عنایت کرنے کا حکم دیا،شرر اس تشجیع سے انتہائی خوش

ہوئے اور سفرلندن کے انتظار کی طوالت کو دیکھتے ہوئے انھوں نے دوبارہ سے دلگداز کی اشاعت کو حیدرآباد ہی سے جاری کرنے کا ارادہ کیا، اس لیے کہ سفرلندن اور کچھ مالی دقتوں کی وجہ سے شرر نے دلگداز کو بند کر دیا تھا قارئین کی مسلسل مانگ کو دیکھتے ہوئے شرر نے دوبارہ جاری کیا، اوراس میں ان کی ایک ناول (یوسف ونجمہ) کا قسط وار سلسلہ چل رہا تھا، اس کو بند کر دیا، اب یہاں سے ایک نیا سلسلہ (اسپین میں خلافت بنوامیہ) کے نام سے شروع کیا، اسی دوران ناموران اسلام کے سلسلے میں ان کا پہلا مضمون (حضرت شہر بانو) پر شائع ہوا، یہ مضمون شائع ہوتے ہی ایک انقلاب برپا ہوگیا، شرر کی مخالفوں کا شدید احتجاج ہونے لگا اور ایک خاص مسلک کے لوگوں نے شرر کی مخالفتوں کا بگل بجادیا، یہ سلسلہ جاری ہی تھا، کہ اچانک شہزادہ ولی الدین خان، انگلستان سے حیدرآباد آیا ہوا تھا، نواب کی جانب سے شرر کو فوراً حکم ہوا کہ سفرلندن کی تیاری کریں، اس دوران شرر کا مضمون بھی ادھورا رہ گیا تھا۔ پھر دوبارہ (دلگداز) کو بند کرنا پڑا، 1895ء میں شرر شہزادے کے ساتھ سفر انگلستان کے لئے روانہ ہوگئے، وہاں پر شرر کا قیام تقریباً پندرہ مہینہ رہا، اس دوران شرر نے مختلف یورپی ممالک کا سفر بھی کیا۔ دوران قیام انھوں نے ایک فرانسیسی محقق موسیو کوربین نامی شخص سے فرنچ زبان بھی سیکھ لی، شرر 1896ء کے اواخر میں انگلستان سے حیدرآباد واپس آگئے۔ یہاں پہونچنے کے بعد شرر کے باقی ماندہ ناول جو رہ گئے تھے ان کی تکمیل کر کے شائع بھی کیا۔ اس دوران شرر کا رسالہ دلگداز بند تھا قارئین کے خطوط اور مسلسل مطالبات بڑھ رہے تھے، کہ دوبارہ سے اس کی اشاعت کو شروع کیا جائے، لہٰذا شرر نے بھی اپنے قارئین اور معاونین کا خیال رکھتے ہوئے 1898ء میں حیدرآباد سے دوبارہ اس کی اشاعت کا سلسلہ شروع کیا، اس میں شرر نے اپنی ایک ناول (ایام عرب) کے نام سے قسط وار شائع کرنا شروع کیا، اور دلگداز کے قارئین کی جانب سے مثبت پیغام آرہے تھے اور یہ سلسلہ یوں ہی چل رہا تھا کہ دوبارہ شرر نے پھر (سکینہ بنت حسین) پر مضمون لکھنا شروع کیا، اسکا پہلا شمارہ منظر عام پر آتے ہی لوگوں میں تشویش پیدا ہوگئی، لوگ شرر سے کافی نالاں اور خفا ہوگئے۔ ابھی دلگداز کا گیارہ شمارہ ہی حیدرآباد سے نکلا تھا کہ وہاں کے شیعہ کی جانب سے یہ مسلسل اصرار ہونے لگا، کہ دلگداز کی اشاعت کو بند کیا جائے اور انھیں حیدرآباد سے فوراً نکال دیا جائے، لیکن شرر نواب نہ سہی مگر نوابوں کی صحبت میں پلے بڑھے تھے ان کا شب

وروز انھیں کے دربار میں گزرتا تھا، انھوں نے اپنے رسالے کی اشاعت کو بند کرنا قبول کرلیا لیکن اس مضمون اور اس کی قسط کو بند نہیں کیا۔ چنانچہ 1899ء میں حیدرآباد سے (دلگداز) کی اشاعت کو بند کردیا، اور دوبارہ لکھنؤ سے 1900ء میں اس کی اشاعت کا سلسلہ شروع کیا، اور باقی ماندہ قسطوں کو جو (سکینہ بنت حسین) سے متعلق تھی، اس کو لکھنؤ میں مکمل کیا، اور بعد میں اس کو کتابی شکل میں شائع کیا، شرر اس واقعہ کی تفصیلات بیان کرتے ہوئے رقمطراز ہیں۔

''ولایت سے واپس آنے کے بعد ہم نے 1898ء سے دلگداز جاری کیا، لیکن گیارہ پرچے شائع ہونے پائے تھے (سکینہ بنت حسین) کی سوانح عمری پر جو دلگداز میں شائع ہو رہی تھی، عوام کالانعام میں شورش پیدا ہوئی، اگرچہ گورنمنٹ نظام نے اپنی روشن خیالی سے کسی قسم کی مزاحمت نہیں کی، مگر پرائیوٹ طور پر ہمیں یہ مشورہ دیا گیا، کہ اس مضمون کے باقی حصے کو ہم روک دیں، اور اس کے عوض دیگر مضامین شائع کریں، مگر ہم اس کے بھی متحمل نہ ہو سکے، اور ہم یہ کہہ کے (دلگداز) ہی بند کردیا، کہ جب سکینہ بنت حسین کا باقی حصہ شائع ہوگا، تب ہی دلگداز بھی شائع ہوگا۔ اس کے بعد پورے ایک برس ہم حیدرآباد میں رہے اور دلگداز بند رہا، 1900ء میں ہمیں نواب وقار الامراء بہادر نے کہا کہ جب تک ہم چاہیں لکھنؤ میں رہ کر ان کی خدمات بجالائیں، چنانچہ ہم لکھنؤ گئے اور سب سے پہلے وہاں پہونچ کر 1898ء کا بارہواں نمبر شائع کیا، جس میں حضرت سکینہ بنت حسینؓ کی سوانح عمری کا باقی ماندہ حصہ تھا، اور اس کے بعد جنوری 1900ء سے پھر اشاعت (دلگداز) کا سلسلہ لکھنؤ سے جاری ہوگیا'' (38)

شرر کے ساتھ جو واقعات پیش ہوئے اس کی تفصیل مذکورہ بالا اقتباس میں ذکر کی گئی ہے، لیکن بعد میں اس کے اثرات یہ ہوئے کہ شرر کے مخالفین کا حلقہ وسیع ہوگیا، جہاں ایک طرف حیدرآباد میں ان کی مخالفت ہو رہی تھی اب لکھنؤ میں بھی ایک بڑا طبقہ ان کا مخالف ہوگیا۔ 1899ء سے لیکر 1901ء کے دوران شرر کا قیام لکھنؤ ہی میں رہا، اس درمیان میں شرر نے کئی کتابیں تصنیف کیں مثلاً، حسن بن صباح، فردوس بریں، ایام عرب حصہ دوم، مقدس نازنین وغیرہ، شرر کی یہ کتابیں شرف قبولیت سے نوازی گئیں، اور شرر کی تصنیفات کا سلسلہ بدستور جاری رہا، اگرچہ شرر کا قیام لکھنؤ میں تھا، لیکن دولت آصفیہ حیدرآباد سے ان کے

مراسم قائم ودائم ہے،نواب وقارالامراءاورمولوی عزیز مرزا کی عنایات اس قدر شرر پہ تھیں، کہ وہاں نہ رہنے کے باوجود بھی ان کی تنخواہ مسلسل ان تک پہونچتی رہی ، اس دوران شرر نے ایک پندرہ روزہ رسالہ (پردہ عصمت) کے نام سے جاری کیا، یہ رسالہ ابتدا سے انتہا تک خود لکھتے تھے،لیکن اس کی اشاعت اپنے دوست سید حسن شاہ کے نام سے کرتے تھے،اس پرچے میں شرر نے پردہ کے متعلق لکھا اوراس پرچے میں ان کی ناول بدرالنساء کی مصیبت بھی شائع ہوئی، پردے کے متعلق شرر کا نظریہ تھا کہ مہذب لباس،اورساتر لباس کو ہی پردہ تصور کیا جانا چاہیئے ،اور پردہ کا جو عام تصور کیا جاتا ہےاس کے سلسلے میں شرر نے ایک ڈرامہ(میوۂ تلخ) کے نام سے لکھا،اس ڈرامہ کے شائع ہوتے ہی لوگوں نے شرر کی مخالفت کرنی شروع کردی۔

تقریبا شرر دوسال تک لکھنؤ میں موجود تھےایک بار پھر 1901ء میں شرر نے حیدرآباد کا رخ کیا،لیکن اس بار حالات پہلے سے جداگانہ تھے،نواب وقارالامراء اپنے ضعیفی کے سبب ملازمت سے سبکدوش ہوگئے تھے،اور پھر جلد ہی اس دار فانی سے ملک عدم کو رخصت ہوگئے ،شرر کے ایک دوسرے خیرخواہ مولوی عزیز مرزا تھے، جو ڈپٹی کمشنر کے عہدے پر مامور ہوکر دوسرے اضلاع میں چلے گئے تھے،اب قلمدان اور زمام حکومت کی باگ وڈور نئے مدارالمہام راجہ کشن پرساد کے ہاتھ میں آچکی تھی، وزیر مالیات بھی مسٹر واکر بن چکے تھے،ان تمام لوگوں کوشرر سے نہ کوئی ہمدردی تھی، نہ کوئی لگاؤ تھا، بلکہ یہ لوگ شرر کی ضرورت بھی محسوس نہیں کررہے تھے۔دھیرے دھیرے حالات اس طرح بنتے گئے کہ نواب کے صاحبزادوں کو بھی شرر سے اپنے تعلقات کو کم کرنا پڑا،ان تمام حالات اور بدلے ہوئے ماحول کو دیکھ کر شرر 1903ء میں دوبارہ لکھنؤ چلے آئے ،اور پھر 1904ء میں لکھنؤ سے (دلگداز) کو جاری کیا۔شرر نے پھراپریل 1904ء میں ایک پندرہ روزہ رسالہ (اتحاد) کے نام سے جاری کیا،اس رسالے کا مقصد ہندوستان کے مابین اتحاد اور بھائی چارہ پیدا کرنا تھا،لیکن شرر کو اس مقصد میں کامیابی ملتی نظر نہیں آرہی تھی،جس کی وجہ سے ڈیڑھ سال جاری رکھنے کے بعد اس کو بند کردیا۔ان کی تمام کوششیں رائیگاں اور بےکار ہوگئیں،اس کے بعد پھر شرر نے ایک نیا رسالہ(الفرقان) کے نام سے جاری کیا،جس کی ادارت ان کے دوست مولوی محمد سعید الحق کررہے تھے،اس رسالے میں الٰہیات اور تصوف کے سلسلے میں خوب لکھا گیا،اور پھر اس میں مشاہیر اسلام کی سوانح عمریاں لکھنے کا سلسلہ

شروع کیا گیا، یہ سب چل ہی رہا تھا کہ 1905ء میں معرکۂ چکبست وشرر کا واقعہ پیش آیا۔ ہوا یہ کہ جب 1905ء میں گلزارنسیم کا نیا ایڈیشن چکبست کے دیباچے کے ساتھ شائع ہوا، تو قدردان تنقید سخن کو یہ بھروسہ ہوا، کہ اس کے ذریعہ اردوزبان وادب کے فن تنقید نگاری کو مزید ترقی ہوگی۔ لیکن کسے یہ خیال تھا، کہ اس دیباچے پر ادبی دنیا میں ایک کہرام برپا ہو جائے گا۔ اس پر بحثیں اور متعدد مضامین شائع ہو جائیں گے۔ مگر جب مارچ اور اپریل 1905 کے دلگداز میں شرر نے اس نئے ایڈیشن کا ریویو شائع کیا، تو اس پر تین عناوین قائم کیے (الف) گلزارنسیم پنڈت دیا سنکر نسیم کی تصنیف نہیں ہے، بلکہ آتش کی تصنیف ہے۔ (ب) گلزارنسیم کی زبان لکھنؤ کی مستند زبان نہیں ہے۔ (ج) گلزارنسیم کے بعض اشعار پر اعتراض کیے گئے۔ اس ریویو کے جواب میں 11 مئی 1905ء کو اودھ پنچ اخبار میں منشی سجاد حسین نے ایک مضمون شائع کیا، جس میں شرر کے کئی اعتراضات کا جواب دیا اور ساتھ ہی ساتھ یہ سوال بھی پوچھا کہ اگر یہ مان لیا جائے کہ گلزارنسیم آتش کی تصنیف ہے، تو یہ کس طرح تسلیم کیا جائے، کہ اس کی زبان غیر مستند ہے۔ شرر کے اعتراضات کا مختصراً اس مضمون میں جواب بھی دیا گیا تھا۔ اس مضمون کے بعد ایسا معرکہ پیش آیا اس طرح شاید اردوادب کی تاریخ میں کبھی نہ آیا ہو۔ جواب در جواب کا سلسلہ تقریباً ایک سال تک چلتا رہا، اس میں ملک کے کئی اہل علم ودانش شریک ہوئے۔ کسی نے شرر کی حمایت میں مضامین لکھے تو کسی نے شرر کی مخالفت میں مقالے تحریر کر دیے۔ یہ معرکہ اردو دنیائے ادب کے لئے بہت منفعت بخش ثابت ہوا، اس میں بہت سارے محاورات والفاظ وغیرہ کی گرہیں کھل کر سامنے آئیں۔

سوانح عمریوں کا سلسلہ چل ہی رہا تھا، کہ اس دوران میں حضرت جنید بغدادی، ابوبکر شبلی، ابوالحسن اشعری جیسے جلیل القدر شخصیات کی سوانح عمریوں کو شرر نے مکمل کیا، اوران کتابوں کو اہل علم کے حلقوں میں خوب پزیرائی ملی، اس دوران یعنی 1908ء تک شرر لکھنؤ میں رہ کر اپنی علمی وتصنیفی کارہائے نمایاں انجام دے رہے تھے۔

ایک مرتبہ پھر 1908ء میں عزیز مرزا کی محنتوں اور کوششوں سے شرر کو دوبارہ پھر حیدرآباد طلب کیا گیا، اس بار ان کو اسسٹنٹ ڈائرکٹر تعلیمات کی حیثیت سے بلایا گیا تھا، جاتے ہی انھوں نے اپنا عہدہ سنبھال لیا اور پھر دوبارہ وہیں سے (دلگداز) کو جاری کرنے لگے، اس بار انھوں نے اپنا مشہور معاشرتی ناول آغا صادق

کی شادی اوران کی ایک تاریخی ناول (ماہ ملک) کوقسط وارشائع کیا،ان کے علاوہ اوربھی شرر کی تصنیفات اس دوران زیر طبع تھیں ۔ابھی ماحول شرر کے لئے سازگار بن ہی رہا تھا، کہ اچانک 1909ء میں عزیز مرزا ،ظفر علی خان ،مولوی صفی الدین وغیرہ کے ساتھ ساتھ شرر کوبھی حیدر آباد سے باہر جانے کا حکم صادر کردیا گیا، نظام دکن ان لوگوں سے کسی بات پر اس قدر ناراض ہوئے کہ ریاست سے باہر جانے کا فیصلہ کردیا،اس سلسلے میں محمد یحییٰ تنہا لکھتے ہیں۔

''آخر 1909ء میں حضور نظام کے حکم سے مولانا شرر جنکی ملازمت ہنوز مستقل بھی نہیں ہونے پائی تھی، کہ موقوف کیئے گئے اور مولوی عزیز مرزا،مولوی ظفر علی خان اور مولوی صفی الدین چاروں صاحبوں کو حدود قلم رو نظام سے باہر رہنے کا حکم صادر ہو گیا''(38)

یہ حکم شرراوران کے صاحبان پر بجلی کی طرح گرا،اب شرر کے لئے کوئی راستہ باقی نہیں تھا،اس لیے کہ ان کے سب سے محسن عزیز مرزا بھی نظام کے عتاب کے شکار ہو گئے تھے،لہذا اب شرر کے لئے وہاں سے لکھنؤ کی جانب واپس آجانا ہی بچا تھا،شرر وہاں سے بادل نخواستہ لکھنؤ واپس چلے آئے۔ پھر دوبارہ 1910ء میں دلگداز کو لکھنؤ سے جاری کرنے لگے ، اور اس بار شرر نے کچھ تبدیلیاں بھی کیں پہلے ہر شمارہ سولہ ورق اور 32 صفحات پر مشتمل ہوتا تھا، یہ دوحصوں پر مشتمل ہوتا تھا اس کے پہلے حصے میں ناول اور دوسرے حصے میں تاریخ سے متعلق چیزیں لکھی جاتی تھیں،لیکن اس بار شرر نے یہ التزام کیا کہ (دلگداز) کے قارئین کو سال کے اختتام پر دس بارہ جز کی کتاب بھی بطور ہدیہ پیش کی جائے گی،1910ء کا سال شرر کے لئے بہت ہی تابندہ اورروشن تھا،قارئین (دلگداز) نے پہلے ہی کی طرح پھر سے اپنے اس پسندیدہ رسالے کا استقبال کیا،اور پھر یہ اپنے آب وتاب کے ساتھ نکلنے لگا۔کہ اچانک شرر کے اوپر اس قدر پریشانیاں آپڑیں کہ گویا مصیبتوں کا انبار لگ گیا،اس لیے شرر نے 1911ء کو مصیبتوں کا سال قرار دیتے ہوئے رقم کرتے ہیں۔

''دلگداز پر اس سال اول سے آخر تک مصیبتیں نازل ہوتی رہیں،سب سے پہلی مصیبت یہ تھی کہ محمد فاروق جن کے ہاتھ میں سارا انتظامی کام تھا،ایسے بیمار پڑے کہ آج تک صاحب فراش ہیں اوراس قابل بھی نہیں کہ ذرا سا بھی کام کرسکیں بہر حال فاروق سلمہ کی

بیماری دلگداز کی بیماری تھی، مجھے بہت سارا وقت ان کی تیمارداری میں صرف کرنا پڑا، اور
دل و دماغ اس قابل نہیں رہے کہ پبلک کی پوری پوری خدمت کرسکوں، ادھر آخری سال
میں مجھے بے وقت اور بے موقع اپنے بڑے بیٹے صدیق سلمہ اور اپنی ایک لڑکی کی شادیاں
کرنی پڑیں جن سے آخری ذی الحجہ 1329ھ مطابق 1911ء میں مجھے فرصت ملی۔
یہی اسباب ہیں جنکی وجہ سے دلگداز کی اشاعت میں بدنظمی رہی''(39)

یہ سال شرر کے لئے پریشانیوں اور مصیبتوں والا ثابت ہوا جیسا کہ شرر نے بیان کیا ہے، یہ سال کسی طرح گزر گیا، لیکن سن 1911ء کا اوائل شرر کے لئے اس سال سے بھی زیادہ اذیت ناک رہا، اس لیے کہ ان کا لخت جگر جو دلگداز کے لئے ہمہ وقت ان کے ساتھ تیار رہتا تھا وہ ان کا ساتھ چھوڑ کر کس طرح چلا گیا، اپنے اس درد کو شرر اپنی اس تحریر میں اس انداز سے بیان کرتے ہیں۔

''دوستو 1912ء گزر گیا اور ہم زندہ ہیں، فاروق مرحوم جنکی زندگی سے ہمیں
کو نہیں (دلگداز) کو بڑی امیدیں تھیں، سال مذکور کے ماہ فروری میں دنیا سے رخصت
ہوگئے، ہم ان کی مفارقت کا صدمہ برداشت کرنے کے لئے عالم میں موجود ہیں،
بیشک ہم فاروق مرحوم کے غم میں مبتلا ہو کے ایسے مغموم ہوئے کہ اپنے فرائض کو بھول
گئے، یہاں تک کہ دلگداز کو بھی نہ سنبھال سکے، ان کی بیماری وصحت کی فکر اور تگ ودو سے
جو بدنظمی دلگداز کی اشاعت میں ہوئی تھی، ان کی وفات سے اور بڑھ گئی، چند پرچے
نہایت مردہ دلی سے ستم زدہ دل کو ابھار ابھار کے نکالے بھی تو بے مزہ تھے، یہاں تک کہ
1912ء کے چھ نمبر نکلنے کے بعد دلگداز کی اشاعت کا سلسلہ ایسا رکا کہ زمانے کو خیال
ہوا کہ شاید دلگداز نے بھی مرحوم کا ساتھ دیا اور وہ بھی وہیں گیا جہاں وہ گئے ہیں، لیکن
دلگداز ان کی زندگی کے ساتھ نہ تھا ہماری زندگی کے ساتھ ہے، بلکہ امید ہے کہ ہمارے
بعد بھی باقی رہے گا''(40)

یہ وہ وقت تھا جب شرر آلام ومصائب کی یلغار سے نبرد آزما تھے، ایک طرف سب سے بڑا در دنو جواں

بیٹے کی میت کوضعیف العمری میں کاندھا دینا، اور دوسری پریشانی ذریعہ معاش کا موقوف ہو جانا، ان دو بڑی مصیبتوں کو شرر جھیل ہی رہے تھے، کہ اچانک 1912 ء کے اوائل میں ایک امید کی کرن نمودار ہوئی، اسی دوران مولانا محمد علی جوہر کو اپنے روزنامہ (ہمدرد) کی ادارت کے لئے ایک شخص کی تلاش تھی، اس خدمت کو انجام دینے کے لئے انھوں نے شرر کا انتخاب کیا۔انھوں نے شرر سے گفتگو کی معاملہ طے ہو گیا، اس کام کے لئے شرر کی ماہوار دوسو روپیہ تنخواہ مقرر کی گئی، نیز شرر کو دہلی میں رہ کر اخبار کی ادارت کرنی تھی، شرر اس کے لیے راضی ہو گئے اور دہلی کا سفر بھی کیا، شرر اس کی تفصیلات اور ان کے ساتھ جو واقعات رونما ہوئے، ان سب کا ذکر وہ اپنے پیش لفظ تحریر میں کر رہے ہیں۔

''ہم نے بعض احباب کے مجبور کرنے سے اخبار (ہمدرد) کی چیف ایڈیٹری قبول کر لی تھی اور دہلی چلے گئے تھے، دفتر دلگداز منشی حکیم سراج صاحب منیجر دلگداز کے ہاتھ میں چھوڑ دیا گیا تھا، مگر ہمارے جانے کے دس پندرہ روز بعد سراج الحق صاحب کے والد یکا یک ایسے بیمار ہوئے کہ انھیں مجبوراان کی تیمارداری کے لئے جانا پڑا، آخر ان کے پدر بزرگوار نے مسلسل دو مہینے بیمار رہ کر سفر آخرت کیا، اور سراج الحق صاحب کے چلے جانے سے دفتر دلگداز میں کوئی ایسا بھی نہ رہا جو معمولی خطوں کا جواب دے سکے ادھر جو ہم دہلی گئے تو آفات اور حوادثِ زمانہ کا ایسا شکار بنے کہ خدا یاد آ گیا۔ بندہ زادہ محمد صدیق حسن خان سلمہ جو علی گڑھ کالج میں پڑھتا تھا، یکا یک بیمار ہو کر ہمارے پاس دہلی میں آیا اور ایسا بیمار ہوا کہ اگر ڈاکٹر انصاری صاحب جو مسلمانان ہند کی طرف سے ایک طبی مشن لے کر قسطنطنیہ تشریف لے گئے ہیں ان کا سا حاذق طبیب اور بے نظیر سرجن نہ مل جاتا تو بظاہر اسباب اسکے جانبر ہونے کی کوئی امید نہ تھی، ڈاکٹر انصاری نے اس پر ایک نہایت ہی اعلیٰ درجے کا اور نازک آپریشن کیا (جس میں داہنی جانب ناف کے نیچے سات آٹھ پردوں کو چاک کر کے اور آنتوں کو درمیان سے ہٹا کر ان کے نیچے سے تقریبا آدھا سیر مواد نکلا) یہ آپریشن معجزہ نما طریقے سے کامیاب رہا۔ اسکے ساتھ ہی تمام شکایتیں جاتی

رہیں، اور جو کچھ شکایتیں باقی تھیں، صرف زخم کے اندمال کی تھیں، جسمیں ڈیڑھ مہینے کا زمانہ صرف ہوا، لیکن خدا نے ہم پر بڑا فضل واحسان کیا اور ڈھائی مہینے کے بعد ہم صدیق کولیکر گھر آئے۔ الغرض ہمیں دہلی میں چین سے بیٹھنا نصیب نہ ہوا اور جتنے دن رہے مایوسیوں میں مبتلا رہے، ادھر ''ہمدرد'' اخبار جس کے لئے ہم گئے تھے، وہ بھی بیروت سے ٹائپ کے غیر مکمل آنے اور مہینوں تک اس کا تکملہ نہ ہوسکنے کے باعث جاری نہ ہوسکا، مسٹر علی نے کوئی کوشش اور کسی قسم کی تگ ودو اٹھا نہیں رکھی، لیکن معاملہ ایسا تھا کہ کسی کا زور نہ چل سکتا تھا، اور کوئی بناتے نہ بنتی تھی، آخر یہ دیکھ کر ہماری موجودگی سے کوئی کام نہیں نکلتا اور دلگداز کا کام بگڑتا جارہا تھا 3 دسمبر 1912ء کو ہم صدیق سلمہ کے ساتھ واپس آگئے، اور بعض ایسی باتیں پیش آئیں کہ ہم نے دہلی جانے کا ارادہ ہی فسخ کردیا'' (41)

شرر کا رسالہ ''دلگداز'' بھی زمانے کے حوادث اور اس کے تھپیڑوں کا برابر شکار ہوتا رہا، متعدد بار اس کی اشاعت بند ہوئی۔ کبھی ذریعہ معاش کے تلاش کے لئے صاحب رسالہ خود نکل پڑے، تو کبھی اس رسالے کی دیکھ بھال اور نگہداشت کرنے والے ہی اس کو چھوڑ کر چلے گئے، الغرض ہر بار لوگوں کی مشکلات اور پریشانیوں کا اثر ''دلگداز'' پر ہی پڑا، اس بار جب شرر دہلی سے لوٹ کر آئے، تو دوبارہ پھر سنہ 1913ء میں اس کی اشاعت شروع کی، متعدد مضامین اور ناولیں وغیرہ بھی شائع ہوئیں، اس بار انھوں نے رامپور کے نواب کے تعلق سے ایک ناول لکھی، جس کا نام رکھا ''دربار حرام پور'' شرر اس نواب سے کسی بات پر خفا ہوگئے تھے جس کی پاداش میں انھوں نے اس کے کالے کرتوت اور شب وروز کی عیاشی اور رعایہ پر اسکے ظلم وستم کو عوام کے سامنے اس قدر اجاگر کیا کہ اسے پورے ملک میں ذلت اور پسیمانی کا سامنا کرنا پڑا۔ اسکے علاوہ دیگر تصنیف وتالیف کا کام چلتا رہا اور اس درمیان میں شرر نے بہت ساری کتابیں تصنیف کی ہیں۔ اس کا ذکر آگے کیا جائے گا۔

اب شرر مسلسل ''دلگداز'' کی اشاعت کو اپنے قارئین تک پہونچا رہے تھے اور ان کی داد وتحسین خط وکتابت کے ذریعے ان تک پہونچ رہی تھی، اسی دوران ایک ماہنامہ رسالہ ''دل افروز'' کے نام سے سن 1915ء میں جاری کیا اس رسالے میں صرف اعلیٰ درجے کے ناول شائع کرتے تھے جیسے ''مفتوح فاتح''، ''جویائے حق

’’وغیرہ،اس باراس کا ایڈیٹر شرر نے اپنے بیٹے محمد صدیق سلمہ کو بنایا،لیکن یہ رسالہ بھی زیادہ دنوں تک نہیں شائع ہوسکا،کچھ مجبوریوں کی بناء پرشرر نے اسکو بند کردیا۔اس کے بعد شرر نے پھرایک ماہنامہ’’مورخ‘‘ کے نام سے نکالا،جس کا ایڈیٹر شرر نے اپنے گوشۂ جگر محمد صدیق کو بنایا،ظاہراتوادارت پر نام ان کے صاحبزادے کا تھا،لیکن کام سب شرر کا ہوتا تھا،’’دلگداز‘‘ کے بڑھتے ہوئے قارئین کی جانب سے تاریخ کی مانگ مسلسل بڑھ رہی تھی جس کی وجہ سے شرر نے اس رسالے میں تاریخ سے متعلق کتابیں شائع کررہے تھے جیسے’’تاریخ ارض مقدس‘‘’’تاریخ سندھ‘‘اسی رسالے میں چھپی،یہ رسالہ بھی اپنی بساط کے مطابق چل رہا تھا کہ یکا یک بند ہوگیا ۔یہ سب چل ہی رہا تھا کہ سن 1918ء میں ایک بار پھر سے نظام دکن نے شرر کو حیدرآباد آنے کی دعوت دی،یہ بات بڑے وثوق کے ساتھ کہی جاسکتی ہے،اگر چہ ظاہرانواب دکن نے شرر کواپنے حدودِقلمرو سے باہر کردیا ہو، لیکن شرر کی محبت اوران کے کام کرنے کے طریقے کووہ کبھی بھول نہیں پائے،اسی لئے ہمیشہ شرر کو یاد رکھا،الغرض اس بار شرر کوئی ذمہ داری شعبۂ تصنیف وتالیف کی دی گئی،اورنظام دکن کی یہ خواہش تھی کہ شرر’’دولت آصفیہ‘‘ کی ایک مدلل اور مبسوط تاریخ رقم کریں،اوراس کام کوشرر بنفس نفیس انجام دیں،شرر نے ان کی خواہش کا احترام کیا، اوراس کے لئے ہمہ وقت تیار تھے کہ اچانک چندایام کے بعد نظام کا ارادہ تبدیل ہوگیا،اور یہ طے ہوا،کہ آپ لکھنؤ ہی میں رہ کر’’تاریخ اسلام‘‘ لکھیں،شرر نے ان کے اس حکم کی تعمیل کرتے ہوئے اس کام کو پایہ تکمیل تک پہونچایا،اور یہ تاریخ اسلام دوجلدوں میں 1925/26 میں دارالطبع عثمانیہ سے شائع ہوئیں۔نظام دکن کسی نہ کسی شکل میں شرر پر دست ترحم ہمیشہ رکھے ہوئے نظر آتے تھے۔اس خدمت کے عوض نظام سرکار نے شرر کو آخری دم تک پانچ سوروپیہ ماہوار دیتے رہے،شرر کی معاشی زندگی آرام سے گزرتی رہی۔شرر کا قیام اب لکھنؤ میں مسلسل رہا،لکھنؤ ہی میں رہ کرانھوں نے نظام کی خواہش کے مطابق تاریخ اسلام بھی یہیں پرمکمل کی۔ دلگداز لکھنؤ سے 1913ء سے 1926ء تک لکھنؤ سے مسلسل شائع ہوتا رہا۔اس دوران شرر نے بہت ساری کتابیں تصنیف کیں۔مختلف صنفوں پربھی شرر نے خامہ فرسائی کی۔اس کے علاوہ شرر نے ناول،سوانح،مضامین ،وغیرہ بہت کثیر تعداد میں قلم بند کئے،جن کوادبی حیثیت حاصل ہے،ان کی تصنیفات کی تعداد بہت ہے اس سلسلے میں لکھنے والوں نے مختلف عدد بیان کئے ہیں۔کسی نے 104 تصنیفات شمار کی ہیں،توکسی نے ان کی تصنیفات کو

102 شمار کیا ہے،اوراس میں ان کے تمام ناول، کتب تاریخ،سوانح عمریاں، تراجم وغیرہ سب شامل ہیں۔

زیرِنظر مقالہ میں عبدالحلیم شرر کی غیرافسانوی نثری تحریروں کا ذکر کیا جائے گا،اور یہ مقالہ انھیں خدمات پر مشتمل ہوگا، اس باب میں ان کی مجموعی خدمات پر گفتگو کی گئی ہے، اس میں افسانوی وغیرافسانوی دونوں شامل ہیں، ذیل سطور میں عبدالحلیم شرر کی ان تصنیفات کا ذکر کیا جائے گا، جو تاریخ، سوانح، اوران کے مضامین سے متعلق ہوں گے، اور آئندہ ابواب میں انھیں تمام تصانیف پر بحث کی جائے گی۔ شرر کی ان تصنیفات کا ذکر کیا جارہا ہے جو تاریخ سے متعلق ہیں۔

قدیم مسیحیت،

تاریخ سندھ، 1891ء

عصرقدیم، 1912ء

تاریخ عزیز مصر، 1917ء

تاریخ یہود، 1916ء

مسیح اور مسیحیت، جو معروف ہے۔

تاریخ ارض مقدس، 1917ء

منظوم تاریخ اسیر بابل،صقلیہ میں اسلام، 1920ء

تاریخ خلافت، 1923ء

تاریخ اسلام ج 1، 1925ء

تاریخ اسلام ج 2، 1926ء

عسکری شرر کی تاریخی کتابوں کی تعداد پندرہ بتاتے ہیں، انھوں نے ان کتابوں کو بھی شمار کرلیا ہے، جو مختلف ناموں سے متعدد بار چھپیں۔ جیسے تاریخ یہود، تاریخ عصرقدیم، مصر کی قدیم تاریخ، یہ تینوں کتابیں ایک ہی ہیں۔ مختلف مکتبوں نے منفعت کی خاطر متعدد بار شائع کیا۔ راہ تحقیق میں کوئی چیز حتمی نہیں ہوتی، ہوسکتا ہے بعد میں کسی محقق کو اور کچھ کتابیں دستیاب ہوجائیں، اس لئے تحقیق کا دروازہ ہمیشہ کے لئے کھلا ہوا

ہے۔اسی طرح شرر نے فن سوانح نگاری کے شعبہ میں بھی بہت ساری کتابیں تصنیف کی ہیں۔ان کی ایک اچھی خاصی تعداد ہے۔جیسے

حسن بن صباح،1900ء

جنید بغدادی،1906ء

ملکہ زنوبیہ،1906ء

ابوبکر شبلی،1907ء

سکینہ بنت حسین،1910ء

خواجہ معین الدین چستی،1913ء

قرۃ العین حیدر،1917ء

ثانی اثنین،1918ء

ذی النورین،1918ء

جان عالم،1915ء

اس طرح شرر اردو دنیا کو اپنے مختلف رسالوں اور مجلّات سے فیضیاب کرتے رہے۔ان میں بعض رسالے کچھ وقت کے لئے شائع ہوئے پھر بند ہو گئے۔لیکن دلگداز ایک ایسا رسالہ تھا جو آپ کی وفات کے بعد بھی شائع ہوتا رہا۔شرر کی رسالوں کی تفصیل مندرجہ ذیل ہیں۔

محشر ہفت روزہ 1881ء

دلگداز،ماہنامہ 1887ء

مہذب،ہفتہ روزہ 1890ء

پردہ عصمت،پندرہ روزہ 1900ء

اتحاد،پندرہ روزہ اپریل 1905ء

العرفان،ماہنامہ اکتوبر 1904ء

ظریف، پندرہ روزہ 1913ء

دل افروز، ماہنامہ اپریل 1915ء

مورخ، ماہنامہ 1916ء

سخن سنج، سہ ماہی اکتوبر 1917ء

ان کے علاوہ شرر کی تصنیفات میں ان کے بہت سارے مضامین بھی ہیں، ان مضامین کو دلگداز پریس لکھنؤ نے پانچ جلدوں میں شائع کیا تھا۔لیکن اس کے بعد سید مبارک علی شاہ گیلانی، مولوی فاضل مہز نگ نے لاہور سے آٹھ جلدوں میں شائع کیا۔درج ذیل میں پیش خدمت ہیں۔

جلد اول: (حصہ اول) شاعرانہ اور عاشقانہ مضامین۔

(حصہ دوم) شاعرانہ اور عاشقانہ مضامین۔

(حصہ سوم) آغاز واختتام سال کے مضامین۔

جلد دوم: بھی تین حصوں پر مشتمل ہے۔

(1) تاریخ وجغرافیائی مضامین۔

(2) مختلف ملکوں، شہروں اور قوموں کے حالات کے تذکرے۔

(3) ہندوستان میں مشرقی تمدن کا آخری نمونہ۔

جلد سوم: یہ بھی تین حصوں پر محیط ہے۔

(1) دنیا کے مختلف ممالک کے مشہور مردوں کا ذکر۔

(2) دنیا کے مختلف ممالک کی مشہور عورتوں کا ذکر۔

(3) دنیا کے مختلف ممالک کے مشہور مردوں کا ذکر۔

جلد چہارم: ادبی اور تحقیقی مضامین۔

جلد پنجم: اسلامی مضامین۔

جلد ششم: تاریخی واقعات پر خیال آرائی۔

جلد ہفتم: نظم اور ڈراما۔

جلد ہفت: مقالات شرر۔

یہ مذکورہ جلدیں لاہور سے شائع ہوئیں، جیسا کہ پہلے بیان کیا جاچکا ہے۔ ان کے علاوہ بعض مکتبوں اور ناشرین کتب نے ان مضامین کو مختلف عناوین اور دیگر ناموں سے شائع کررکھا ہے۔ جیسے سیر علماء، سیر رجال اسلامی، سوانح عمریاں، بیان کشف وکمالات سلف، سیر نسواں وغیرہ وغیرہ۔ یہ تمام کتابیں اور مضامین ان آٹھ جلدوں میں مذکور ہیں صرف ان کا نام تبدیل کردیا گیا ہے۔

شرر نے اپنی ان تمام تصنیفات کو عمر کے ابتدائی مرحلے سے لے کر زندگی کے آخری ایام تک مکمل کیا، اور اردو ادب کی اتنی خدمات انجام دیں کہ اپنا نام قرون اولیٰ کے مصنفین میں درج کروالیا، شرر نے اپنے تجربات، مشاہدات، اور مطالعہ کائنات کو اپنی تحریروں کی زینت بخشی۔ اپنے رشحات قلم سے تقریبا 46 سالوں تک اردو ادب کی سیرابی اور اس کے علم وادب کی شمع کو روشن کرتے رہے، یکا یک 3 جمادی الثانی کو طبیعت ناساز ہونی شروع ہوئی، تقریبا پانچ دنوں تک مسلسل بیماریوں کے اذیت وتکالیف کو برداشت کرتے ہوئے 17 جمادی الثانی 1345ھ مطابق 24 دسمبر سن 1926ء کو بروز جمعہ وقت صبح اس دار فانی کو ہمیشہ ہمیش کے لئے چھوڑ کر دار الآخرت کو چلے گئے۔ (انا للہ انا الیہ راجعون)۔

تاثرات:

اردو دنیائے ادب نے شرر کے انتقال کو کس طرح دیکھا، ان کا کیا ردعمل رہا، نیز اخبار ورسائل نے کس طرح شرر کو پیش کیا، ان تمام احوال وکوائف کو مندرجہ تحریر میں ذکر کیا جائے گا۔

رسالہ زمانہ جلد 8 جنوری 1921ء صفحہ نمبر 74 پر دو عالمی خبریں اور نوٹ کے عنوان سے ایک مسلسل صفحہ ہوتا ہے، اس پر انھوں نے شرر کی وفات پر اظہار تعزیت کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

> ''لکھنؤ کے مشہور ادیب وافسانہ نگار مولانا عبدالحلیم شرر مرحوم تین دن کی معمولی علالت کے بعد 24 دسمبر 1926ء کو انتقال فرماگئے، آپ کی ذات اردو ادب کے لئے سرمایہ ذات تھی، بلکہ ایک حد تک یہ کہنا صحیح ہوگا کہ آپ نے اردو انشاء کے قالب میں ایک نئی

روح پھونک دی، اور اپنی طرز تحریر سے میدان انشاء میں ایک ایسا راستہ قائم کردیا، جس کی وجہ سے اردو ادب کے شیدائیوں کو منزل مقصود تک پہونچنا آسان ہوگیا ہے۔ آپ 17 جمادی الآخر 1375ھ کو جمعہ کے دن صبح کو اس بزم امکان میں آئے اور 17 جمادی الآخر بروز جمعہ صبح کے وقت اس محل سے اٹھ گئے، یہ بھی خدا کی قدرت ہے کہ پیدائش وموت کی تاریخیں بالکل ایک ہیں حتیٰ کہ وقت میں بھی فرق نہیں ہے، اس حساب سے آپ کی عمر ستر برس کی ہوتی ہے، آپ کی زندگی علمی زندگی تھی، آپ اخیر عمر تک تصنیف وتالیف میں مشغول رہے، رسالہ دلگداز آپ کی مستقل یادگار ہے، ہم کو امید ہے آپ کے بڑے صاحبزادے مولوی صدیق حسن صاحب اس یادگار کو قائم رکھیں گے، خدا مرحوم کی روح کو جوار رحمت میں جگہ دے، اور پسماندگان کو یہ توفیق عطا فرمائے کہ صبر واستقلال کے ساتھ مرحوم کے نقش قدم پر چل کر مرحوم کے علمی وادبی کارناموں کو زندہ رکھنے کی کوشش کریں"(42)

ایک چیز یہاں درست کرنا مناسب معلوم ہوتا ہے جیسا کہ ''زمانہ'' رسالہ نے اپنے مذکورہ اظہار تعزیت میں شرر کی پیدائش اور وفات کو ایک ہی تاریخ بتایا ہے، ان کا یہ بیان شرر کے اس بیان سے متصادم ہو رہا ہے جس کو شرر نے دلگداز میں اپنی تاریخ پیدائش 17 جمادی الثانی 1275ھ مطابق 10 جنوری 1860 عیسوی بتایا ہے اور ہمارے اعتبار سے شرر نے جو اپنے سلسلے میں بیان کیا ہے وہی زیادہ درست اور صحیح ہونا چاہئے، شرر سے محبت رکھنے والوں نے ان کی وفات پر مختلف انداز سے ان کو خراج عقیدت پیش کیا ہے، اس کا ایک اہم نمونہ یہاں پیش کررہے ہیں، اورنگ آباد دکن کا رسالہ ''اردو'' جلد 8 جولائی 1928 عیسوی کے شمارے میں صفحہ اول پر ایک اشتہاری اعلان دیا گیا جس کا عنوان ہے ''یادگار مولانا شرر مرحوم'' اس کے ضمن میں مندرجہ ذیل چیزیں قارئین کے لئے پیش کرکے شرر کو یاد کرنے کی کوشش کی ہے۔

''اردو زبان کے محسن مولانا عبدالحلیم شرر مرحوم کی یادگار میں، جانب مولوی وحیدالدین صاحب سلیم' پروفیسر جامعہ عثمانیہ، جناب مولوی عبدالحق صاحب، بی۔اے۔ سیکریٹری

انجمن ترقی اردو، اور جناب مولوی سید ہاشمی صاحب رکن دارالترجمہ نے حسب ذیل تین سالانہ انعام دینے کا فیصلہ کیا ہے۔

''عطاء سلیم''

رسالہ اردو اورنگ آباد کے سال بھر کے مضامین نثر میں جو مضمون ہر اعتبار سے بہترین اور اردو ادب کے لئے سب سے مفید ہوگا، اس کے لکھنے والے کی خدمت میں، جانب مولوی وحید الدین صاحب سلیم کی طرف سے مبلغ 200 کلدار پیش کیا جائے گا۔

''عطائے عبدالحق''

رسالہ اردو کے سال بھر کے مضامین نثر میں دوسرے درجے کے سب سے اچھے مضمون پر 125 روپیہ کلدار کا انعام جناب مولوی عبدالحق بی۔اے۔عطا فرمائیں گے،

''عطیہ ہاشمی''

کے نام سے تیسرا انعام 100 روپیہ کلدار کا مولوی سید ہاشمی صاحب ان صاحب کی نذر کریں گے، جن کی نظم رسالہ ''اردو'' کے سال بھر کی نظموں میں سب سے اچھی اور اعلیٰ درجے کی ہوگی، ہر سال کے آخری مہینے میں جو حضرات اہل سمجھے جائیں، ان کی خدمت میں رقم ارسال کر کے رسالہ میں اس کا اعلان ہوتا رہے گا، انعام کے اہلیت کا فیصلہ صرف معطیان کی متفقہ رائے پر منحصر ہوگا۔

المعلن

''مدیر رسالہ اردو اورنگ آباد دکن''

ادارہ اردو نے بھی شرر کی وفات پر خراج عقیدت اس انداز میں پیش کیا۔''یہ ایک قومی حادثہ ہے، مولانا نے تمام عمر علم و ادب کی خدمت کی، اور آخر وقت تک اس کی خدمت میں مصروف رہے، اردو زبان پر ان کا بہت بڑا احسان ہے، افسوس ہے کہ ہم میں سے ایک ایسا جامع اور وسیع النظر شخص اٹھ گیا ہے، جس کا اس وقت کوئی بدل نہیں''(44)

سید احتشام حسین لکھتے ہیں۔

''وہ لکھنؤ کے بڑے بااثر اور محترم لوگوں میں شمار ہوتے تھے، اور جب تک زندہ رہے یہاں کی ادبی چل پہل کا مرکز بنے رہے۔''(45)

شرر کے سلسلے میں بہت سارے ادیبوں نے اپنی آراء پیش کی ہیں۔ کچھ لوگوں کی رائے ان کے سلسلے میں مثبت ہے اور کچھ لوگوں کی منفی بھی، لیکن ہمیں ان کے مقام کا صحیح تعین کرنے کے لئے اس عہد، سماج، ماحول اور ضروریات کو دھیان میں رکھ کر شرر کا مطالعہ کرنا ہوگا، پھر معروضی انداز میں ان کی ادبی حیثیت اور مقام و مرتبہ کا تعین کیا جائے گا۔ غیر افسانوی نثر کے ابواب میں شرر کے حوالے سے تفصیلی بحث کی جائے گی۔

عبدالحلیم شرر دنیائے اردو ادب کے ایک عظیم فن کار و منفرد شخصیت کے مالک ہیں، ان کی شخصیت کے اثرات ہمیں ان کی تحریروں میں نظر آتے ہیں۔ یہ حقیقت ہے کہ ہر شخص کی شخصیت اس کے اسلوب بیان میں مضمر ہوتی ہے۔ شرر ہمیشہ اپنی علم دوستی، اعلیٰ اخلاق اور روحانی اقدار سے لوگوں کے دلوں کو فتح کرلیا کرتے تھے، ان کی زندگی کا زیادہ تر حصہ درباروں میں گزرا، ایک طرف جہاں ان کی بود و باش، تعلیم، رہن سہن، کی تمام اعلیٰ قدریں انھیں سلطنت اودھ سے منسلک رہنے سے ملیں اور ساتھ ہی ساتھ ان کا اپنا خاندان، اعلیٰ تعلیم یافتہ و عظیم کردار کا حامل تھا، شرر کی زندگی کا بقیہ حصہ دولت آصفیہ حیدر آباد دکن کے دربار اور ان کی ماتحتی میں گزرا۔

حوالہ جات باب اول:

(1) تنہا، محمد یحییٰ، سیر المصنفین جلد دوم، مکتبہ، جامعہ دہلی بار اول 1928 ص 579

(2) شرر، عبد الحلیم، دلگداز لکھنؤ جنوری 1933ء ص 11

(3) لکھنوی، عشرت، مولانا شرر مرحوم، زمانہ کانپور فروری 1927 ص 86

(4) تنہا، محمد، یحییٰ، سیر المصنفین، جلد دوم مکتبہ جامعہ، 1928ء ص 581

(5) شہابی، انتظام اللہ، بیگمات اودھ کے خطوط، فاروقی پریس دہلی ص 45

(6) شرر، عبد الحلیم، دلگداز لکھنؤ فروری 1983ء ص 42

(7) ،، ،، دلگداز لکھنؤ فروری 1933ء ص 45-44

(8) ،، ،، اپریل 1933ء ص 74

(9) ،، ،، فروری 1933ء ص 71

(10) ،، ،، اگست 1933ء ص 13

(11) مرتب، احمد، عتیق، مضامین پریم چند، انجمن ترقی اردو پاکستان کراچی 1981ء ص 324

(12) شرر، عبد الحلیم، دلگداز لکھنؤ اپریل 1933ء ص 73

(13) ،، ،، جون 1933ء ص 121,22

(14) ،، ،، ص 123

(15) ،، ،، ص 123

(16) شرر، عبد الحلیم، دلگداز لکھنؤ، اکتوبر 1933ء ص 217

(17) ،، ،، ص 219,20

(18) ،، ،، نومبر 1933ء ص 222

(19) ،، ،، اکتوبر 1933ء ص 219

(20) منگلوری، ممتاز، ڈاکٹر، شرر کے تاریخی ناول، مکتبہ خیابان ادب لاہور طبع اول 1978ء ص 2

(21) شرر، عبدالحلیم، دلگداز لکھنؤ نومبر 1933ء ص220
(22) ” ” ص242
(23) طفیل، محمد، نقوش (شخصیات) نمبر) لاہور 1959ء ص45
(24) منگلوری، ممتاز، ڈاکٹر، شرر کے تاریخی ناول، ص2
(25) تنہا یحییٰ، محمد، سیر المصنفین جلد دوم، ص583
(26) ” ” ص588
(27) ” ” ص588
(28) شرر، عبدالحلیم، لگداز لکھنؤ مارچ 1934ء ص4
(29) ” ” ص4
(30) ” ” ص54-55
(31) ” ” ص56
(32) ” ” ص56-57
(33) شرر، عبدالحلیم، مضامین شرر جلد اول حصہ سوم
(34) شرر، عبدالحلیم، دلگداز مارچ 1934ء ص57
(35) ” ” مئی 1934ء ص97
(36) تنہا یحییٰ، محمد، سیر المصنفین جلد دوم، ص591-92
(37) شرر، عبدالحلیم، مضامین شرر، مضامین جلد اول حصہ سوم، 1908ء دلگداز
(38) تنہا یحییٰ، محمد، سیر المصنفین جلد دوم، ص598
(39) شرر، عبدالحلیم، مضامین شرر جلد اول حصہ سوم 1911ء اور ہم“ ص
(40) ” ” 1913ء کا آغاز
(41) ” ” 1912ء ختم سال اور ہم

(42) نگم، دیا نرائن، منشی، زمانہ جنوری 1927ء کانپور، ص 74

(43) عبدالحق، اردو اورنگ آباد دکن جلد 8 جولائی، 1928ء ص 1

(44) عبدالحق، اردو حیدر آباد دکن جنوری 1927ء ص 171

(45) احتشام حسین، سید، اردو ادب کی تنقیدی تاریخ، قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان، 2008ء ص 202

باب دوم

عبدالحلیم شرر کی تاریخ نویسی

تاریخ کی اہمیت اور ارتقاء:

لفظ تاریخ ہمیشہ سے کثیر الاستعمال رہا ہے، اس کی تاریخی اہمیت وافادیت روزِ اول سے مسلم رہی ہے، بنی نوع انسان تاریخ میں ہمیشہ سے دلچسپی لیتا رہا ہے۔ یہ علم بہت ہی طویل مسافت طے کرتا ہوا ہم تک پہونچا ہے، یہ اپنے اندر ماضی کے مختلف احوال وآثار، واقعات وحادثات متعدد نسلوں کی تہذیب وثقافت اور ان کے سماجی تانے بانے نیز پرانی اقدار، رسم ورواج کو منصۂ شہود پر لاتا رہا ہے۔ رومانیت اور داستانوی پیچ وخم سے الگ ہوتے ہوئے، اس میں گزرے ہوئے واقعات وحادثات کے ساتھ ساتھ تجربات ومشاہدات اور لوگوں کے کارناموں، قصوں تہذیبوں کو حقیقت کا عملی جامہ پہناتا ہے۔

تاریخ فن نہیں بلکہ علم ہے، اس میں تاریخ اپنے فن اور زود بیان پر دھیان نہ دے کر واقعات کی سچائی اور معروضیت کو ملحوظ خاطر رکھتا ہے۔ وہ حال میں رہ کر حقیقت کو ماضی میں تلاش کرنے کی کوشش کرتا ہے نیز اس کے زمان ومکان کا بھی مع سن ذکر کرتا ہے۔ تاریخ روز بروز اپنے ارتقائی عمل کی جانب گامزن اور رواں دواں ہے۔ آج جہاں سائنس، ٹکنالوجی، اور دیگر جدید وعلوم وفنون نے ترقی کے منازل طے کئے ہیں، وہ کسی سے مخفی نہیں، جدید علوم نے عقل کی تمام بلندیوں کو عبور کرتے ہوئے اپنا مقام خود اختیار کیا ہے۔ لیکن اس کے برعکس، تاریخ نویسی ایک عظیم فن کی صورت اختیار کر چکی ہے۔ بغیر اس کے ہم کسی اقوام کے احوال وکوائف، ان کے رہن سہن، کسی عہد کی معلومات حاصل نہیں کر سکتے، اس لیے تاریخ بھی بطور علم انسانی زندگی کے لئے بے حد ضروری ہے، بغیر اس کے انساں ادھورا ہے اور تمام ترقی کی راہیں اسی سے ہو کر گزرتی ہیں۔

مناسب معلوم ہوتا ہے کہ تاریخ کی لفظیات کو بیان کر دیا جائے تاکہ اس کی مکمل ہیئت قاری کے ذہن میں واضح ہو جائے۔ لغت میں تاریخ کسے کہتے ہیں اور دیگر مؤرخین نے تاریخ سے کیا معانی ومفاہیم مراد لئے ہیں ان تمام چیزوں کو مندرجہ ذیل کے سطور میں ذکر کیا جا رہا ہے۔

> جامع اللغات اردو میں تاریخ سے مراد، ''کسی واقعہ کا حال اور زمانہ ظاہر کرنا، اور گزشتہ زمانے کے حالات کو مسلسل بیان کر کے حال کے زمانہ تک پہونچا دینا'' (1)

> نور اللغات میں تاریخ کہتے ہیں (1) کسی وقت کے ظہور کا وقت ظاہر کرنا، (2) کسی امر

عظیم کے وقت کا تعین کرنا (3) ماحصل خلاصہ (مونث) شمسی یا قمری مہینہ کا ایک دن (فقرہ) تم نے خط میں تاریخ نہیں لکھی، (2) گزشتہ واقعات اور سیر کی تاریخ (3) اس فن کا نام جس میں واقعات گزشتہ سے بحث کی جاتی ہے، (4) کسی واقعہ کا ایسے الفاظ میں ظاہر کرنا جن کے اعداد بحساب جمل جوڑنے سے زمانہ وقوع ظاہر ہو، مثلاً اردو کی نادر لغت، نور اللغات کی تاریخ ہے جس سے 1917ء نکلتے ہیں، کہنا، کے ساتھ

خدا کرے کہ سنے رشک آمدی مہدی

کہے براہے ظہور امام دیں تاریخ

(5) واقعات یا حادثات کا تذکرہ، بادشاہوں اور نامور آدمیوں کے تحریری حالات، کسی انسان کی زندگی کا حال (2)

فیروز اللغات میں تاریخ کے معانی سے مراد ''ایک دن رات، مہینے کا ایک دن، یا کسی چیز کے ظہور کا وقت یا ایسا فن یا کتاب ہے جس میں مشہور آدمیوں اور بادشاہوں کے وقائع، حالات، پیدائش و وفات یا کسی عہد کے وقائع، روایات، قصے، افسانے اور جنگ نامے درج ہوں'' (3)

اوپر کے سطور میں لفظ تاریخ اردو کی مختلف لغات میں متعدد معانی میں استعمال ہوا ہے، مختلف مورخین نے تاریخ کے بہت سے معانی و مفاہیم مراد لئے ہیں، جن کا ذکر مندرجہ ذیل میں کیا جائے گا۔

محمد صالح طاہر اپنے ایک تحقیقی مقالے میں جو (مولانا مرتضٰی احمد خان میکش کی ادبی خدمات پر مشتمل ہے، انھوں نے مشہور مورخین کی آراء کا ذکر کیا ہے کہ وہ تاریخ سے کیا معانی و مفاہیم مراد لیتے ہیں،

تاریخ سے مراد تلاش حق ہے (ہیروڈوٹس)

تاریخ درحقیقت انسانی معاشرے کے بارے میں معلومات کا نام ہے (ابن خلدون)

تاریخ مختلف سوانح عمریوں کا نچوڑ ہے (کارلائل)

تاریخ سائنسی طرز فکر اور ماضی کی مکمل داستان ہے،(ڈی ڈی گھاٹے)

تاریخ تحقیق وتفتیش کا نام ہے(کالنگ وڈ)

تاریخ انسانی تجربات کی سچی اور اصل معدن ہے،(جالسن)

تاریخ زیادہ تر اس سوال کا جواب فراہم کرتی ہے کہ واقعات کس طرح رونما ہوئے ، (برٹرینڈ رسل)

تاریخ صرف عجائبات زمانہ کا نام نہیں، بلکہ اس میں ہر گزشتہ واقعات کا پتہ لگانا اور اس کو ترتیب دینا جس سے پتہ چلے کہ موجودہ واقعہ گزشتہ واقعات سے کیوں کر پیدا ہوا تاریخ کہلاتا ہے)(شبلی نعمانی)

انسانی خط بزیر شہادت وضم کے مطابق قصہ ہائے پارینہ کا زیادہ صحت کے ساتھ بیان تاریخ کہلاتا ہے،(انسائیکلوپیڈیا آف برناٹیکا)

تاریخ تمام اقوال واعمال انسانی کا علم ہے(کارل ہیکر)

تاریخ باہمی رضامندی سے اپنائے گئے واقعات اور قصوں کا نام ہے(نپولین)

انبیاء، خلفاء، سلاطین اور بزرگان دین ودوات کے حالات وواقعات سے واقف ہونے کا نام تاریخ ہے (4)

ڈاکٹر صادق گل تاریخ کی تعریف کرتے ہوئے لکھتے ہیں،

’’ماضی کے حالات وواقعات معلوم کرنے اور اس کے مطالعہ کا شوق دیگر علوم کے مقابلہ میں زیادہ پرانا ہے، انسان جب لکھنا پڑھنا بھی نہیں جانتا تھا، اس وقت سے ماضی کی نشانیوں کا متلاشی ہے، انسان کو اپنے گردوپیش کے حالات سے اس وقت سے دلچسپی ہے، جب کہ وہ جنگلوں میں وحشیانہ زندگی بسر کرتا تھا، درختوں اور غاروں میں رہتا تھا، اس وقت بھی ماضی کی نشانیوں کو بغور دیکھتا اور ان سے مدد لے کر بہتر زندگی کے لئے طریقے معلوم کرتا تھا۔ ہم یہاں یہ کہنے میں حق بجانب ہیں کہ تاریخ کے بارے

میں انسان کا علم اتنا ہی قدیم ، ہے جتنا کہ وہ خود ، دوسرے الفاظ میں تاریخ نے انسان کے ساتھ ہی جنم لیا لہذا: انسانی معاشرے یا اس کے کسی حصے آغاز وارتقاء، ترقی اور تنزل کے بارے میں معلومات کا علم تاریخ کہلاتا ہے'' (5)

ڈاکٹر مبارک علی کے نزدیک تاریخ سے مراد'' 2 صدی ہجری میں تاریخ کا لفظ ایسی کتابوں کے لئے استعمال ہوا کہ جن میں تاریخ (Date) ہوتی تھی ، اور وہ کتابیں جن میں واقعہ کی تاریخ بیان نہیں کی جاتی تھی ، وہ تاریخ نہیں کہلاتی تھی'' (6)

ڈاکٹر خرم قادر تاریخ کے سلسلے میں ابن خلدون کا نظریہ پیش کرتے ہوئے لکھتے ہیں ،

''ابن خلدون کی رائے میں تاریخ عالمی تمدن کو جانچنے کا علم ہے، جس میں معاشرے کی بدلتی ہوئی ہیئت کو دیکھا جا سکتا ہے، اس علم کے متن میں انسان کی وحشت اور اس کا تپاک ، گروہ کی یکجہتی اور انقلاب ،حکومتیں ، ریاستیں اور ان چیزوں کے مختلف مدارج شامل ہیں، اس کے علاوہ افراد کے پیشے اور مصروفیات، طرز زندگی اور علوم وفنون سب شامل ہیں، اس علم کے سمجھنے میں ماحول، جغرافیہ، موسم ، اخلاق اقدار اور روحانی قوتیں شامل ہیں، جو مل کر ارتقاء کے عمل کو ترتیب دیتی ہیں'' (7)

ان تمام تعریفات کے مطالعے سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ تاریخ گذشتہ واقعات وحادثات کو حقیقت کی روشنی میں بیان کیا گیا ہو، جس میں بادشاہ امیر وغریب اور ان جیسے اشخاص کے وقائع یا قصے جو حقائق پر مشتمل ہوں اور معروضیت کو پیش نگاہ رکھ کر بیان کیے گئے ہوں، ساتھ ہی ساتھ سچائی کا دامن ہاتھ سے نہ چھوٹے ،حقیقت اور خلاف واقعہ کی روگردانی نہ کی گئی ہو، تو وہ تاریخ کہلاتی ہے۔لیکن اگر ان تمام اصولوں سے انحراف کیا جائے تو وہ تاریخ نہ ہو کر کسی دوسری صنف کا روپ اختیار کر لیتی ہے۔

تاریخ کو ہمیشہ سے اولیت کا درجہ حاصل رہا ہے، اس میں ماضی کے تجربوں اور کارناموں کو تلاش کر کے اس میں نئی روح پھونک کر حال میں اس کا عکس پیش کیا جاتا ہے۔تاریخ کا رشتہ انسان سے بہت پرانا رہا ہے ،تاریخ لکھنے اور پڑھنے کا سلسلہ بہت بعد میں شروع ہوا ، تاریخ نگاری کا سہرا سب سے پہلے ایک یونانی

مورخ ہیروڈوٹس (Herodotus) کے سر جاتا ہے، اور حقیقی طور پر اسی کو علم تاریخ کا بانی تصور کیا جاتا ہے ، جب کہ اس سے پہلے تاریخی معلومات دستیاب تھیں۔ لیکن وہ بھی کتبوں کی شکل میں موجود تھیں۔ کبھی سکوں کی شکل میں بھی ہمارے پاس موجود تھیں۔ ہم ان کے ذریعے اس دور کی قوموں اور ان کی نسلوں نیز ان کے رہن سہن، اور زندگی کے دیگر امور کو جانتے اور پہچانتے تھے۔ دور قدیم کے بہت سے راجاؤں اور حاکموں نے اپنے آباواجداد کی نشانیوں کو برقرار رکھنے کے لئے سکوں اور کتبوں کے چلن کو باقی رکھا، تاکہ ان کے اجداد انھیں نشانیوں کے ذریعے جانے پہچانے جاسکیں، تاریخ کے اثاثے ہمارے پاس کسی نہ کسی شکل میں موجود تھے، لیکن ابتدائی مرحلے میں اس کو یکجا کر کے پیش کرنے کی روایات موجود نہیں تھیں، اور اگر پیش بھی کیا گیا تو انھیں اس انداز سے پیش نہیں کیا گیا، جس چیز کا مطالبہ تاریخ ان سے کرتی تھی، اسی لیے مورخین نے ہیروڈوٹس کو تاریخ کا بانی قرار دیا ہے۔

ہیروڈوٹس کا مقصد لوگوں اور قوموں کے درمیان موازنہ کرنا تھا، ان کے رسم ورواج اور ان کے طور طریقوں کو ایک دوسرے سے منفرد کر کے پیش کرنا تھا، ہیروڈوٹس تاریخ کو ہمیشہ (تحقیق) تصور کرتا تھا، اس نے کبھی بھی اس صنف میں رومانیت یا داستانوی افسانے وغیرہ کو تاریخ کا حصہ تصور نہیں کرتا تھا۔

> ڈاکٹر سید جمال ہیروڈوٹس کے سلسلے میں لکھتے ہیں کہ وہ تاریخ کو کس معانی میں استعمال کرتا تھا ''ہیروڈوٹس پہلا یونانی مؤرخ ہے، جس نے تاریخ کو تحقیق کے معنی ہی استعمال کیا ہے اور انسان اور اس کے ماضی کو موضوع بنا کر تاریخ لکھی ہے'' (8)

ہیروڈوٹس یونان میں تقریبا 500 سال قبل مسیح تاریخ کو ترتیب دینے لگا تھا، اس کے پیچھے کیا مقاصد پنہاں تھے، اس سلسلے میں ڈاکٹر خرم رقمطراز ہیں،

> ''اس کا مبینہ مقصد انسانیت کے ماضی کو فنا سے محفوظ کرنے کا تھا، اس کے علاوہ وہ چاہتا تھا کہ یونانی اور مشرقی دنیا کے غیر معمولی کارناموں کو مناسب شہرت حاصل ہو، خصوصا وہ پہلو جن کے سبب ان کا ایک دوسرے سے تصادم ہوا، اس کی خواہش تھی کہ وہ ان معاملات پر اپنے فیصلے سنائے، خواہ وہ لوگوں کو نہ گوارا ہی کیوں نہ گزرے،

کیوں کہ وہ دنیا کے سامنے اپنی دانست کے مطابق حقیقت پیش کرنے سے گریز نہیں
کرنا چاہتا تھا‘‘(9)

ہیروڈوٹس تاریخ کی خدمات کو انجام دیتے ہوئے اس دارفانی سے کوچ کر گیا، لیکن اس کے اثرات تاریخ پر ہمیشہ قائم ودائم رہے، اس کے چند سال بعد یونان میں ہی تھیوسیڈیز (Thucydides) نام کا مؤرخ پیدا ہوا جو ایتھنز (Athese) کا رہنے والا تھا، یہ جدید فکر کا حامل مؤرخ تھا، اس نے اپنے تاریخی موضوعات کا حصہ ’’میدان جنگ‘‘ کو بنایا، اور بالخصوص وہ موضوعات جس کا اس نے قریب سے مشاہدہ کیا تھا، اس کے تاریخی موضوعات اسپارٹا (Sparta) اور ایتھنز کے درمیان کی جنگیں بھی رہی ہیں، وہ تاریخ نگاری کے اصول وضوابط کو اپنی زندگی کا محور بنا کر آگے بڑھنا چاہتا تھا۔

’’اس نے اپنی تاریخ میں واقعات کی توضیح اس جنگ میں حصہ لینے والے کی شخصیت،
ان برتاؤ اور طرز عمل سے نہ کی پالیسیوں کے لحاظ سے‘‘(10)

قدیم یونانی مؤرخین کا یہ اصول ہمیشہ سے رہا ہے کہ مؤرخ ہر وقت سچائی ہی کو بیان کرے اور اس کی ترویج واشاعت بھی اپنے اعتبار سے کرتا رہے، ہمیشہ یونانی مؤرخین یہ کہا کرتے تھے کہ مؤرخ کو سوانح نگار بننے کی کوشش نہیں کرنی چاہیے کیونکہ مورخ سے سچائی اور حقیقت بیانی کی توقع کی جاتی ہے، جب کہ سوانح نگار شخصیت کے بیان میں مبالغہ آمیزی سے بھی کام لے سکتا ہے، اور زیادہ احتمال اس بات کا رہتا ہے کہ مبالغہ سے ہی سوانح نگار اکثر وبیشتر کام لیتا ہے۔

اسی لیے کچھ لوگ تاریخ پر یہ الزام عائد کرتے ہیں کہ تاریخ کسی خاص مقصد اور غایت کے لئے لکھی جاتی ہے، مؤرخ ماضی میں موجود دفینے کو اپنے مسلک اور مزاج کے مطابق بیان کرتا ہے۔ اس کے اندر واقعات کا اختراع مبالغہ آرائی سے بڑھ کر دروغ گوئی کی حد تک پہونچ جاتا ہے۔ اور اسی طرح مؤرخ کو ہمیشہ اس بات کا بھی موردالزام ٹھہرایا جاتا ہے کہ اکثر وبیشتر مؤرخین کی نظر میں عام انسانوں کی سرگزشت پر نہ پڑ کر غیر معمولی شخصیتوں اور امراء وسلاطین وغیرہ پر پڑتی ہے، تاریخ کے اوراق غریب، کمزور، اور دبے کچلے لوگوں سے خالی رہتی ہے، یہ کچھ لوگوں کا الزام ہے اس بات کا فیصلہ قارئین پر چھوڑا جاتا ہے۔

اسی طرح دو تین صدیوں کے بعد یونان ہی کا ایک اور اہم مؤرخ پولیبس (Poly bus) تھا، جس کا نظریہ تاریخ کو انسانی فطرت یا سرشت کی تصحیح کا موثر ذریعہ تصور کرتا تھا، یہ ہمیشہ تھیوسیڈ ڈیز کے بتائے ہوئے اصولوں پر عمل کرتا رہا۔

یونان کے علاوہ تاریخ نگاری میں اہم کام روم کے مؤرخین کا بھی رہا ہے، جو تاریخ کو انسانی اقدار کے لئے سبق آموز اور سیاسی بصیرت کے حصول اور اس کی تربیت کا حصہ تصور کرتے تھے، ان میں اہم نام سیلسٹ (Sallust) لیوی(Livy) ٹیکٹس (Tacitus) وغیرہ شامل ہیں۔

مذکورہ بالا تمام مؤرخین اپنے اپنے طرز فکر کو پروان چڑھا رہے تھے، تاریخ کا اس وقت کوئی اسلوب معرض وجود میں نہیں آیا تھا، بلکہ ہر ایک مؤرخ اپنی فکر اور شعور کے مطابق تاریخ نگاری کے ارتقاء کو وسعت دے رہا تھا، ان کے یہاں کوئی مقصدیت پنہاں نہیں تھی، تاریخ میں مقصدیت کا وجود اس وقت عمل میں آیا جب ایک مکتبۂ فکر کے ماننے والے عیسائی مذہب کے لوگوں نے حصہ لینا شروع کیا، اور اس کی دفاع میں وہ متشدانہ رویہ بھی اختیار کرنے لگے۔

چوتھی صدی کا ایک عیسائی مؤرخ ایسوبیس (Eusebius) اس بات کا اظہار علی الاعلان کرتا ہے۔

> ''ہم اس تاریخ میں عام طور پر انھیں واقعات کا ذکر کریں گے جو پہلے ہمارے
> لئے فائدے مند ہوں اور پھر آئندہ آنے والی نسلوں کے لئے'' (11)

تاریخ نگاری کا یہ سلسلہ مغرب میں قرون وسطٰی کے اواخر تک چلتا ہے، نشاۃ ثانیہ (Renaissance) کے بعد تھوڑی بہت تبدیلی واقع ہونی شروع ہوتی ہے، جو مکمل طریقے سے نہ سہی مگر کچھ حد تک مسلمانوں کی تاریخ نویسی اور مشرق کے تاریخی شعور سے میل کھاتا ہوا نظر آتا ہے۔ انگلستان میں 1066ء وغیرہ میں صرف کلیساؤں اور ان کے معبد میں مذہبی پیشوا کی سوانح لکھنے کا رواج تھا، ایک ڈیڑھ صدی کے بعد ایڈمر (Eadmer) نے جدید تاریخ رقم کی اور اس کا محور بھی مذہبی شخصیات کے ارد گرد گھومتا ہے۔ بارہویں صدی کے اوائل میں روپرٹ (Rupert) نے تاریخ کے تصور کو آسمانی صحیفوں کی عمومی سمجھ بوجھ کی افادیت خیال کرتا ہے، اور تاریخ کے عمل کو عقیدۂ تثلیث تصور کرتا ہے، اس کے موقف کو اجاگر کرتے ہوئے ڈاکٹر خرم قادر رقم طراز ہیں۔

''زمین میں انسان کی آمد سے پہلے تک کا دور خداوندی تعالی (The Father) کا تھا، حضرت آدم کے زمین پر آنے سے لے کر حضرت عیسیٰ کی ولادت تک کا یعنی دوسرا دور بیٹے (Son) یعنی حضرت عیسیٰ کا اور اس کے بعد کا یعنی تیسرا دور دنیا کے اختتام تک مقدس روح (Holy sprit) کا دور ہوگا''۔(12)

تیرہویں صدی میں ڈومنکین (Dominican) نے مسلک کے ان تمام بدعات وخرافات کو ختم کرنے کی کوشش شروع کی، جو عیسائیوں میں داخل ہو چکا تھا اور وہ حتی المقدور اس میں کامیاب بھی ہوا، اس لیے کہ اس وقت صلیبی جنگیں شروع ہو چکی تھیں اور مغرب کے فوجی مسلم تہذیب وثقافت کے اثرات دھیرے دھیرے قبول کرر ہے تھے، علوم وفنون، نیز کلچر اور تہذیب وثقافت سے استفادہ کی راہیں کھل رہی تھیں، انگلستان اور فرانس کی باہمی جنگ میں بھی علاقائی حوالوں کی تلاش کے خاطر علاقائی تاریخیں تصنیف کی جانے لگی تھیں اور اب تاریخوں میں کلیسا اور معبد کے حوالہ جات کم ہورہے تھے، گویا ہم کہہ سکتے ہیں کہ وہ بالواسطہ مشرق کی تہذیب سے متاثر ہورہے تھے، مشرق سے مراد مسلم عہد ہے اور مشرق میں تاریخ نگاری کا آغاز مسلم عہد سے ہوتا ہے عربوں کے یہاں پہلے ہی سے تاریخی شعور بیدار تھا اس لیے کہ وہ پہلے ہی سے علم الانساب، ایام الحرب، اور اپنے قبائل اور ان کے کارناموں کا منظوم شکل میں رکھنے کے شوقین تھے، لیکن یہ ہیئت منظوم تک محدود تھی، لہذا ہم اس کو تاریخ نہیں شمار کر سکتے، مگر اس شوق سے اس قوم کے فکر ورجحان کا پتہ لگانا ہے تو یہ چیز بہت کارآمد ثابت ہوتی ہے۔ کسی چیز کو نقل کرنے سے پہلے مواد یعنی (Content) کی فراہمی ضروری ہے، اس بات کی تائید مولوی ذکاءاللہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

''دنیا کی تمام قوموں میں تاریخی شعور سے پہلے ادب کا آغاز ہوا گو اس میں تاریخی عناصر موجود ہوتے تھے، مگر شاذونادر ہی پاک وصاف ہوتے تھے یہ ایسا عہد ہوتا تھا جب حواس اور مشاہدے کے مقابلے میں قوت متخیلہ کی زیادہ اہمیت تھی ہندوستان میں ہندوؤ ں کو رامائن اور مہابھارت پر فخر وناز ہے مگر تاریخی علم ان کے پاس موجود نہیں، یونان نہیں ، یونان میں ہیروڈوٹس سے پہلے ہومر پیدا ہوا، انگلستان میں شیکسپیئر موجود ہے، جھوٹے

،قصوں ،فسانوں اور قافیہ سنجیوں کی زنجیروں سے قوموں کا پاؤں بتدریج نکلا ہے اور

قوانین فطرت کے موافق مصالح تاریخی کا ادراک ہوا ہے‘‘(13)

اس طرح تاریخ نگاری میں عربوں کے تاریخی شعور کی جھلک محسوس کی جاسکتی ہے۔ان کے اپنے علمی ذخائر کو منظوم شکل میں رکھنے کی سیکھ کا رجحان پیدا ہوا۔مسلم تاریخ نگاری کی ابتدا سیر و مغازی سے ہوتی ہوئی سیرت رسول ﷺ اور خلفائے راشدین تک پہونچی اور اس کا محور آپ ﷺ کی شخصیت تھی ،لیکن آہستہ آہستہ تاریخ نگاری درباروں اور اپنی اپنی حکومتوں تک محدود ہوتی چلی گئی اور تاریخی عمل کا دائرہ سیاسی خاندانوں تک محدود ہوتا گیا،امیہ،عباسیہ،فاطمی ،ساسانی ،سلجوقی ،غزنوی ،غوری،اور مغل وغیرہ اس کی نمایاں مثال ہیں۔

مسلم تاریخ نگاری اور اس سے پہلے کے مؤرخین نے تاریخ کو صرف عبرت تک محدود کر رکھا تھا لیکن ابن خلدون نے تاریخ کو انقلابات اور تفہیم کے ساتھ ساتھ اس کے پس پردہ عوامل کی نشان دہی کی ہے۔ تاریخ کو سمجھنے کے لئے اس کے ماحول اور ماخذ پر بھی نگاہ ڈالی ،ان کے سامنے اسلامی حکمرانوں اور مشرق و مغرب کی اسلامی سلطنتوں کا عروج و زوال بھی موجود تھا،ابن خلدون کو علم عمرانیات کا بانی تصور کیا جاتا ہے اس کو انسانی معاشرے اور اس کے مجموعوں کو سمجھنے کا ادراک ہے،ان کے بعد مسلم تاریخ نگاری کا زوال شروع ہو گیا تھا اور تاریخ نگاری کا درجہ مسلم تاریخ نگاروں کے یہاں مسلسل گرتا چلا گیا تھا۔جبکہ وہیں دوسری جانب یورپ جو زمانہ قدیم میں سوچ اور تفہیم کے مقابلے مشرق سے بہت پیچھے تھا، پھر وہاں نشاۃ ثانیہ کے بعد علوم کی احیاء کا دور شروع ہوا ان کے یہ سارے علوم مسلم مؤرخین سے کافی حد تک مستعار لئے گئے تھے۔اس طرح رفتہ رفتہ تاریخ نے اپنی ارتقائی منازل طے کرتے ہوئے اوج ثریا پر کمندیں ڈال دیں اور آج اگر ہمیں دنیا کے احوال اور اس میں بسنے والے لوگوں کے تئیں جانکاری حاصل کرنی ہے تو ہمیں تاریخ کا سہارا ہر حال میں لینا ہی پڑے گا۔

اردو تاریخ نویسی کا آغاز وارتقاء:

پہلی فصل میں تاریخ کی تعریف تفصیل سے بیان کی گئی ہے اور اس کے ساتھ ساتھ تاریخ کی ابتدا اور ارتقاء پر بھی روشنی ڈالی گئی ہے۔ اس فصل میں ہم اردو تاریخ نویسی کے آغاز و ارتقا پر تفصیلی گفتگو کریں

گے۔اردو میں تاریخ نگاری کا سلسلہ زمانہ قدیم سے چلا آرہا ہے مگر اس کے بنیادی لوازمات اور رموز و اوقاف پر زیادہ کچھ تحریر نہیں کیا گیا ہے۔اسلامی تاریخ نگاری کا سلسلہ بھی بہت قدیم ہے یہ عرب سے ہوتے ہوئے ایران،افغانستان اور ہندوستان پہنچی۔

عرب میں مسلم تاریخ نگاری اسلام کے ابتدائی دور سے شروع ہوئی،عرب مصنفین نے سیر ومغازی اور اسلامی تواریخ کا ذکر بہت تفصیل سے کیا ہے،عربی تاریخ نگاری میں اسحاق بن راہویہ،ابن ہشام،ابن اسیر،ابوالفرج وغیرہ کا نام بہت ہی اہمیت رکھتا ہے۔اس طرح اور بھی بہت سے نام عرب مؤرخین کے ہیں، جنہوں نے تاریخ پر بہت ساری کتابیں لکھیں،عرب مؤرخین کے یہاں تاریخ نگاری میں حقیقت کی مکمل عکاسی ملتی ہے اور وہ تعصب اور مبالغہ آرائی سے بالکل اجتناب کرتے ہیں۔علامہ شبلی عربوں کی تاریخ نویسی کے سلسلے میں لکھتے ہیں۔

''عرب مورخین ایک عہد کی تاریخ لکھتے تھے اور اس میں ہر قسم کے واقعات کو سنین کے اعتبار ہی سے جمع کرنا ضروری سمجھتے تھے بادشاہوں کی مداحی یا ان کے نام کتاب کا انتساب عربوں کو سخت ناپسند تھا''(14)

اسی طرح تاریخ نگاری ایران میں بھی ایک خاص مقبول صنف رہی ہے،جس میں ایرانی تاریخ نویس اپنے بادشاہوں کا ذکر واذکار اور مدح سرائی کرتے تھے،اور ان کے موضوعات سیاسی ہوتے تھے، پروفیسر خلیق انجم اس دور کی تاریخ نگاری کی طرز تحریر پر خامہ فرسائی کرتے ہوئے کہتے ہیں۔

''ایران کے تاریخی نظریات تخت و تاج کے ارد گرد گھومتے تھے،شاہ نامہ تاریخی فکر کا مرکزی محور تھا،وہاں صرف شاہی خاندانوں کی تاریخیں لکھی جاتی تھیں،عوامی زندگی سے مورخ کا کوئی سروکار نہ تھا،چنانچہ ایرانی طرز پر لکھی ہوئی تاریخیں امراء اور سلاطین کی رزم وبزم کی داستانیں ہیں اور ان کے ہی نام سے انتساب ہے''(15)

ایران کی طرز تاریخ نگاری کے سلسلے میں پروفیسر اقتدار حسین صدیقی رقم طراز ہیں۔

''ایرانی تاریخی کتابوں میں قدم قدم پر حقیقت اور افسانویت کی آمیزش ہوجاتی ہے''(16)

ایران سے ہوتے ہوئے فارسی تاریخ نگاری ہندوستان پہونچی اوراس دور میں بہت سی فارسی کتابیں تحریر کی جارہی تھیں۔ ہندوستان میں اس وقت فارسی کا بول بالا تھا۔ یہ امراءوادباء کی زبان ہونے کے ساتھ ساتھ اسے سرکاری حیثیت بھی حاصل تھی۔اس عہد کی سب سے پہلی تاریخ کی کتاب فارسی زبان میں صدرالدین حسین نظامی نیشاپوری کی ''تاج المآثر'' ہےاوراسی طرح امیر خسرو کی ''تاریخ علائی'' ضیاءالدین برنی کی ''فیروز شاہی'' وغیرہ بہت ہی اہم اور نادر تواریخ تسلیم کی جاتی ہیں، جنھیں فارسی زبان میں تحریر کیا گیا اورانھیں فارسی زبان کی تاریخ نگاری کا اساس میں شمار کیا جاتا ہے۔

اسی طرح مغل عہد میں بہت ساری تاریخی کتابیں لکھی گئیں جیسے'' آئین اکبری''''طبقات اکبری'' ''شاہ نامہ'' فتوحات عالمگیری اور'خلاصۃ التواریخ'' وغیرہ خصوصیت کے ساتھ قابل ذکر ہیں۔ دھیرے دھیرے زمانے نے کروٹ لی اور مغلیہ سلطنت زاول کی طرف بڑھتی چلی گئی اور فارسی کا بول بالا بھی کم ہوتا چلا گیا،مختلف صوبے اورعلاقے حکومت سے الگ الگ ہوکر خودمختاری کا اعلان کرنے لگے،جن میں بہت راجہ اورنوابین بھی شامل تھے جواپنی الگ اورنئی ریاست کااعلان کرنے لگے تھےاوراپنی سرپرستی اور ماتحتی میں تاریخ لکھوارہے تھے،مغل سلطنت میں آپسی خلفشار اور انتشار کی وجہ سے زبان، کلچر اور تہذیب سب الگ ہونے لگے اور دھیرے دھیرے اردو زبان اپنی بنیادوں کو مضبوط کرنے لگی تھی اور فارسی زبان سے زیادہ مقبول ہوتی چلی گئی،اب اس زبان میں تاریخ نگاری کا سلسلہ شروع ہوا جو پھر بڑھتا چلا گیا۔اس فصل میں اردو تاریخ نگاری کے آغاز وارتقاء پر سیر حاصل بحث کی جائے گی۔اردو میں تاریخ نگاری کی ابتدا باقاعدہ رستم علی بجنوری کی کتاب ''قصہ واحوال روہیلہ'' سے شروع ہوتا ہے یہ کتاب اردو میں تاریخ نگاری پر پہلی کتاب تصور کی جاتی ہے اور مقامی تاریخ پر بھی لکھی جانے والی پہلی تاریخی کتاب کا درجہ بھی اسے حاصل ہے، یہ کتاب روہیل کھنڈ کے احوال اور وہاں کے اطوار کا بھی ذکر کرتی ہے،اس کو اردو نثر کی تاریخ میں پہلی کتاب بھی تسلیم کیا جاتا ہے جیسا کہ اس سلسلے میں ڈاکٹر جاوید علی خان اپنی کتاب Early urdu historiography میں لکھتے ہیں۔

One of the earliest historical works in urdu that remain

extant is the qissah wa ahwal-i Rohillah of Sayyid Rustam ali Bijnori it was Written in 1188 Hijri/1774-5 at the behest of john Horace Ford,,(17)

یہ تاریخ کی ابتدائی کتاب ہے جو اردو زبان میں لکھی گئی اور اسکو قصہ واحوال روہیلہ'' کے نام سے جانا جاتا ہے،اس کتاب کی تالیف سید رستم علی بجنوری نے 1188 ھجری مطابق 5-1774 میں جون ہورس فورڈ کے کہنے پر لکھا''

دوسری جگہ مزید وضاحت کے ساتھ لکھتے ہیں کہ اس تک وقت اردو زبان میں تاریخ پر کوئی کام نہیں ہوا تھا بلکہ ان کے مطابق اردو میں تاریخ کی یہی پہلی کتاب ہے۔

At a time when there was no historical book in urdu to serve as an example or model, the qissah wa Ahwal-i-Rohillah,was to initiate Trend in historical writings in urdu, the Language used is what was commonly sopken around the Daranagar camp it is considerabhy Influenced by Khariboli(diabct spoken arond Delhi Ambala) And Rohil Khand dialects and speech,,(18)

اس وقت اردو میں تاریخ پر کوئی کتاب موجود نہیں تھی، جو بطور مثال یا نمونہ کے پیش کی جا سکے''قصہ واحوال روہیلہ'' اردو تاریخ میں ابتدائی کاوش ہے اور اس کتاب میں عام طور پر دارانگر کیمپس کی زبان کو استعمال کیا گیا ہے جو عام طور پر کھڑی بولی کہلاتی ہے یہ زبان دہلی، انبالہ، اور روہیل کھنڈ وغیرہ کے آس پاس کے علاقوں میں بولی جاتی ہے''

یہ کتاب جون ہورس فورڈ(John Horace ford) کی فرمائش پر لکھی گئی تھی اور اس کی دو وجہ بیان کی جاتی ہے۔

(1) وہ جاننا چاہتا تھا کہ علی محمد خان جو روہیلوں کا سردار تھا، وہ کس طرح اپنا دبدبہ روہیل کھنڈ، شاہ جہاں پور اور ہری دوار کے لوگوں پر قائم کر رکھا تھا۔

(2) اس کتاب کو لکھنے کا مقصد یہ تھا کہ عام آدمی اس سے فائدہ حاصل کر سکے اور وہ یہاں کی تاریخ کے بارے میں جان سکے، خاص طور سے وہ لوگ جو فارسی زبان سے ناآشنا ہیں۔

اس کتاب کا مرکزی کردار علی محمد خان ہیں، یہ نوابان رامپور کے جداعلیٰ ہیں، انھیں کے تعلق سے اس دور کے ہندوستان کی تاریخ رقم کی گئی ہے اور رستم علی بجنوری نے روہیلوں کی تاریخ اور ان کے فتوحاتی کے کارناموں کو بھی اس کتاب کا موضع بنایا ہے۔ اس کتاب میں ہندوستان کے ساتھ ساتھ روہیلوں اور پٹھانوں کی تقریباً 500 سالہ تاریخ کو بھی بیان کیا گیا ہے۔

محققین کے درمیان اس کتاب کی سن تاشاعت کو لے کر کچھ اختلاف پایا جاتا ہے۔

ڈاکٹر جاوید علی خان لکھتے ہیں)it was writter in 1188 Hijri/1774-5

(19)

یہ 1188 ھجری مطابق 5-1774 میں لکھی گئی۔

ڈاکٹر جمیل جالبی لکھتے ہیں، ''قصہ واحوال روہیلہ'' کا مخطوطہ 11 ذی الحجہ 1196

ھ 18 نومبر 1762 کا مکتوبہ ہے" (20)

پروفیسر اقتدار حسین صدیقی لکھتے ہیں۔

''یہ کتاب فورٹ ولیم کالج کے قائم ہونے سے پہلے 1776ء میں شائع ہوئی تھی' (21)

ان تمام محققین کے یہاں سنہ کے سلسلہ میں تھوڑا بہت اختلاف موجود ہے باوجود اس کے سبھی اس کتاب کو اردو تاریخ کی پہلی کتاب تسلیم کرتے ہیں۔

جمیل جالبی واضح طور پر اسے اردو زبان کی پہلی تاریخی کتاب تسلیم کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''اردو زبان میں یہ تاریخ کی پہلی کتاب ہے جو کسی فارسی کا ترجمہ یا تلخیص نہیں ہے۔ مصنف نے اپنی معلومات کی بنا پر اسے سادہ و عام فہم زبان میں لکھا ہے''۔ (22)

ڈاکٹر جاوید علی خان بھی اس کتاب کے ذرائع (Sources) کے بارے میں لکھتے ہیں کہ رستم علی نے کہاں سے لکھا؟ کیسے لکھا؟ یا پہلے سے کوئی چیز موجود تھی؟ یا کوئی دستاویز موجود تھا؟ لکھتے ہیں۔

> The author does not claim any direct knowledge of the events, he wrote on the basis of the information gathesed by him He does not quote the source and does not attempt to probe the cause and effect of any incident,(23)

صاحب کتاب رستم علی بجنوری اس کتاب کا آغاز اور اختتام اس طرح کرتے ہیں۔

ازخروے نمونہ چند،

''آغاز

جو کچھ کہ تو کرے اسے قادر کمال　　دریافت کر سکے تو بشر کی ہے کیا مجال

ادنیٰ سےتیٰ کراتا ہے اعلیٰ ذلیل وخوار۔　　پستے ستی کراتا ہے نمرود پائمال

بوجھل سنگسار ہو محمد کی ذات سے　۔　　صلوعلیٰ والہٗ کہہ کعبہ روز ماہ وسال۔

اختتام، خلعت منصب وزارت کا حضور پرنور اقدس واعلیٰ آصف الہ ولہ بہادر کو......

سپہ سالار یار وفادار شیر ہند یحیٰ خان بہادر ہنر بر جنگ فدوی شاہ عالم بادشاہ نمازی

بدستور بندوبست وزارت کا قائم رہا''(24)

اسے اردو کی پہلی تاریخی کتاب ہونے کا شرف حاصل ہے، نیز اس وجہ سے بھی اہم ہے کہ یہ روہیل کھنڈ کی مقامی زبان میں لکھی جانے والی پہلی اردو کی تاریخ بھی ہے، اس کتاب میں وہاں کے پڑھے لکھے لوگوں کے احوال اور اردو بولنے اور سمجھنے والوں کے ساتھ ساتھ جملے کی ساخت وغیرہ کو بھی بیان کیا گیا ہے، اس کتاب کی ایک اہمیت اس وجہ سے بھی ہے کہ یہ فورٹ ولیم کالج کے قیام سے تقریبا پچیس سال پہلے اردو میں لکھی جانے والی تاریخی کتاب ہے، اس کے بعد 1802 میں فورٹ ولیم کالج کی جانب سے اردو میں تاریخ وتراجم کے مختلف کام عمل میں آئے، ان کی ابتدائی کوششوں کی وجہ سے اردو تاریخ نگاری کو عروج

حاصل ہوا۔ اس فہرست میں سب سے پہلا نام سرسید احمد خان کا ہے، جنھون نے تاریخ نگاری کے فن کو فروغ دینے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی اور اپنے بعد آنے والوں کی تعریف بھی کی اور ان کے لیے تاریخ نگاری کے کچھ اصول وضوابط بھی بیان کئے، جیسے شبلی کی کتاب ''المامون'' کے دیباچہ میں سرسید نے جہاں شبلی کی تاریخ نگاری کو سراہا ہے وہیں تاریخ نگاری کے کچھ اصول بھی دھیان میں رکھنے کی تلقین کی ہے، مثلا،

اوّل یہ کہ پرانی تاریخ کو جدید مذاق کے مطابق کرنے کی ضرورت پر زور دیا، دوسرا یہ کہ ہر فن کے لیے زبان کا طرز جداگانہ ہونا چاہیے،،

سرسید کو تاریخ سے کافی لگاؤ تھا جس کی وجہ سے انھوں نے اردو زبان میں بہت ساری کتابیں تحریر کیں۔ اور کچھ کتابوں پر تعلیقات اور حاشیہ وغیرہ بھی چڑھایا، جیسے ابوالفضل کی'' آئین اکبری'' کی تصحیح کے ساتھ ساتھ اس پر حاشیہ بھی لکھا، اس کے علاوہ انھوں نے ''تزک جہانگیری، فیروز شاہی وغیرہ کی اشاعت کے ساتھ ساتھ آثارالصنادید، ''تاریخ سرکشی بجنور'' اسباب بغاوت ہند'' جیسی عظیم تاریخی کتابیں اردو زبان میں تحریر کیں، سرسید کے اس مشن کو شبلی، مولوی ذکاءاللہ اور محمد حسین آزاد اور عبدالحلیم شرر وغیرہ نے مزید آگے بڑھایا، شبلی کا تاریخ نگاری میں سب سے بڑا کارنامہ یہ ہے کہ انھوں نے اردو تاریخ نویسی کو فلسفہ سے روشناس کرایا، نیز شاہی خاندان تک تاریخ کو محدود نہ رکھ کر اس میں علم وادب، اخلاق ومذہب وغیرہ کو بھی تاریخ کے دائرے میں شامل کیا، شبلی ہمیشہ سے تاریخ نگاری کے سلسلے میں ''کارلائل'' کے اس نظریات کے حامل رہے ہیں جس کو اس نے ''تاریخ غیر معمولی افراد اور نامور اشخاص کے غیر مختتم سلسلے کا نام دیا ہے۔''

شبلی کی تاریخ میں عربی، فارسی اور مغربی نظریات کا امتزاج دیکھنے کو کافی ملتا ہے۔ شبلی نے بہت سارے اکابرین کی سوانح عمریاں بھی تحریر کی ہیں اس میں انھوں نے اس دور کی تہذیبی، اخلاقی، معاشرتی، مذہبی اور سماجی عناصر کی عکاسی کی ہے جیسے، المامون، الفاروق، النعمان وغیرہ ان مذکورہ سوانح میں اس عہد کی تاریخ وتہذیب اور معاشرت کو بھی پیش کیا ہے اسی دور میں مولوی ذکاءاللہ کا نام تاریخ نگاری کے سلسلے میں اہمیت کا حامل ہے۔ جنھوں نے اردو تاریخ نگاری میں کارہائے نمایاں انجام دیا ہے۔

انھوں نے تاریخ میں بہت ساری کتابیں تحریر کیں۔ ان میں سب سے اہم اور ضخیم کتاب ''تاریخ

ہندوستان‘‘ ہے، جو دس جلدوں پر مشتمل ہے، یہ کتاب اردو تاریخ نگاری کے ارتقاء میں بہت ہی نمایاں مقام رکھتی ہے۔ یہ سرسید سے بہت مانوس تھے اس لیے وہ سرسید کی طرح تاریخ میں جدید اصول کے ہم نوا نظر آتے ہیں ان کے نزدیک مورخ جس زمانے کی تاریخ لکھ رہا ہو اس زمانے کے خلقت کے احوال ومعاشرت کو بھی واضح کرے اور ساتھ ہی ساتھ تاریخ کو صرف باشاہوں اور امراء کی جنگ وجدال اور ان کی تخت نشینی تک محدود نہ رکھے۔ ایک اہم چیز وہ اپنی تاریخ نگاری میں صداقت کو تصور کرتے ہیں کہ تاریخ نویس سچائی کا دامن کبھی نہ چھوڑے نیز صداقت کو وہ تاریخ کی بنیاد قرار دیتے ہیں۔ اپنی کتاب تاریخ ہندوستان میں لکھتے ہیں۔

> ’’مورخ جو کچھ لکھے وہ بیان واقعہ ہو کل کے حالات کو قید کتابت میں لائے یعنی جیسے کہ اکابر واعیان کے فضائل وخیرات وعدل وانصاف تحریر کئے ہیں، ایسے ہی مقابح ورزائل اس کے ذکر کرے اور کسی بات کو چھپائے نہیں، مصلحت جانے تو رمز وکنایہ واشارہ کے طریقہ کو استعمال کرے‘‘(25)

ان کی یہ کتاب عہد قدیم سے بہادر شاہ ظفر تک کی تاریخ پر مشتمل ہے جو 1897ء میں الہ آباد سے شائع ہوئی تھی، یہ کتاب اردو تاریخ نگاری کے سلسلے میں بہت اہم ہے۔ اسی طرح اس دور کے لکھنے والوں میں محمد حسین آزاد کا نام بھی شامل ہے، انھوں نے مختلف اصناف میں طبع آزمائی کی اور ہر ایک میں کامیابی وکامرانی نصیب ہوئی، انھوں نے اردو تاریخ نگاری کے باب میں بھی اضافہ کیا، ان کی کتاب ’’دربار اکبری‘‘ یہ عہد وسطیٰ میں لکھی جانے والی اہم تاریخ ہے، جو 1898ء میں لاہور سے شائع ہوئی تھی، ان کی یہ کتاب بادشاہ جلال الدین محمد اکبر کے نجی واہم ترین ارکین مثلاً وزراء علماء وغیرہ کے احوال اور اس دور کے ہر پہلو کو دھیان میں رکھ کر لکھا ہے، اس میں سیاست ومعاشرت اخلاق وآداب، علوم وفنون، تعمیرات، مذاہب، مذاق سخن، رزم وبزم، اور ان کے علاوہ جتنے بھی مضامین اس دور کے ہو سکتے ہیں تقریباً تمام کا احاطہ کیا گیا ہے۔ انھیں مورخین میں ایک نام مولوی بشیر الدین کا بھی ہے، جنھوں نے تاریخ سے متعلق بہت ساری کتابیں اردو زبان میں تحریر کیں، ان میں تاریخ بیجانگر، واقعات مملکت بیجاپور، واقعات دارالحکومت دہلی،

بشیر الدین کی تاریخ سے متعلق یہ کتابیں کافی اہم ہیں، ان کی ان تاریخوں میں کئی صدیوں کے احوال بیان کیئے گئے ہیں، اور وہ اپنی تاریخ میں زمانے کے احوال اور معاشرتی تہذیب کو شخص اور شخصیت پر فوقیت دیتے ہیں۔ان کے علاوہ دیگر مؤرخین نے بھی تاریخ نگاری کی ابتدا اور ارتقاء میں اپنی بے بہا محنتوں اور کارناموں کے ذریعہ تاریخ کی حقیقت کو ہمارے سامنے سچے اور واضح انداز میں پیش کیا ہے، ان کے نقش قدم پر چلتے ہوئے تاریخ کو مزید وسعت دینے والوں میں ایک نام عبدالحلیم شرر کا بھی ہے، آپ نے اپنی تاریخ نگاری میں مختلف تجربے کیئے اور مختلف شہروں، ملکوں، بادشاہوں کے حالات اور ان کی طرز معاشرت اور زمام حکومت کا ذکر اپنی تواریخ میں تفصیل سے کیا ہے۔وہ اپنے اسلاف کے نقش قدم پر چلتے ہوئے آگے بڑھتے ہیں اور ساتھ ہی ساتھ ان کے ذہن ودماغ میں یہ بات مسلم ہے کہ جس طرح سے دشمنان اسلام اور اغیار مسلمانوں کی تاریخ کو مسخ کرنے کے ساتھ ان کی شبیہ کو غلط انداز سے پیش کررہے تھے، ان باطل طاقتوں کے سامنے شرر سینہ سپر ہوکر ان کا مقابلہ کرتے ہیں کچھ اہل علم جنھیں دین اسلام اور مسلمانوں کی مکمل تاریخ کا علم نہیں تھا، وہ ان کے پروپیگنڈہ سے بہک رہے تھے لہٰذا شرر کی تاریخ نگاری میں ان تمام بنیادی مسائل کو پیش نگاہ رکھا گیا ہے۔شرر ان تمام چیزوں کو اپنے ذہن ودماغ میں رکھ کر اردو تاریخ نگاری کے فن کو آگے بڑھا رہے تھے، اور اس جانب شرر نے اپنے قلم کی جولانی دکھاتے ہوئے کئی ساری تاریخ پر مشتمل کتابیں لکھیں اور قارئین کے شکوک وشبہات کا ازالہ کرنے میں کامیاب ہوئے، ان کی تاریخی کتابوں کی ایک لمبی فہرست ہے، جن کو مندرجہ ذیل سطور میں پیش کیا جائے گا نیز تاریخی کتابوں کی سن اشاعت کو بیان کرنے کے ساتھ ان کا اختصار کے ساتھ تجزیاتی مطالعہ بھی کیا جائے گا۔

شرر کے تاریخی کتابوں کی تعداد عسکری نے پندرہ بیان کی ہیں، لیکن یہ مغالطہ اس لیے ہے کہ بعض ناشرین نے کسب مال کی خاطر شرر کی ایک ہی کتاب کو مختلف ناموں سے متعدد بار شائع کردیا ہے۔جب قاری کتاب کا اندرونی حصہ ملاحظہ فرماتا ہے تو اسے اندازہ ہوتا ہے کہ یہ تو فلاں کتاب ہے جو اس نام سے شائع ہوچکی ہے، مثلاً شرر نے اسلام سے پہلے کی تاریخیں لکھی ہیں مثلاً ''تاریخ ارض مقدس'' ''تاریخ یہود'' اصلاً یہ دونوں ایک ہی کتاب ہیں مگر ''تاریخ ارض مقدس'' کے نام سے شائع کردیا گیا ہے۔تاریخ یہود کے نام سے شرر کی کتاب

دلگداز پریس لکھنؤ سے شائع ہوچکی ہے۔جس کے سرورق پر آپ نے خود یہ تحریر فرمایا ہے۔

''تاریخ یہود یعنی ضخیم ومبسوط تاریخ ارض مقدس'' کا حصہ اولین جس میں بنی اسرائیل کی تاریخ آغاز سے انجام تک پوری آ گئی ہے،اور بجائے خود ایک مستقل تاریخ ہے''۔

اسی طرح ''مصر کی تاریخ قدیم''اور عصر قدیم'' یہ دونوں ایک ہی کتاب ہیں جو دو الگ الگ ناموں سے شائع ہوگئی ہیں، چنانچہ یہ مغالطہ ہوگیا کہ بعض تاریخیں ایک سے زیادہ ناموں سے چھپ گئی ہیں۔اور ہوسکتا ہے کہ ان میں کچھ اضافہ بھی ہو جائے جہاں تک ہماری رسائی ممکن نہیں ہوسکی ہے۔

ان کے علاوہ ایک اور کتاب شرر کی جانب منسوب کی جاتی ہے جس کی تحقیق ابھی تک عمل میں نہیں آسکی۔پاکستان کے لاہور سے ایک رسالہ ''نقوش'' کے نام سے شائع ہوتا ہے،جس کے ایڈیٹر جناب محمد طفیل صاحب ہیں وہ ''جان عالم'' ادارہ فروغ اردو، لاہور (سنہ 1951ء) کے دیباچہ میں اس بات کا ذکر کرتے ہیں کہ انھیں شرر کے صاحبزادے محمد صدیق حسن سے فتوحات اسلامیہ'' کا مسودہ ملا،جس کو وہ چھپانا چاہتے تھے لیکن ابھی تک میرے علم کے مطابق اور کافی تلاش وجستجو اور استفسار کے باوجود اس کتاب کا سراغ نہیں لگا،جس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ کتاب ابھی تک منصۂ شہود پر نہیں آئی ہے، اس طرح شرر کی تاریخی کتابوں کے سلسلے میں کافی اختلاف پایا جاتا ہے،جس کی توثیق صاحب کتاب یا دونوں کتابوں کو دیکھنے کے بعد حق سامنے آجائے تو پھر کسی شک وشبہ کی کوئی گنجائش نہیں رہ جاتی ہے۔آپ کی تاریخ سے متعلق تصانیف مندرجہ ذیل ہیں:

(1) تاریخ بغداد شریف 1899ء

(2) تاریخ سندھ 1907ء

(3) قدیم مسیحیت،ن

(4) تاریخ یہود 1917ء

(5) عصر قدیم 2007ء

(6) صقلیہ میں اسلام 1929ء

(7) تاریخ خلافت 1923ء

(8) تاریخ اسلام جلد اول 1925ء

(9) تاریخ اسلام جلد دوم 1926

(10) گذشتہ لکھنؤ 2011

(11) حروب صلیبیہ، 1906ء وغیرہ وغیرہ

مذکورہ بالا شرر کی نمائندہ تاریخی کتابوں کا آئندہ صفحات میں اختصار کے ساتھ تجزیاتی مطالعہ پیش کیا جائے گا۔

تاریخ سندھ:

تاریخ سندھ شرر کی وہ تاریخ کتاب ہے جو عوام الناس سے لے کر خواص تک شرف قبولیت سے نوازی گئی ہے، شرر اصلاً تاریخی ناول نگار کی حیثیت سے جانے جاتے ہیں لیکن جب انہوں نے تاریخ کے میدان میں قدم رکھا تو یہاں بھی اپنی کامیابی کا علم بلند کیا، شرر کثیر التصانیف اور زود نویس قلم کار تھے، تاریخ پر بہت ساری کتابیں تحریر فرمائیں لیکن مندرجہ ذیل سطور میں تاریخ سندھ کے حوالے سے گفتگو کی جائے گی۔

شرر کی تاریخ سندھ دو جلدوں پر مشتمل ہے۔

شرر تاریخ سندھ لکھنے کے اسباب و محرکات پر تفصیل سے روشنی ڈالتے ہوئے رقم طراز ہیں۔

> ''سارے ہندوستان کو چھوڑ کے سندھ کے ایک گمنام حصۂ ملک کی طرف توجہ کرنا اور خصوصاً اس شخص کے لئے جو کبھی نہ وہاں گیا ہو اور نہ وہاں کے موجود حالات سے کوئی ذاتی واقفیت رکھتا ہو۔ نہ اسے وہاں کے بااثر لوگوں سے تعارف حاصل ہو، ناظرین کے لئے قابل حیرت ضرور ہوگا۔ مگر سچ یہ ہے کہ ہندوستان میں سندھ ہی وہ ملک ہے۔ جس کی تاریخ کی طرف توجہ کرنے کی ضرورت ہے کیونکہ ناواقف مصنفین فارسی و انگریزی کے ہاتھوں جتنا ظلم اس ملک کی تاریخ پر ہوا ہے شاید کسی تاریخ پر نہ ہوا ہوگا'' (26)

شرر نے اس بات کو اوپر کے اقتباس میں واضح کر دیا ہے کہ میں نہ کبھی وہاں گیا اور نہ وہاں کے کسی معتبر اور ممتاز شخصیات کے تعلقات میں بھی نہیں رہا لیکن جب میں نے دیکھا کہ اس ملک کی ایک عظیم تاریخ کے

ساتھ ناانصافی اور ظلم و بربریت کے ساتھ پیش آیا جا رہا ہے تو شرر نے اس موضوع پر قلم اٹھانے کی ضرورت محسوس کی اور اس سلسلے میں شرر نے کس کس سے مدد لی اور کن کے کہنے پر اس موضوع کو پایۂ تکمیل تک پہونچایا اس سلسلے میں شرر خود اپنی کتاب ''تاریخ سندھ'' کے ''عرض حال'' میں ان واقعات کو بالتفصیل بیان کرتے ہیں۔اس اقتباس کو تفصیل کے ساتھ بیان کیا جا رہا ہے۔

''پہلے پہل اس جانب میرا خیال فتوح البلدان بلاذری کو دیکھ کے رجوع ہوا، اس کے بعد عربی تاریخوں جغرافیوں اور سفرناموں پر جس قدر زیادہ نظر پڑتی گئی اس قدر زیادہ ضرورت محسوس ہوتی گئی۔لیکن فراہمی کتب کی دشواریوں اور اپنی بے بضاعتی کا خیال کر کے جرأت نہ ہوتی تھی۔اتفاقاً ریاست حیدرآباد میں ان دنوں وقار الامراء بہادر اریکہ آرائے مسند وزارت تھے، اور مجھے ان کی سرکار سے خاص تعلقات تھے، جن کو مرحوم کے خلف الرشید نواب سلطان الملک بہادر اپنی کریم النفسی سے آج تک بناہ رہے ہیں، جب میرا خیال ان مرحوم کو معلوم ہوا تو قدر دانی نہیں قدر افزائی کی۔بطور انعام پانچ ہزار روپیہ مرحمت فرما کے میری حوصلہ افزائی فرمائی۔اور حکم دیا کہ اس کے جس قدر اجزا مرتب ہو جائیں، ان کے ملاحظے میں پیش کر دیئے جایا کریں، ادھر نواب عماد الملک بہادر نے اپنے بیش بہا کتب خانے کو گویا میرے ہاتھوں میں دے دیا، ایسی فیاضانہ اعانتوں کے بعد بھی میں مستعد نہ ہوتا تو بہت بڑی ناشکری تھی، غرض اس تاریخ کو مدون کرنا شروع کیا۔اور جو جو اجزا لکھے جاتے نواب صاحب مرحوم و مغفور کی نظر کیمیا اثر سے گزرتے رہے۔یوں یہ کتاب مرتب تو ہو گئی مگر جب چھپنے کی نوبت آئی تھی کہ نواب وقار الامراء بہادر کا انتقال ہو گیا۔اور میں وہاں کی متغیر حالتوں سے متاثر ہو کے دو صحیح کتابوں کے مسودے لیے ہوئے لکھنؤ واپس آیا۔جو خاص نواب صاحب اور ممدوح کے لئے اور ان کے حکم سے لکھی گئی تھیں ایک تو یہی تاریخ سندھ۔اور دوسری ''تاریخ ارض مقدس''، جس کی تصنیف میں مولوی محمد عزیز مرزا صاحب بی۔اے۔کو، جو اُن دنوں ہوم سکریٹری کے

معزز عہدے پر ممتاز تھے اور فی الحال مجلس عالیہ عدالت دولت آصفیہ کے ایک رکن یعنی ہائی کورٹ کے جج ہیں، وہی دخل ہے جو اس کتاب کی تصنیف میں نواب عماد الملک بہادر کو تھا۔ جب ان کتابوں کے چھپنے کی کوئی معقول صورت نہ پیدا ہوئی تو میں نے تاریخ سندھ کو دلگداز کے ساتھ شائع کرنا شروع کر دیا'' (27)

اس طرح تاریخ سندھ کی پہلی جلد کو شرر نے قسط وار دلگداز میں شائع کیا' پھر بعد میں کتابی صورت میں قارئین کے سامنے پیش کیا۔ دوسری جلد کا آغاز جنوری 1907ء میں شرر نے شائع کرنے کا اپنے قارئین سے وعدہ کیا۔ لیکن اس میں ضرورت کے لحاظ سے اور کتاب کی اہمیت وافادیت کو مزید تقویت دینے لیئے شرر نے اس میں جغرافیہ اور قدیم حالات کا بھی اضافہ کر دیا۔ اس کتاب کی اہمیت اور اپنے جاں فشانی عمل کو قارئین کے سامنے پیش کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔ ''میری محنت کا پتہ ناظرین کو صرف اس حصے کو دیکھنے سے لگے گا، جہاں سے خیر القرون یعنی حضرت رسالت کا عہد شروع ہوا ہے۔ سندھ میں عربوں کا دور کوئی معمولی چیز نہ تھا۔ وہ مستقل تاریخوں کو چاہتا، اگرچہ میں نے تکمیل کی بہت کوشش کی''

تاریخ سندھ کی جلد اول کے سرورق پر عبدالحلیم شرر لکھتے ہیں۔

''جس میں ابتدا سے آخر زمانہ محمد بن قاسم اور فتوح عرب تک کے حالات سندھ کمال تفصیل وتوضیح کے ساتھ بڑی جستجو وتلاش کے بعد معتبر ومستند ماخذوں سے لیکر مدون کیے گئے ہیں''

یہ کتاب 1907ء میں دلگداز پریس لکھنؤ سے شائع ہوئی۔ کل حقوق محفوظ ہیں' شرر کی یہ کتاب 253 صفحات پر مشتمل ہے۔ پہلی جلد بارہ ابواب پر منحصر ہے۔

پہلا باب ''سندھ کی ابتدا اور اس کا جغرافیہ''

اس باب میں شرر نے اس بات کا ذکر واضح طور سے کیا ہے کہ یہ ملک کیا تھا اور کیا ہو گیا۔

اس کی وجہ تسمیہ وغیرہ کو بھی شرر نے تفصیل سے بیان کیا ہے کہ سندھ کیسے سندھ ہوا۔ ایرانیوں وغیرہ کی غلطیوں کا بھی شرر نے استدراک کیا ہے۔ جب عرب یہاں آئے تو یہاں کے کیا حالات تھے۔ کون کون سے ملک سندھ کے خطہ سے الگ ہو گئے، الغرض شرر نے وہاں کی زمین آثار قدیمہ، پھل، میوہ، آبادی، ان کا

رہن سہن، زبان و بیان، ان کے مویشیوں تک کا بھی ذکر شرر نے تفصیل کے ساتھ کیا ہے، جس سے کہ قاری کے ذہن و دماغ میں وہاں کی مکمل صورت واضح ہو جائے، کہ سندھ کیا تھا اور اب کیا ہو گیا۔

دوسرا باب: ''سندھ کی قدیم تاریخ'' (حسب بیان اہل ہند) ہے۔

اس باب میں شرر نے سندھ کی قدیم تاریخ کو تفصیل کے ساتھ ذکر کیا ہے کیکیا کا راج کیسا تھا، رامائن کا زمانہ کس طرح تھا، اور پانڈوں کے احوال کے ساتھ ساتھ اس بات کا بھی ذکر کیا ہے کہ برہمن وہاں آ کر کیسے آباد ہوئے، راجہ کشمیر کی چڑھائی وغیرہ کو بھی شرر نے بیان کیا ہے اور اس باب کے اخیر میں انھوں نے برکماریس کے عہد کا بھی ذکر کیا ہے کہ وہ کس قدر اپنی رعایا اور عوام الناس پر رحم دلی کا اظہار کرتا تھا اور ان کے ساتھ کس نرمی اور آسانی سے پیش آتا تھا۔ ان تمام واقعات کو شرر نے اس باب کے تحت ذکر کیا ہے۔

تیسرا باب: ''ہندوستان پر قدیم الایام کی غیر قوموں کے حملے''

اس باب میں دنیا کی تمام قوموں کو باہم دست و گریباں دکھایا گیا ہے، لیکن ہندوستان ابتدا ہی سے بیرونی طاقتوں کے حملے کا شکار رہا ہے، آریوں کا ہندوستان میں ورود ہی ایک زبردست حملہ تھا، انھوں نے ابتدائی حالات کو بالکل مٹا دیا، لیکن جب یہ خود اس ملک میں بااختیار بنے تو ان پر بھی باہر والوں کی یورشوں کا سامنا کرنا پڑا، ہندوستان کا سرحدی علاقہ ہمیشہ سے سندھ ہی رہا ہے، جس کی وجہ سے ہر حملہ آور کے قدم اس شہر کو پامال کرتے ہوئے آگے بڑھتے تھے۔

شرر نے اُسائرس کے حملے کا بھی ذکر کیا ہے جو مصر کا بادشاہ تھا جسے عہد قدیم کے مورخین ڈیونیسیس اور بیکچس کے نام سے جانتے ہیں اس نے بھی اپنی فوج لے کر تمام ممالک کو تخت و تاراج کرتا ہوا سندھ پہونچ گیا، یہ پہلا حملہ تھا، جس کی وجہ سے یہاں کے عوام قتل و خونریزی سے ناواقف تھے، لہٰذا وہ تمام لوگوں کو شکست دیتا ہوا گنگا تک فتح کر لیا۔ شرر نے اس کے حملے اور ان کے رہن سہن اور طور طریقہ کو تفصیل کے ساتھ ذکر کیا ہے۔ اس طرح اہل بابل جو مصریوں کے سخت رقیب تھے، ان کے بھی حملے کے ساتھ ساتھ سمیرا میس کے حملے ورعرب مورخین نے تبائعہ یمن کے حملے کا بھی ذکر کیا ہے، جس کو شرر نے اس باب میں تفصیل سے ذکر کیا ہے کہ یہ کون لوگ تھے اور کس طرح ہندوستان میں آ دھمکے۔

اسی طرح شرر نے ہندوستان پر فرعونِ مصر سیاستریس اور تاتاریوں کے حملے اور چندر گپت بکرماجیت وغیرہ کا ذکر، شرر نے اس باب میں تفصیل کے ساتھ بیان کیا ہے۔

چوتھا باب: رائے چچ کا عروج ہے۔

اس باب میں شرر نے شہر اُلور کا ذکر کیا ہے جو سندھ میں سب سے بڑا اور نہایت خوبصورت شہر تھا، اس میں عالیشان قصر اور محلات تھے اور اس کا راجہ سی ہرس تھا۔ اس کی حکومت میں عدل پروری اور ایرانیوں کے حملے کا بھی ذکر کیا گیا ہے نیز یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ کس طرح نیمروز نے فوج لے کر فارس سے ہوتے ہوئے مکران پر چڑھائی کی اور راجہ سی ہرس بھی اپنی فوج لے کر آرو کی طرف روانہ ہوا، اس جنگ کے احوال کو شرر نے بیان کیا ہے، اسی طرح چچ کی تاریخ بیان کی ہے کہ چچ کی ابتدا، چچ کے عروج کے اور رام نے اس کو اپنے دربار میں رکھ کر اپنی مصاحبت اختیار کروائی، ان تمام احوال کا ذکر شرر نے کیا ہے، مکہ کی فتح، ملتان پر حملہ اور اسی طرح حدود کرمان کا انتظام وانصرام اور اس کے بعد چچ کی موت کا ذکر کر کے اس باب کو ختم کیا ہے۔

پانچواں باب: سندھ کی ہندو سلطنت کا آخری دور ہے۔

اس باب میں شرر نے چچ کی وفات کے بعد کے حالات کا ذکر کیا ہے کہ کیسے اس کا بھائی چندر سندھ کے تخت وتاج کا وارث ہوا ''قنوج کا سندھ پر حملہ' داہر اور دھرسین کا ذکر، داہر کا عہد بھائیوں کے باہم اختلافات اور دھرسین کی موت کے ساتھ ساتھ اس باب کے آخیر میں ہندو سلطنت کے خاتمہ کا ذکر کیا گیا ہے۔

چھٹا باب: خیر القرون، کے نام سے ہے۔

اس باب کے تحت شرر نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی مکی اور مدنی زندگی کے احوال کو بالتفصیل بیان کیا ہے کہ کس طرح مشرکین مکہ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو دعوت وتبلیغ سے روکا اور آپ کے جان کے دشمن ہو گئے، پھر آپ نے مدینہ کی جانب ہجرت کی اور وہاں پہونچ کر کس طرح مسجد قباء اور مسجد نبوی کی تعمیر ہوئی ہیں۔ آپ ؐ کا تبلیغی سفر، تبلیغ جنگوں کے حالات اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کا ذکر کیا گیا ہے، اور

اس کے بعد خلیفۂ اوّل حضرت ابوبکر صدیق کی خلافت کا تفصیل سے ذکر ملتا ہے، بعدازاں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خلافت اور فتح قادسیہ اور مدائن کے احوال اور عہد فاروقی میں عثمان بن ابی عاص ثقفی کا ہندوستان پر پہلے حملے کا ذکر نیز ہندوستان اور عمان میں تجارتی تعلقات کو بھی واضح کیا ہے۔ حضرت عمر کے عہد خلافت میں کن ممالک کو فتح کیا گیا تھا، اس کے بعد حضرت عثمان غنی اور حضرت علی کی خلافت کا ذکر کرتے ہوئے زیاد اور امیر معاویہ کی ولایت کا ذکر بالتفصیل کیا گیا ہے۔

ساتواں باب: خلافت آل مروان (فتوحات سندھ) کے بارے میں ہے۔

اس باب میں شر رعبدالملک بن مروان اور حجاج بن یوسف الثقفی کا ذکر تفصیل سے کیا ہے۔ اس کے بعد حملہ عرب کی اصل بنیاد کیا تھی؟ پہلی جھڑپ اور عبیداللہ بن نبہان کے حملے اور ان کی شہادت کا ذکر کیا ہے اس کے بعد دوسرے سپہ سالار بدیل کی گرفتاری اور موت کا بیان اس کے بعد کس طرح محمد بن قاسم کا سندھ کے لئے انتخاب کیا گیا، اس وقت ان کی عمر کیا تھی، اس سے پہلے وہ کہاں مامور تھے، ان تمام احوال کا ذکر کیا ہے۔ حجاج نے کس طرح فوج کے سروسامان اور مکمل اعانت و تیاری کے ساتھ سندھ کے لئے روانہ کیا، فوج کی تعداد، دیبل کا محاصرہ اور فتح کا ذکر کرتے ہوئے حجاج بن یوسف کی جنگی بصیرت اور امور جنگ کے ماہرین میں شمار کرتے ہوئے دیبل مسلمانوں کی آبادی اور وہاں کس طرح اسلام کی تبلیغ واشاعت شروع ہوئی، ان تمام نقاط پر تفصیل سے بحث کی ہے۔

آٹھواں باب: مابقی فتوحات محمد بن قاسم پر مشتمل ہے۔

اس باب میں سیوستان پر قبضہ چنہ کے جاسوس مسلمانوں میں کس طرح آجاتے ہیں، اور مسلمانوں پر شب خون مارنے کا واقعہ وغیرہ، داہر کی طرف سے مزاحمت کے ساتھ ساتھ اسلامی سفارت اور دریائے سندھ پر پل کی تعمیر کے واقعات کو تفصیل کے ساتھ بیان کیا گیا ہے۔

نواں باب: محمد بن قاسم دریائے سندھ کے اس پار'' کے احوال پر مشتمل ہے۔

کس طرح انہوں نے داہر کے بیٹے کو شکست فاش دی اور ہاتھیوں وغیرہ پر آتش بازی اور راجہ داہر کے مارے جانے کی پوری تفصیل کو اس باب میں بیان کیا گیا ہے۔

دسواں باب: داہر کا بیٹا جے سنگھ اور محمد بن قاسم: کے احوال پر محیط ہے۔

کس طرح جے سنگھ اپنے باپ کے قتل کے بعد آمادۂ جنگ تھا، رادر کی فتح کے ساتھ لونڈیاں اور داہر کا سر ولید کے دربار میں بھیجنا، پھر جے سنگھ کا کشمیر بھاگ جانے کے احوال اور ملک کے نظم ونسق کی کیفیت کو بیان کیا گیا ہے۔

گیارہواں باب: ''محمد بن قاسم کی بے نظیر کامیابیاں'' کے نام سے ہے۔

اس باب میں حجاج کے ہدایات، محمد بن قاسم اور حجاج کی پالیسیوں میں فرق، ان کے علاوہ گوپی کا فرار ہونا، محمد بن قاسم کا سکندر سے مقابلہ، ملتان پر حملہ اور پہلی لڑائی میں فتح یابی کا ذکر تفصیل سے کیا گیا ہے۔

اس باب میں حجاج اور خلیفہ ولید کی موت کا ذکر بھی کیا گیا ہے۔

بارہواں باب: ''محمد بن قاسم کا انجام'' کے نام سے ہے۔

اس باب میں سلیمان بن عبدالملک کے احوال اور سلیمان کا خاندان حجاج سے عناد کی وجہ اور ساتھ ہی ساتھ محمد بن قاسم کی معزولی، محمد بن قاسم قید خانہ میں، ان کی مستقل مزاجی اور مظلومانہ موت وغیرہ کا ذکر کرنے کے ساتھ ساتھ ان مورخین کی غلطیوں کو بھی واضح گیا ہے جو یہ کہتے تھے کہ سندھ پر عرب کی حکومت محمد بن قاسم کے زمانے سے شروع ہوئی اور انہیں پر ختم ہوگئی۔ اس کی تردید کے ساتھ تمام حقیقی پہلوؤں کو واضح کیا گیا ہے۔

دوسری جلد۔

جس میں محمد بن قاسم کے بعد کے حالات کا ذکر کیا گیا ہے اور اس میں یہ واضح کیا ہے کہ جو فارسی اور انگریزی مورخین نے تاریخ سندھ کے تعلق سے غلط فہمیاں پیدا کر رکھی تھیں ان کی ناواقفیت نے تاریخ کے ایک بڑے حصے کو کھو دیا، ان تمام احوال کا ذکر اس جلد میں موجود ہے۔

یہ جلد دس ابواب پر مشتمل ہے۔

دوسری جلد کا آغاز جنوری 1907 میں ہوا، جو واقعات اس میں قلم بند ہوئے، وہ کہاں سے ماخوذ ہیں اور کس طرح سے اکٹھا کیا گیا اس سلسلے میں شرر لکھتے ہیں۔

''دوسری جلد جس کا جنوری 1907 سے آغاز ہوگا بتائے گی، اس ملک کی تاریخ میں فارسی اور انگریزی مصنفوں سے کتنی بڑی فروگذاشتیں اور کیسی فاش غلطیاں ہوگئی ہیں۔ کیوں کہ اس جلد میں جو واقعات مذکور ہوئے ہیں، تھوڑے بہت اور تاریخوں میں بھی موجود ہیں، دوسری جلد میں جو واقعات آئیں گے، جن کا پتہ سوامسٹرایلیٹ کے جمع کئے ہوئے غیر مرتب مادہ تاریخ کے اور کہیں نہ نظر آئے گا''(عرض حال''تاریخ سندھ'')(28)

پہلے باب میں محمد بن قاسم کے بعد سندھ کی حالت کا ذکر ہے، دوسرے باب میں بنی امیہ کا باقی ماندہ عہد خلافت، تیسرا باب دولت عباسیہ کی ابتداء، چوتھا باب، ہارون الرشید سے مامون رشید کے آخر عہد تک، پانچواں باب، سندھ میں عباسیوں کا آخری اثر، چھٹا باب، عربی النسل خود مختار دول سندھ، ساتواں باب، شیعہ اسماعیلیہ، آٹھواں باب، قرامطہ، نواں باب، مابقی حالات قرامطہ، دسواں باب، باقی حالات قرامطہ کا احاطہ کیا گیا ہے۔

دوسری جلد میں ابواب کے ضمن میں طوالت سے بچتے ہوئے صرف ابواب کے مضامین کا ذکر کیا گیا ہے، ان کے اندر موجود تفصیل کو بیان نہیں کیا جائے گا۔

شرر کی یہ تاریخی کتاب جس کو مختلف کتابوں کی ورق گردانی کے بعد منصۂ شہود پر لایا گیا، اس میں ان کی محنت و کاوش کا بہت عمل دخل ہے، اس لیے کہ اس سے پہلے اردو میں کوئی تاریخی کتاب سندھ پر مکمل موجود نہیں تھی۔ شرر نے فتوح البلدان، بلاذری، کامل ابن اثیر، چچ نامہ، تاریخ پنجاب، انسائکلو پیڈیا برٹا نیکا، انڈین امپائر، مراصد الاطلاع علی اسماء الامکنہ والبقاع، امپیریل گزیٹر، پرنسپل آبزرویشن آن سندھ، پی پوسٹن، اوران کے علاوہ بہت ساری کتابوں کی مدد سے شرر اسے پایہ تکمیل تک پہونچانے میں کامیاب ہوئے۔

تاریخ سندھ پر مولانا ابوظفر ندوی کی کتاب ''تاریخ سندھ''، مطبع معارف اعظم گڑھ سے 1947 میں شائع ہوئی، انھوں نے جگہ جگہ شرر کی اغلاط کی نشان دہی کی ہے، ان سے بہتر غلام رسول مہر کی کتاب ہے، جو ''تاریخ سندھ'' پر لکھی گئی ہے، اس کتاب کو سندھی ادبی بورڈ حیدرآباد نے 1958ء میں شائع کیا۔ ڈاکٹر

مبارک علی سندھ کی تاریخ سے متعلق اپنے خیالات کا اظہار کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

''عرب دور پر اردو، سندھی اور انگریزی میں بھی جدید کام بہت کم ہوا ہے، اردو میں سندھ کی تاریخ پر پہلا کام مولانا عبدالحلیم شرر کا ہے۔ اور دوسرا اہم کام ابوظفر ندوی کا ہے لیکن ان دونوں کتابوں میں صرف تاریخی واقعات کو جمع کیا گیا ہے، ان کا تجزیہ نہیں ہے سندھی میں مولائی شیدائی کی کتاب ''منت السندھ'' بھی اس نمونے پر لکھی گئی ہے۔ اور یہی کچھ انگریزی میں ممتاز پٹھان کی کتاب کا ہے، ان کتابوں کے مطالعے سے تاریخی واقعات کا تو علم ہو جاتا ہے۔ مگر تجزیاتی کمی کی وجہ سے تاریخی شعور میں کوئی اضافہ نہیں ہوتا'' (29)

''تاریخ سندھ'' شرر کی ایک مستند اور اہم کتاب ہے، جس کو انھوں نے عربی، فارسی اور انگریزی کتابوں کی ورق گردانی کے بعد تحریر کیا، رام بابو سکسینہ اس سلسلے میں لکھتے ہیں۔

''آپ نے دو تاریخیں بھی لکھی ہیں، جو بہت بڑے پیمانے پر ہیں، ایک تاریخ سندھ جس میں آپ نے اسلامی عہد کو عام مسلمات کے خلاف کچھ اور ہی ثابت کر دیا ہے اور اس کی تکمیل کے لئے عربی اور انگریزی تاریخوں کی بہت ورق گردانی کی ہے'' (30)

تاریخ سندھ کے حوالے سے صاحب سیر المصنفین لکھتے ہیں۔

''تاریخ سندھ آپ کی نہایت عمدہ تصنیف ہے، آپ نے بے حد تلاش اور تجسس سے یہ کتاب تحریر فرمائی ہے۔ اوّل جب عرب ہندوستان میں داخل ہوئے ہیں اور اس وقت کی ہندو سلطنتوں سے ان کی مڈبھیڑ ہوئی ہے، اس کا حال شرح و بسط کے ساتھ لکھا ہے اور نہایت خوب لکھا ہے'' (31)

مذکورہ بالا اقتباسات اور ان کی کتاب کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے اس کتاب کو لکھنے میں کس قدر محنت اور کوشش کی، اپنے قاری کو بھی ملحوظ خاطر رکھتے ہوئے وہ کس حد تک کامیاب ہوئے ہیں یہ فیصلہ قاری و ناقد کا ہے، اس کتاب میں کہیں کہیں وہ سن وغیرہ کا بھی ذکر کرتے ہیں لیکن اکثر جگہوں پر بغیر سن

کے واقعات کو بیان کر دیتے ہیں۔اور ہر صفحہ کے کنارے پر کس موضع پر گفتگو کر رہے ہیں،اس موضع کا عنوان ذکر کرتے ہیں۔ جیسے ہندوستان کا ہدف سہام ہونا، اہل مصر، اُسائرس کا حملہ' ان تمام موضوعات پر تفصیل سے گفتگو کرتے ہیں اور اس کے متعلق جو بھی واقعات ہوتے ہیں اس کا بھی ذکر کرتے ہیں۔اگر شرر کی تمام خامیوں کو یکجا کر کے ان کے حسن تحریر سے موازنہ کیا جائے تو تمام خامیاں ان کی حسن بیان کے سامنے ہیچ ہو جائیں گی،شرر نے انتہائی سلیس شگفتہ اور متین و متوازن زبان کا استعمال کیا ہے، جو اس دور میں شاید شبلی، سرسید اور آزاد کے علاوہ کہیں ہمیں دیکھنے کو نہیں ملے گی،ان کی تحریریں قاری کو جگہ جگہ پاسداری، جوش ولولہ، جذباتی رنگ اور حقیقت بیانی کا احساس دلاتی رہتی ہیں،بطور نمونہ ایک مثال پیش خدمت ہے جس سے اس کا اندازہ باقی ماندہ تحریروں پر کیا جا سکتا ہے۔جب اہل شہر اطاعت کے لئے رضامند ہو گئے،اس کا نقشہ شرر اس طرح سے پیش کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''اس مایوسی کے بعد شہر کے لوگوں نے آپس میں مل کے کہا''ہم نے محمد بن قاسم کی دیانتداری، دانائی، معدلت پروری،انصاف،اور فیاضی کا تذکرہ سنا ہے،اور یہ آواز بھی بارہا ہمارے کان میں پڑی ہے کہ وہ اپنے عہد و پیمان میں بڑی مضبوطی سے قائم رہتا ہے اور اس نے جو رحم دلی سندھ کے دیگر شہروں میں کی اس کا حال بھی ہمیں معلوم ہو چکا ہے،اب اس صورت میں یہی مناسب معلوم ہوتا ہے، کہ ہم سب مل کے چند معتبر اور لائق کے ذریعہ سے اس کے پاس سفارت بھیجیں،قلعہ اس کے سپرد کر دیں،اور اس سے رحم و کرم کی التجا کریں،سب کا اتفاق ہوا،اور کوشش کی جانے لگی کہ اس رائے پر عملدرآمد کیا جائے''

اس اقتباس کا ہر جملہ بالکل واضح اور سلیس ہے۔اس میں قاری کو کسی قسم کی افہام و تفہیم میں دقت پیش نظر نہیں آتی ہے۔

قدیم مسیحیت

شرر کی کتاب''قدیم مسیحیت فن تاریخ نگاری ایک اہم تصنیف ہے۔اس کتاب میں یہ دکھانے کہ کوشش کی گئی ہے کہ قدیم زمانے میں عیسائی مذہب کے ماننے والوں نے جب حکومت حاصل کی تو دیگر اقوام پر کس طرح سے ظلم و ستم کا پہاڑ توڑا۔اور جب مسلمانوں نے ان پر حکمرانی کی تو ان کا رویہ اور طور طریقہ ان کے

ساتھ کیسا رہا، عیسائی مذہب میں کتنے فرقے نکلے۔ وہ ایک دوسرے سے کس طرح سے پیش آتے تھے اور عیسائی مذہب کی ترقی کے کیا اسباب تھے ان تمام چیزوں کو شرر نے اس کتاب میں تفصیل اور تحقیق کے ذریعے واضح کرنے کی کوشش کی ہے اس کتاب کو لکھنے کا مقصد ہی یہی تھا تاکہ قدیم زمانے میں ان کے طرز عمل اور طرز حکومت کو قاری کے سامنے واضح کیا جاسکے۔

یہ کتاب 67 صفحات پر مشتمل ہے۔اس کتاب کو سید ظہور الحسن قومی پریس دہلی۔ چھتہ لال میاں میں مطبع مجتبائی جدید، دہلی میں طبع کرا کے شائع کیا گیا۔اس میں سن اشاعت مذکور نہیں ہے۔

اس کتاب میں شرر نے نمبر دے کر لکھا ہے۔ اور اس کے ساتھ عناوین کا بھی ذکر کیا ہے یہ کتاب چھ نمبرات پر مشتمل ہے اور آخری عنوان میں شرر نے نمبر نہیں دے رکھا ہے بلکہ صرف عنوان ذکر کیا ہے مندرجہ ذیل سطور میں نمبرات اور عناوین کے ذکر کے ساتھ ان ابواب میں شرر نے کیا تحریر کر رکھی ہیں اسکا ذکر کیا جائے گا تاکہ قاری کو اس بات کا ادراک ہو سکے کہ کس باب میں شرر نے کیا بیان کیا ہے، مثلاً

''قدیم مسیحیت نمبر 1''

پہلے نمبر میں شرر نے تعصب اور غلو کی نفی کرتے ہوئے خود اس بات کا ذکر کرتے ہیں کہ اب تعصب اور غلو کا زمانہ گزر چکا ہے، اس باب کے ابتدائی مطالعہ سے یہ واضح ہو جاتا ہے کہ شرر نے ان تمام مورخین اور متعصبین کو آڑے ہاتھ لیا ہے، اتنا سب کچھ ہونے کے بعد بھی عیسائی مذہب کو منزہ اور پاک ثابت کرنے پر تلے ہوئے ہیں ایک اقتباس پیش کر رہا ہوں جس کو شرر نے کتاب کی ابتدا ہی میں تحریر کیا ہے، لکھتے ہیں۔

> ''اب بہت زیادہ ضرورت ہے کہ ان دونوں قوموں کے قدیم اور جدید تعلقات پر عمدہ طور سے غور کیا جائے، تعصب اور مذہبی غلو کا زمانہ گزر گیا، اور روز بروز گزرتا جا رہا ہے، وہ باتیں قدیم ارسطو اور افلاطون کے فلسفہ کی تقلیدی تعلیم کے ساتھ بجھتی چلی جاتی ہیں، جنھوں نے آج کل کے بڑے بڑے دہریوں کی نظر میں مذہب ہی کو تمام مظالم اور خونریزی کا باعث قرار دیدیا ہے اور جن کے جواب میں شاب پوپ روم تک کو ساکت ہو جانا پڑا۔ اب روز بروز وضاحت کے ساتھ معلوم ہوتا جاتا ہے کہ اصلی مذہب ان

الزاموں سے بری تھے اور جس قدر اعتراض کئے گئے ہیں یا ہو سکتے ہیں وہ صرف بعض اہل مذہب کے جاہلانہ تعصّبات پر مبنی ہیں مگر پھر بھی ہمیں تھوڑا بہت غور ضرور کرنا چاہئیے۔اور دیکھنا چاہئے کہ عیسائیوں نے قدیم زمانہ میں مسلمانوں کے ساتھ کیا برتاؤ کیا۔اور مسلمان مسیحیوں سے کس طرح پیش آئے''(32)

اس باب میں انھوں نے ایک مکالماتی اور مقابلہ نگاری کا عکس پیش کیا ہے اور بہت سارے دلائل وبراہین سے یہ واضح کرنے کی کوشش کی ہے کہ کس طرح عیسائیوں نے مسلمانوں پر ظلم وستم کے پہاڑ توڑے لیکن جب جب مسلمان حکمران بنا توان کے ساتھ کس قسم کا رویہ تھا۔

ابتدا میں دین مسیح کس طرح پھیلتا چلا گیا،حضرت مسیح کے تھوڑے ہی عرصے کے بعد تمام مغربی ممالک نے اس مذہب کو قبول کیا، دربار قیصر روم نے بھی بڑے ذوق وشوق کے ساتھ اس مذہب اپنایا، یہ مصر وغیرہ سے بڑھ کر افریقہ کے صحراؤں سے ہوتا ہوا شام وارض فلسطین میں داخل ہوگیا اور روز افزوں اس میں ترقی ہونے لگی، اس مذہب نے اگر کہیں قدم نہیں جما پایا تو وہ زرتشتی سلطنت تھی جو مشرق کی جانب نہایت مضبوط طریقے سے حد بندی کر رکھی تھی، یہاں دین مسیحی کے قدم کو جمنے نہیں دیا گیا۔

قدیم مذہب کے ماننے والوں کی قساوت قلبی کا تذکرہ کرتے ہوئے چھٹی صدی عیسوی کے احوال اور اس دور میں رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کی پیدائش کا ذکر کرتے ہوئے آپ کی تعلیمات دھیرے دھیرے کس طرح پورے جزیرۂ عرب میں پھیلی کہ تمام اہل عرب حکم رسول کے متبع ہو گئے اور اس سرزمین میں کلمۂ توحید کی آواز میں گونجنے لگی، آپ کی بعثت کے ساتھ ہی تمام تاجداران عجم بیک وقت چونک پڑے، اور اس آواز کو دبانے کے لئے تمام سرگرمیاں دکھائی جانے لگیں، ان تمام واقعات کو انھوں نے تفصیل سے ذکر کیا ہے، بعد ازاں مسلمانوں نے کس طرح روم وایران اور تمام براعظم افریقہ کو فتح کرتے ہوئے سواحل بحر مغرب تک پہونچ گئے۔اور اب یہ زمانہ آچکا تھا کہ مسلمان عیسائیوں کی تقدیر کے مالک بن گئے تھے۔ان کو یہ بات معلوم ہو چکی تھی کہ ان کا نبی ہمارے مقابلے یہودیوں کے تئیں زیادہ سخت ہیں، اور جب مسلمان کمانڈر فوجیں لے کر دشمنوں سے نبرد آزما ہونے کے لئے جاتے تو اس کا ہر خلیفہ اور بادشاہ اس بات کی تلقین

کرتا جس کو ان کے آقا حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمایا تھا، شرر اس کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

> ''مسلمان صرف اپنی حفاظت اور کلمۂ توحید کے رواج دینے کی غرض سے آگے بڑھے تھے۔ کوئی دنیاوی طمع یا خوں ریزی کا شوق یا متعصّبانہ جوش ان کے دل میں نہ تھا، یہ ہدایات کہ بارآور اور سایہ دار درخت نہ کاٹے جائیں، کھیتیاں پامال نہ کی جائیں، عورتیں، بچے، بوڑھے، اور ضعیف، مریض ہرگز نہ قتل کئے جائیں اور سب سے زیادہ تعصبی کی وضاحت اس حکم سے ہوتی ہے کہ وہ گوشہ نشین راہب اور مقتدایان دین مسیحی جو گرجوں میں عزلت گزیں ہوگئے ہیں ان پر ہرگز نہ تلوار بلند کی جائے، یہ نصیحتیں نہ تھیں بلکہ یہ واجب التعمیل احکام تھے، جن کو ہر مسلمان سپاہی اپنے بازو پر باندھ کے چلا تھا''(33)

اس اقتباس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ مذہب اسلام ہمیشہ سے ترحم اور درگذر کی تعلیم دیتا ہے۔

ان کے علاوہ بہت سارے واقعات کو بیان کیا گیا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کس طرح بنی حارث اور نجران والوں کی مال وعزت وعصمت کی حفاظت کی ذمہ داری لی، اور ان سے کہا کہ تم آزاد ہو جو چیزیں تمہارے پاس ہیں وہ تمہارے ہی قبضہ میں رہیں گی وغیرہ وغیرہ، اس کے بعد ابوبکر، عمر، عثمان، علی کے ساتھ ساتھ بنی امیہ اور خاندان عباسیہ وغیرہ کی خلافت کے احوال کو تفصیل کے ساتھ بیان کیا ہے اور ان کا رویہ عیسائیوں کے ساتھ کس طرح رہا، اس سے متعلق بہت سارے واقعات وحادثات کو پیش کیا ہے اور یہ بھی بتانے کی کوشش کی ہے کہ مسلمان عیسائیوں کے ساتھ کسی قسم کا بھید بھاؤ نہیں کرتے تھے بلکہ اگر ان میں کوئی تعلیم یافتہ یا دیگر علوم وفنون کا ماہر ہوتا تو اس کی قدر کرتے تھے شرر ایک جگہ لکھتے ہیں:

> ''بیت الحکمہ جو مسلمانوں کی ترقی علم کا پہلا سرچشمہ تھا، اس میں اکثر مترجم اور علما عیسائی تھے جن سے کبھی بوجہ مخالفت مذہب کے ناراضی نہیں ظاہر کی گئی بلکہ خاطر داری کا برتاؤ رہا ان میں سے بعض نے دین اسلام قبول کرلیا، اور بعض آخر تک عیسائی مذہب پر قائم رہے''(34)

اسی طرح شرر ایک اور تاریخی واقعہ کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

> ''خلفائے بنوامیہ میں سے ولید بن عبدالملک نے جامع دمشق کی تعمیر کے وقت ارادہ کیا

کہ ایک گرجے کو جو اس کے پڑوس میں تھا منہدم کر کے مسجد میں ملالے، اگرچہ ولید کوئی منصف مزاج خلیفہ نہیں مانا گیا ہے مگر اس کارروائی میں بھی اس نے مسیحیوں کی یہ رعایت کی۔ کہ اس گرجے کو ان سے مول لے لینا چاہا، عیسائی جس قدر قیمت طلب کرتے وہ دینے کو موجود تھا، مگر مسیحیوں نے شاہی رحم دلی کی بالکل قدر نہ کی اور صاف انکار کر دیا، جس پر ولید نے ناراض ہو کر حکم دیدیا کی وہ گرجا زبردستی توڑ کے جامع دمشق میں ملا دیا جائے۔ اس وقت مسیحی لوگ روپیہ لینے پر راضی ہوگئے مگر ولید کا مزاج برہم ہو چکا تھا ،اس نے ذرا پروانہ کی اور روپیہ دینے سے بھی انکار کر دیا۔ اور وہ گرجا بھی منہدم کرا کے مسجد میں شامل کر لیا۔ جو عیسائی طبائع اس واقعہ سے غضب آلود ہوئی ہوں گی۔ آخر خلیفہ عمر بن عبدالعزیز نے آنسو پوچھے اور حاکم دمشق کے نام فرمان جاری کیا کہ ولید نے گرجا کو توڑ کے جس قدر مسجد میں اضافہ کر لیا تھا وہ حصہ ڈھا دیا جائے اور عیسا یئوں کو اجازت دی جائے کہ وہاں اپنا گرجا بنالیں،، (35)۔

اس اقتباس سے شرر یہ بتانا چاہتے ہیں کہ مسلمانوں نے عیسائیوں پر غلبہ پانے کے بعد بھی ان کے ساتھ کس طرح پیش آتے تھے۔ شرر نے اس طرح کے بہت سارے واقعات وآثار کا ذکر اس کتاب میں کیا ہے۔ عیسائیوں کا برتاؤ مسلمانوں کے ساتھ کیسا تھا، اس سلسلے میں شرر یورپ کے احوال کا ذکر کرتے ہیں، کہ مسلمانوں نے اسپین میں کس طرح آٹھ سو برس حکومت کی اور وہاں پر عیسائی مذہب کے ماننے والوں کے ساتھ کیسی کیسی مراعات جاری کر رکھی تھیں، لیکن یہی عیسائی جب اسپین میں برسراقتدار ہوئے تو وہاں مسلمانوں کی اور ان کے معبد کے ساتھ کیسا برتاؤ کیا، اس کو تاریخ کبھی نہیں بھلاسکتی۔ لکھتے ہیں:

’’اس وقت غریب مسلمانوں کو کسی شہر کسی قریہ بلکہ کسی پہاڑ اور کسی جنگل میں بھی پناہ نہیں ملتی۔ مسیحیوں نے ملک بھر میں اپنی حکومت قائم کرنے کے لئے کسی مسلمان کو کبھی نہیں چھوڑا، جس کا نتیجہ یہ ہے کہ آج وہاں متنفس بھی نہیں جو خدائے واحد کا نام لینے والا ہو،،(36)

اسی باب میں شرر بلقاریہ سرویہ وغیرہ میں جو عیسائیوں نے ظلم اور قتل وخوں ریزی عزت وعصمت کی بے حرمتی کی اور ان کے علاوہ بہت سارے واقعات کا تفصیل کے ساتھ ذکر کیا ہے۔

''دین عیسوی ترقی کے اسباب،،نمبر2

اس باب میں شرر نے عیسائی مذہب کے فروغ کے اسباب وعوامل کو دلائل و براہین کی روشنی میں پیش کیا ہے۔اس بات کو بھی یاد دلایا ہے کہ حضرت مسیح کے بعد اس مذہب کے ماننے والے صرف مٹھی بھر اشخاص تھے وہ اس قدر پریشان اور عاجز تھے کہ بیت المقدس چھوڑ کر بھاگ گئے تھے، ایسا لگ رہا کہ دین مسیحی کا خاتمہ یقینی ہے مگر خدا کو اس دین مبارک کہ ترویج واشاعت مقصود تھی، چنانچہ چند اشخاص کے ذریعہ خدا نے دین مسیحی کو پوری دنیا میں پھیلا دیا،ان تمام وقعات کا پتا اس باب کے ساتھ چلتا ہے۔

اللہ کے اس برگزیدہ نبی کو صرف تین سال کی قلیل مدت نصیب ہوئی،جس میں بعثت،نبوت اور تبلیغ وغیابت تمام چیزیں شامل ہیں۔

شرر نے اس مذہب کی ترقی کے چھ اسباب بیان کرتے ہیں،یہی وہ اسباب وعلل ہیں جس کی وجہ سے اس میں مزید ترقی ہوتی چلی گئی۔

(1) دین یہود کا عام دنیا میں پھیلا ہونا اور ان کے آئین اور اصول مذہبی کا اس وقت کے تمام مہذب مما لک میں حیرت سے دیکھا جانا۔

(2) مسیحی مذہب کا آسان اور اس قابل ہونا کہ ہر مذاق وہر ملک اور قوم کے رسم ورواج کے سانچے میں ڈھل جائے۔

(3) ابتدائی زمانے کے عیسائیوں کی خالص وبے ریاللّٰہیت اور ان کے اخلاق وعادات کا مستقل اور غیر متغیر ہونا۔

(4) آئندہ زندگی کا کامل اور بےشبہ یقین۔

(5) عیسائیوں کا باہمی اتفاق۔

(6) ابتدائی کلیسا اور پہلے دور کے مسیحیوں کے کرامات وخوارق عادات، جو اس دنیا اور اس زمانے کے دل پر پوری گرفت رکھتے تھے‘‘(37)

ان چھ نکات کو شرر نے اس باب میں تفصیل کے ساتھ بیان کیا ہے۔

''مسیحیت کے مبتدعہ فرقے'' نمبر 3

اس باب میں شرر نے ان جدید فرقوں کے تعلق سے گفتگو کی ہے، جو اس زمانہ میں اسی مذہب سے نکلے اور پولوس کے پیرو کاروں پر غالب ہوتے چلے گئے۔اس میں ایک سب سے اہم فرقہ ''ناسٹک،، تھا۔ جو توراۃ کو کتاب الٰہی تسلیم نہیں کرتا تھا اور کہتا تھا کہ شریعت موسوی کبھی سچی تھی ہی نہیں۔اور آدم وحوا کو جنت سے نکالے جانے وغیرہ کو لغو قرار دیتا تھا،اس فرقہ کا عقیدہ انتہائی ظالمانہ تھا۔اور اس فرقے کا اصل ظہور شام ومصر سے شروع ہو کر روم ویونان تک پہنچ گیا۔

اسی طرح نقولس نامی یہودی پیدا ہوا جو انطاکیہ میں رہتا تھا۔اس نے بھی ایک نیا فرقہ پیدا کیا اور اس کا اصول تھا کہ انسان کو اپنے جسم پر مالک ومتصرف ہونے کے لئے ضروری ہے کہ حد درجہ کی شہوت پرستوں میں منہمک ومستغرق ہو جائے۔اور اس کے یہاں کسی قسم کی بدکاری وبدمعاشی ممنوع نہیں تھی۔

اسی طرح ایک فرقہ ،بیلیڈ نیر نامی شخص نے ایجاد کیا۔اس کا عقیدہ حضرت مسیح کے متعلق تھا کہ وہ خاکی جسم سے مبرا ومنزہ تھے۔اسی طرح طلسم وسحر کے جانب ان کی زیادہ دلچسپی تھی۔

انھیں جدید فرقوں میں ایک ویلن ٹائن نامی فرقہ بھی وجود میں آیا۔اس فرقے نے انجیل کے ظاہری معانی کو چھوڑ کر صوفیانہ اور باطنی معانی مراد لیتا تھا۔ایک فرقہ مارشن کے معتقدوں کا بھی تھا انھوں نے نئی انجیل مرتب کی اور توراۃ کی حقیقت کو مٹا دیا۔اس میں سب سے عجیب وغریب فرقہ اوفی ٹیون کا تھا۔اس کے پیرو کار سانپ کی پرستش کرتے تھے اور سانپ کو بڑا مظہر کامل تصور کرتے تھے۔اس فرقے میں بھی کئی فرقے وجود میں آئے اس کے علاوہ عیسائی مذہب میں کئی اور جدید فرقے وجود میں آئے،جس کی تفصیل شرر نے بیان کی ہے۔

''نمبر 4''

اس میں شرر نے کوئی عنوان نہیں دیا ہے بلکہ صرف نمبر چار لکھ کر اپنی بات چوتھی صدی عیسوی کے نائٹوں کو تباہ کرنے سے شروع کی ہے اور اس پورے باب میں شرر نے ''شاہ فرانس فلپ، کے ظالمانہ واقعات کو

بہت ہی تفصیل کے ساتھ بیان کیا ہے کہ کس طرح شاہ فرانس نے ٹمپلروں پر اپنی ظلم و بربریت کے ذریعہ ان کے ملک و دولت پر قبضہ جمالیا۔ اور دیگر یوروپین ممالک سے گذارش اور پیغامات کے ذریعہ جتنے ٹمپلر تھے، سب کو گرفتار کر کے اذیت ناک سزا دلوائی۔

’’نمبر 5‘‘

یہ باب بھی بلاعنوان ہے، اس میں شرر یورپ کے اس کھیل کی کھل کر مخالفت کرتے ہیں، جس میں انسانوں کی زندگی اور موت کا کھیل کھیلا جاتا ہے اس کا نام خونی پٹھا ہے، جس کو رومی زبان میں ’’گلے ڈی اے لٹر‘‘ کے نام سے جانا جاتا ہے۔ اس کھیل میں لوگ انسانوں کو کھلا پلا کر تیار کرتے ہیں اور ان کے ذریعہ مقابلہ کراتے ہیں، اس میں مقابلہ اس وقت تک چلتا رہتا جب تک کہ ایک فریق مر نہ جائے۔

شرر نے اس کھیل کے ذریعے پورے یورپین ممالک کو بہت برا بھلا اور وحشت زدہ انسان سے تعبیر کیا ہے، جو آج آ کر ہمیں تہذیب وثقافت اور مساوات انسانی اخوت کا درس دیتے ہیں، آج وہی اپنے سامنے بڑے شوق سے اس خونی کھیل کو دیکھ کر لطف اندوز ہوتے ہیں۔ ان پورے واقعات کو تمام جزئیات کے ساتھ شرر نے بالتفصیل بیان کیا ہے۔

’’نمبر 6‘‘

اس باب میں بھی شرر نے عنوان نہیں لکھا ہے، بلکہ مجرد نمبر 6 لکھ کر اپنی بات شروع کر دی ہے۔

شرر اس باب میں لوگوں کے اختلافات کو ذکر کرنا چاہتے ہیں، چنانچہ اس کی شروعات انھوں نے قرآن کے اس واقعہ سے کی ہے، جب اللہ فرشتوں سے پوچھتا ہے کہ میں دنیا میں مخلوق پیدا کرنا چاہتا ہوں تو فرشتے وہاں فتنہ وفساد اور خوں ریزی کا ذکر کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ ان کی پیدائش سے حالات بہتر نہیں ہوں گے، لیکن جب ان کے رب نے کہا کہ جو میں جانتا ہوں وہ تم نہیں جانتے، تو سب خاموش ہو گئے اور اطاعت بجالائی۔ اس واقعہ کا ذکر کر کے شرر نے اس دور کے مناظروں کا ذکر کیا ہے، جو عیسائی مذہب کے ماننے والے دوسروں سے کرتے تھے۔ اور دوسروں کو مغلوب کر کے اپنی عظمت بڑھانے کی کوشش کرتے تھے۔ ان تمام حالات کا ذکر اس باب میں کیا گیا ہے۔

’’تماشائے معجزات‘‘

آخر کا باب تماشائے معجزات کے عنوان سے قائم کیا ہے اور شرر نے اس میں کوئی نمبر نہیں ڈالا ہے۔

اس باب میں شرر نے عیسائیوں کے معجزات کو بیان کیا ہے، ایسے معزات جس کو دنیا کھیل اور تماشا سمجھتی ہے، اسی لیے اس کا نام بھی اسی مناسبت سے رکھا ہے۔

عیسائی اپنے مذہب کی تشہیر وترویج کے مختلف طریقہ اپنائے، یہاں تک کہ تھیٹر و ڈرامہ کا سہارا بھی لیا۔

شرر نے بہت سارے واقعہ کا ذکر کیا ہے، نوح کی کشتی اور اس کشتی کے ذریعہ اپنے مذہب کی تبلیغ ترویج کیسے کی اس کی بھی تفاصیل بیان کی ہے۔ اس کتاب کو پایہ تکمیل تک پہونچانے کے لئے شرر نے بہت ساری کتابوں کا مطالعہ کیا اور ان کی خاک چھانی ہے، ان کتابوں کی تفصیل جس کا بیان شرر نے خود کیا ہے۔ وہ مندرجہ ذیل ہیں۔

توراۃ، انجیل،

کتھلیک بلیف، جوزف ناڈی برونو،

تاریخ کلیسائے مسیحی، ڈی گلبن،

تاریخ دین عیسوی، مل مین،

تاریخ عہد جدید، فلپ استمھ ،

ان کے علاوہ بہت ساری کتابوں کا شرر نے دوران تحریر مطالعہ کیا ہوگا، اس کتاب میں شرر نے انھیں کتابوں کا حوالہ دے رکھا ہے۔ جن کی تفصیلات اوپر دی گئی ہیں۔

عصر قدیم

اس کتاب کے سرورق پر یہ عبارت تحریر ہے۔ ’’عہد سلف کی ایک مختصر اور جامع تاریخ جس میں ابتدائے تخلیق عالم سے ولادت حضرت مسیح تک کے واقعات بیان کئے گئے ہیں‘‘

یہ کتاب 192 صفحات پر مشتمل ہے، اس کی اشاعت 2007 میں اریب پبلیکیشنز، پٹودی ہاؤس دریا گنج، نئی دہلی سے ہوئی ہے۔ یہ کتب بارہ ابواب پر مشتمل ہے۔

ان ابواب کی تفصیلات بعد میں بیان کی جائیں گی۔ پہلے اس بات کا ادراک ضروری ہے کہ آخر شرر کو اس تاریخی کتاب لکھنے کی ضرورت کیوں پیش آئی؟ وہ کیوں ایسی کتاب لکھ رہے ہیں، جو قدیم الایام سے متعلق ہے؟ ان تمام سوالات کا جواب شرر نے خود اپنے مقدمے میں ''ضروری التماس'' کے نام سے تحریر کیا ہے۔اس میں ذکر کرتے ہیں:

''ہم مسلمانوں کو یقین ہے کہ تاریخی ذخیرہ جتنا ہم نے فراہم کیا ہے اور ہمارے پاس ہے کسی اور کے پاس نہیں، یہ بے شک سچ ہے مگر اب ہم تاریخ میں بالکل بے بصیرت ہوگئے ہیں، ہمارا جو کچھ اصلی ذخیرۂ تاریخ ہے، عربی میں ہے۔ اور ہندوسان کے مسلمان روز بروز بے بہرہ ہوتے جاتے ہیں،قطع نظر اس کی تھوڑی بہت واقفیت جو اپنے موجود لٹریچر سے ہمیں حاصل بھی ہوسکتی ہے، وہ زمانہ اسلام تک محدود ہے، اسلام سے پیشتر کے حالات سے ہم بالکل ہی نا آشنا ہیں اور سخت ضرورت تھی کہ اردو میں ایک ایسی مختصر اور جامع تاریخ مدون و مرتب ہو۔جس میں حضرت رسالت سے پہلے اور قدیم الایام کے حالات و واقعات اسی طرح سلجھا کے بیان کئے گئے ہوں، کہ اس کے مطالعہ سے تاریخ قدیم کا صحیح خاکہ اردو داں طلبہ کے دماغ میں محفوظ ہوجائے۔ اگرچہ یہ کام بہت دشوار تھا، مگر میں نے باوجود اپنی علمی بضاعتی کے اسے اپنے ذمہ لے لیا۔اور یہ مختصر تاریخ بہ ادب تمام ہم وطنوں کے سامنے پیش کرتا ہوں''(38)

شرر نے اس اقتباس میں مسلمانوں کی تاریخ سے بے رغبتی اور بے بہرہ ہونے کا الزام لگایا ہے کہ آج ہم اور ہمارے بچے کس قدر اپنے اسلاف اور قدیم تواریخ کو پس پشت ڈال دیئے ہیں۔اس کی طرف ہمیں مائل ہونے کی ضرورت کا احساس دلا رہے ہیں اور ان جیسے حساس موضوعات پر قلم اٹھاتا ''جوئے شیر'' کے مترادف ہے۔لیکن شرر نے اس جوکھم کو اپنے کندھوں پر اٹھایا اور اس کو پایۂ تکمیل تک بھی پہونچایا، اب ہم قارئین اور ناقدین کو یہ طے کرنا ہے کہ شرر اپنے اس تاریخی مشن میں کس قدر کامیاب ہوئے۔ یا ان سے کچھ کوتاہیاں رہ گئیں جو بعد میں آنے والا مورخ پورا کرے گا۔ایک طرف تو اس قسم کی تاریخ مرتب کرنا بہت ہی

مشکل ہے، اس وقت اور مشکل ہو جاتا ہے جب اس سلسلے میں مصنف کی پہلی پیش رفت ہو، اور شرر اس بارے میں بیان کر چکے ہیں کہ اردو زبان میں اس موضوع پر ہمارے ادب میں کوئی کتاب موجود نہیں ہے، شرر نے مواد کہاں سے حاصل کیا یہ بھی ایک اہم سوال ہے۔ انھوں نے کیسے اس کتاب کو پایۂ تکمیل تک پہونچایا، شرر خود لکھتے ہیں:

''اس بارے میں مجھے انگریزی زبان کی ''لینڈ مارکس، ہسٹری'' بہت پسند آئی، جس میں تخلیق عالم کے آغاز سے لے کے اسرائیلیوں، مصریوں، اسیریا اور بابل والوں، ایرانیوں، یونانیوں، رومیوں اور قرطاجنہ والوں کے حالات نہایت ہی خوش اسلوبی کے ساتھ بلحاظ زمانہ مرتب کر کے اور خوب سلجھا کے بیان کر دیئے گئے ہیں۔ لیکن اس کا بعینہ ترجمہ کر دینا مناسب نہ تھا کیونکہ اس میں بہت سی باتیں مسلمانوں کے مذاق و معتقدات کے خلاف ہیں، چنانچہ میں نے بجائے ترجمہ کر دینے کے اس بات کو زیادہ مناسب سمجھا کہ واقعات اپنی زبان میں لے لیے جائیں، کتب آسمانی کی تحریف کی وجہ سے جو غلطیاں ہوتی ہیں ان میں مناسب اصلاح و ترمیم کر دی جائے مگر ترتیب وہی قائم رکھی جائے۔ میں نے اس میں اتنی اور زیادتی کی کہ سنین کا حساب بجائے اس کے کہ ولادت مسیح سے رکھا جائے ولادت سرور کائنات محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے قائم کیا، تاکہ ہر واقعہ کی نسبت مسلمانوں کو بخوبی ذہن نشین ہو سکے کہ آغاز اسلام سے کتنے دنوں پیشتر تھا'' (39)

مذکورہ بالا اقتباس میں شرر نے ان تمام چیزوں کو واضح کر دیا ہے کہ کہاں سے انھوں نے مدد لی اور ان کا مقصد کیا تھا؟ جو تحریفات وغیرہ تھیں ان کو بھی دیگر تواریخ اور اسلام کی صحیح تصویر سے موازنہ کر کے اس کی سچی تصویر پیش کر دیا ہے۔ یہ تاریخی کتاب ''عصر قدیم'' کو شرر نے بارہ ابواب پر منقسم کیا ہے۔

پہلا باب:

اس باب میں حضرت نوح کا ذکر کرتے ہوئے ابراہیم اسماعیل اور ان کے خاندان کا احوال بیان کرتے ہیں کہ کس طرح یہ دجلہ وفرات سے ہوتے ہوئے مکہ معظّمہ پہونچے۔ دوسری فصل میں ملک مصر اور اسحاق علیہ السلام

وغیرہ کا ذکر کرتے ہوئے اہرام مصر، اور ''ابوالہول'' وغیرہ کا تذکرہ کرتے ہیں۔ تیسری فصل میں ففیقین اور چوتھی میں سلطنت بنی اسرائیل کا تذکرہ تفصیل سے کیا ہے۔ اور ان میں ہر ایک کے رہن، سہن رسم ورواج اور عبادت وریاضت کا بھی ذکر کیا گیا، ہے شرر ففیقیوں کی عبادات اور ان کے جاہلانہ رسم ورواج کے بارے میں لکھتے ہیں:

''ففیقیوں میں بدترین قسم کی کی بت پرستی تھی۔ وہ بعل کو اپنا سب سے بڑا دیوتا مانتے تھے، منجملہ ان کے دیگر دیوتاؤں کا ایک ملوج تھا، جس کو دنیا میں آسمانی سیارے زحل کی مورت تصور کرتے اور اس پر اپنے دودھ پیتے بچوں کو بھینٹ چڑھایا کرتے، اس دیوتا کی ایک بڑی بھاری برنجی مورت تھی جس کی آغوش میں دونوں ہاتھوں کے درمیان ایک توا سا تھا اور اس کے نیچے ایک بھٹی تھی جس میں آگ سلگتی رہتی معصوم شیر خوار بچوں کو اس توے پر لے جاکے رکھ دیتے، جس پر سے تڑپ کے وہ نیچے بھٹی پر گر جاتے اور دم بھر میں جل بھن کے خاک ہوجاتے'' (40)۔

اس طرح کے بے شمار واقعات اور ان کے رسوم ورواج کو شرر نے اس کتاب میں جگہ دی ہے۔

دوسرا باب:

اس باب میں شہر نینوا اور کس طرح دجلہ وفرات آرمینیا کے پہاڑوں سے ہوکر نکلتی ہیں اور کس طرح جام بن نوح کے پوتے اور اس قبیلہ کے سردار آشور نے دریائے دجلہ کے کنارے شہر نینوا کو بسایا تھا، اس کا رقبہ، اس کی اینٹ ان تمام چیزوں کو تفصیل سے اس فصل میں بیان کیا ہے۔

دوسری فصل میں ''بابل'' کے بارے میں ہے کہ کس طرح نینوا کے زوال کے بعد شہنشاہ اسیریا نے نیا مرکز بابل کو بنایا، اس کی تفصیلات اور اس شہر کی خوبصورت عمارتوں، نہروں، حوضوں وغیرہ کا ذکر کیا گیا ہے۔

تیسرا باب:

اس میں کرے سوس کی تباہی اور اہل بابل کو اپنے شہر کی عمارتوں اور ہریالی وسرسبزوشادابی پر جو غرور و گھمنڈ تھا، وہ سب کس طرح تباہ وبرباد ہوگئے، ان تمام احوال کی تصویر کشی کی گئی ہے۔

اس کے بعد سائرس کے جانشینوں کے احوال 1100 قبل محمد سے 1078 قبل محمد تک بیان کئے گئے ہیں۔

چوتھا باب:

اس باب میں مملکت یونان کا مذہب اور جن دیوی دیوتاؤں کی پرستش کرتے تھے اس کی تفصیل اور شہر ٹرائے کے محاصرے کا ذکر بیان کرتے ہیں۔اس کے بعد اہل یونان کے عادات واطوار کو بیان کرتے ہوئے شہر اسپارٹا، اثینیہ کے حالات کو پیش کرتے ہیں۔پھر یونان کی دیگر ریاستوں اور اس کی نو آبادیوں وغیرہ کا ذکر تفصیل کے ساتھ بیان کرتے ہیں۔

پانچواں باب:

اس باب میں یونان پر ایرانیوں نے کس طرح چڑھائی کی، اور جو معرکہ ان کے درمیان رونما ہوئے، جیسے معرکہ مراٹھوں، معرکہ تھرموپی لے اور کیخسر وں کی شکست وغیرہ کو اپنے تاریخی بیان کے ساتھ قلم بند کیا ہے۔

چھٹا باب:

اس میں ریاست یونان کے جو پے لو یون اور شیاوالون کے درمیان کئی جنگوں کے احوال کا ذکر کیا گیا ہے، اس کا ذکر کیا ہے۔اس کے بعد سقراط اور فلسفۂ یونان کا بیان، پھر کس طرح اہل یونان اپنی کھوئی ہوئی عظمت اور جاہ وجلال نیز بزرگوں کی تعلیم وتربیت، کو دوبارہ حاصل کرنا چاہتے تھے۔اور اسی باب میں سقراط کی ولادت اس کی تعلیم وتربیت اس کا فلسفیانہ خیالات واعتقادات وغیرہ کا بھی ذکر کیا گیا ہے۔

ساتواں باب:

شہنشاہی مقدونیہ اور فیلقوس کا بیٹا سکندر اعظم کس طرح سے تخت وتاج کا مالک ہوتا ہوا فلسطین اور مصر وغیرہ کو مغلوب کرتا ہوا ہندوستان کی جانب قدم بڑھاتا ہے اور پھر اس کی وفات ہوجاتی ہے، ان تمام حالات واقعات کا ذکر تفصیل کے ساتھ اس باب میں کیا گیا ہے۔

آٹھواں باب:

چار شاخوں پر مشتمل ہے کس طرح سکندر کی وفات کے بعد اس کے بچے کی پیدائش ہوتی ہے بچے کا ولی پیرڈک کاس'' سلطنت کو چار حصوں میں منقسم کر دیتا ہے۔تھریس، مصر، شام اور ایشیائے کوچک'' اور ان چار بڑی ریاستوں کو سکندر کے چار سپہ سالاروں کو گورنر مقرر کر دیتا ہے، اس کی پوری وضاحت تفصیل اس باب میں بیان کی گئی ہے۔

نواں باب:

رومیوں کی فتح ایطالیہ سے متعلق ہے اس میں رومیوں کا دیومالا ،شہر روم کی بنیاد، تارکوئین لوگ، جمہوریت، روم کی اگلی لڑائیاں، گالیا والے ایطالیہ میں کس طرح داخل ہوئے اس کے بعد پرہوس وغیرہ کی چڑھائی، ان تمام موضوعات کوشرر نے علمی اور تاریخی معلومات کے ساتھ پیش کیا ہے۔

دسواں باب:

اس میں قرطاجنہ کی لڑائیوں کا زمانہ ان کے احوال نیز قرطاجنہ اور سراقوس کے احوال وغیرہ کا ذکر کرتے ہوئے ،قرطاجنہ کی پہلی لڑائی ،قرطاجنہ کی دوسری لڑائی اور اس کے انجام وغیرہ پر بحث کی گئی ہے۔

گیارہواں باب:

اس باب میں دولت روم کا عروج و اقبال ان کی دولت عظمت کی بیش بہا شانداریوں کا ذکر کرتے ہوئے اہل مقدونیہ سے لڑائی ، یہودیوں پر ظلم وستم اور یونان کا مکمل طریقے سے فاتح ہو جانے کے احوال وواقعات کو تاریخی حقائق کے ساتھ بیان کیا گیا ہے۔ساتھ ہی ساتھ قرطاجنہ کی تیسری جنگ کے حالات وغیرہ کو بھی تفصیل کے ساتھ قلم بند کیا گیا ہے۔

بارہواں باب:

اس میں رومیوں کی پولیٹکل پارٹیالوں کے احوال ۔مثلاً گراق چی کا زمانہ ان کی طاقت وقوت ،ان کے احوال، اطوار اور اسی طرح ماریوس، سی لا، پوم پے ای، پولیوس قیصر، پہلا اتحاد ثلاثہ دوسرا اتحاد ثلاثہ، الطّونی اور قلوبطرہ، اوغسطوس قیصر، وغیرہ کے احوال اور ان کی حیثیات کا ذکر کیا گیا ہے۔

اس کتاب کوشرر نے بہت ہی آسان اور سلیس زبان میں تحریر فرمایا ہے، ایک ادنی طالب علم کو ان کی عبارت بآسانی سمجھ میں آسکتی ہے یہ کتاب اپنے اندر معلومات کا ذخیرہ سموئے ہوئے ہے، تاریخ سے دلچسپی لینے والا طالب علم یا عام قاری قدیم الایام کی بہت ساری معلومات اس کتاب کے مطالعہ سے فراہم کر سکتا ہے۔

اس کتاب کو لکھتے وقت شرر نے عربی تلفظات کا خاص خیال کیا ہے، انھوں نے انگریزی زبان کو ہماری تاریخ اور اس کے اسماء وغیرہ کو مسخ کرنے اور ظلم وستم کا پہاڑ توڑنے اور بہت ساری ناانصافیاں کرنے کا الزام

عائد کیا ہے۔اس کتاب میں شرر نے قدیم مصر اور یورشلم وغیرہ کے قدیم واقعات کو بیان کیا ہے۔ یہ سب واقعات حضرت مسیح کے پیدائش سے پہلے کے ہیں۔ان کی پیدائش کے بعد دنیا میں ایک نیا انقلاب رونما ہوا۔

اس سلسلے میں شرر کہتے ہیں:

میرا خیال ہے کہ یونانیوں اور رومیوں نیز سلف کے تمام ناموں کو جس قدر انگریزی غارت کرتی ہے دنیا کی کوئی زبان نہیں بگاڑتی۔(41)

اس میں شرر نے عربوں کے مذاق کا تتبع کیا ہے۔

اسی طرح شرر نے جہاں اہل یونان وروم اور دیگر اقوام عالم کی ترقیاں ان کے محاسن اور ان کی خوبیوں و خامیوں کا ذکر کیا ہے وہیں ان کا ایک مقصد یہ بھی ہے، تاکہ قوم کے افراد ان واقعات وحادثات کا مطالعہ کر کے ان کامیابیوں کو اپنی زندگی میں بروئے کار لانے کی مکمل سعی کریں اور قوم ومعاشرے کو ترقی کے راستے پر قائم ودائم رکھیں نیز ان میں جن واقعات وحادثات سے اقوام وملل کو خاطر خواہ نقصان اٹھانا پڑا ہے اس کتاب کے مطالعے سے جو بہتر چیزیں ہمیں حاصل ہوں ان کو اختیار کرلیں اور نقصان دہ چیزوں کو چھوڑ دیں۔شرر کا مقصد بھی یہی تھا کہ جو غلطیاں ماضی میں ہم سے سرزد ہو چکی ہیں ان سے ہماری قوم محتاط رہے۔

تاریخ یہود:

شرر کی اس تاریخی کتاب کو بعض لوگوں نے ''تاریخ ارض مقدس'' اور ''مسیح اور مسیحیت'' کے نام سے بھی شائع کر رکھا ہے۔لیکن حقیقت میں یہ سب ایک ہی کتاب ہیں۔شرر اپنی کتاب ''تاریخ یہود'' کے سرورق پر لکھتے ہیں، ''ضخیم ومبسوط تاریخ ارض مقدس'' کا حصہ اولین، جس میں بنی اسرائیل کی تاریخ آغاز سے انجام تک پوری آگئی ہے خود ایک مستقل تاریخ ہے''

یہ کتاب 1925 میں دلگداز، پریس لکھنؤ محلّہ کٹرہ بزن بیگ خان سے شائع ہوئی۔ یہ کتاب 252 صفحات اور 17 ابواب پر مشتمل ہے اور اسکے ابواب فارسی زبان میں دیئے گئے ہیں اور ہر ایک عنوان کے ساتھ ذیلی عناوین کا ذکر بھی کیا گیا ہے اس کتاب کو شرر نے قیام حیدر آباد کے دوران تحریر کی تھی لیکن نواب وقار الأمراء کی وفات کے بعد حالات بہتر نہ ہونے کی وجہ سے اس وقت یہ شائع نہ ہو سکی تھی، شرر نے اردو قارئین

کوارض مقدس کی پوری تاریخ سے روشناس کرایا ہے اور ساتھ ہی ساتھ یہودیوں اور دین مسیح کے پیروکاروں میں جو انبیاء تشریف لائے، ان سب کے حالات کو بہت ہی مستند اور تاریخی حقائق کے ذریعہ پیش کیا ہے، اس تاریخ کو شرر نے بڑی آسان اور سلیس زبان میں لکھی ہے تا کہ عام قاری کو اس کے سمجھنے میں کسی قسم کی دقت اور دشواری نہ پیش آئے، مندرجہ ذیل کے سطور میں ابواب کے بیان کے ساتھ ساتھ ذیلی عناوین کا بھی اختصار کے ساتھ ذکر کیا جائے گا۔ بیان کے ساتھ ساتھ ذیلی عناوین کا بھی اختصار کے ساتھ ذکر کیا جائے گا۔

باب اوّل:

بنی اسرائیل کا دور اولین

اس باب میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی ہجرت اور آپ کے سفر مصر، ارض فلسطین اور اس کی تاریخی اہمیت نیز بیت المقدس کا خطہ، اور اس کا دینی تقدس اور اس کی حفاظت اس کو اپنے تحویل میں رکھنے کے لئے جو خوں ریز جنگیں ہوئی ہیں، ان سب کا ذکر کیا گیا ہے، اس کے بعد حضرت ابراہیم کی وفات اور ان کے اہل وعیال کے احوال، اس کے بعد بنی اسرائیل قوم مصر میں کیسے پہونچتی ہے، حضرت موسیٰ کی ولادت اس قوم کی آزادی اور ان کی شان وشوکت کے احوال شرر نے قلم بند کئے ہیں۔

اس کے بعد حضرت موسیٰ علیہ السلام کی وفات اور پھر بنی اسرائیل کس طرح ارض مقدس پر دوبارہ قابض ہوتے ہیں اور ان کی حکومت کا آغاز ہوتا ہے، ان تمام پہلوؤں کو شرر نے تفصیل کے ساتھ بیان کیا ہے۔

باب دوم:

قاضیوں کا دور اور ایک بادشاہ کا انتخاب

اس باب میں شرر نے قاضیوں کا عہد اور ان کے انقلابات کے ساتھ ساتھ اس وقت اسرائیلیوں کی قومی ترقی اور ان کی توحید پرستی پر بت پرستی کے اثرات نیز حضرت شموئیل کی ولادت، اسرائیلی مقتداؤں کے اندر سیاہ کاری، فلسطین و بنی اسرائیل میں جنگی تصادم اور اس میں اسرائیلیوں کی شکست فاش، تابوت سکینہ کا چھن جانا، اس کی دوبارہ واپسی حضرت شموئیل کی اصلاح اور ان کی تبلیغ کے بعد دوبارہ اہل فلسطین کی شکست، اسرئیلیوں کا امپیریلزم اور بادشاہوں کے انتخابات کا طریقہ وغیرہ تفصیل سے بیان کیا گیا ہے۔

باب سوم:

سلطنت بنی اسرائیل تا وفات حضرت داؤد علیہ السلام

اس میں طالوت کا ذکر کرنے کے ساتھ ساتھ اسرائیلی سلطنت کا نشونما، طالوت کا گناہ، اہل فلسطین پر فتح اور اس کے بعد حضرت داؤد کا ابتدائی دور، طالوت کا حضرت داؤد سے حسد، آپ کا عروج اور شہزادی سے شادی آپ کے ساتھ طالوت کی دشمنی، آپ کی غریب الوطنی اور صحرا نوردی، اس کے بعد آپ کی سلطنت، بیت المقدس کو دار السلطنت بنانا اور ساتھ ہی ساتھ بیت اللہ بنانے کی آرزو وغیرہ کا ذکر اس باب میں بیان کیا گیا ہے۔

باب چہارم:

حضرت سلیمان کا عہد اور بیت المقدس میں مسجد اقصیٰ کی تعمیر

اس باب میں حضرت سلیمان کی سلطنت، بیت المقدس کی تعمیر، اس کا نقشہ اور ساتھ ہی ساتھ اس کی افتتاح اور حرم الحرام میں کسی کو نہ جانے کی جرأت وغیرہ کا بیان اس باب میں پوری تفصیل سے کیا گیا ہے۔

باب پنجم:

سلطنت بنی اسرائیل کی تقسیم اور شمالی سلطنت کا زوال۔ اس میں رجعم بن سلیمان کا عہد اور ان کے درمیان پھوٹ، حکومت ونبوت میں مفارقت، بت پرستوں سے قرابت حاکم شورون کی حکومت اور اس کے خاتمہ کا ذکر کیا گیا ہے، اس کے بعد بنی اسرائیل کسی طرح دس سبطوں سے محروم ومعدوم ہوگئی۔ اس کا ذکر کیا گیا ہے۔

باب ششم:

بیت المقدس کی تباہی اور یہود کی آخری اسیری

یہ باب بیت المقدس کی تباہی اور یہود کی آخری اسیری پر مشتمل ہے۔ اس میں بیت المقدس کے اندیشہ ناک حالت، اس سخاریب کا حملہ، اشوریا والوں کی تائید وآگہی بعینہ اسی طرح جیسے کعبۃ اللہ کو ابرہا کے ہاتھوں سے بچایا گیا، بت پرست قوموں پر تائید آگہی کا اثر بنی اسرائیل اس تائید کے مستحق نہ تھے، بیت مقدس کی

پولٹکل حالت، بخت نثر فرمانروائے مصر کا پہلا حملہ، اس کا دوسرا زبردست حملہ، بیت المقدس کا عبرتناک محاصرہ، اس پر دھاوا اور قتل عام، مسجد اقصیٰ یعنی ہیکل سلیمانی کا انہدام دونوں اسرئیلی سلطنتوں کے فرمانرواوں کی فہرست، بنی اسرائیل کی آخری اسیری، ان کی مصر اور بابل کی اسیری میں فرق، مدت اسیری ان تمام نقاط پر شرر نے تاریخی حوالوں کے ذریعہ بست و تفصیل کے ساتھ گفتگو کی ہے۔

باب ہفتم:

دولت عجم کے ماتحت یہودی اماموں کا زمانہ

اس باب میں سائرس کی پالیسی، حضرت دانیال، یہودیوں کی وطن واپسی کی اجازت، عازمین وطن کا پہلا قافلہ، وطن کی حالت، مسجد اقصی کی تعمیر و ترقی، اہل شومرون سے سخت دشمنی، دوسرے قافلے کی واپسی حضرت عزراء کے ساتھ، تیسرے قافلے کی واپسی تخمینا کے ساتھ، اس کے بعد شہر کی تعمیر و ترقی، معبد کی درستی کے ساتھ ساتھ شرع موسوی کی تجدید، گم شدہ تورات کی تلاش اور اس کا مل جانا، مجموعہ توارۃ کی تکمیل، توحید کا استقلال اور شرک و بت پرستی سے اجتناب، یہودا اور یوحنا جیسے اماموں کا خاص حرم کے اندر قتل، ان تمام عناوین پر شرر نے تفصیل کے ساتھ اس کتاب میں ذکر کیا ہے۔ جس سے اس وقت کی مکمل صورت حال اور ان یہودیوں کی نقل و حرکت کا مکمل اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔

باب ہشتم:

عہد اسکندر اعظم سے یونانیوں کے آخری دور تک

اس باب میں سکندر اعظم میں شام میں کس طرح پہونچا، اس کا کس طرح استقبال کیا گیا، سکندر پر امام یہودا کیا اثر ہوا؟ بیت المقدس میں سکندر کا داخلہ، اہل شومرون کی بدقسمتی، سکندر کا جانشین، بیت المقدس پر بطلمیوس کا حملہ، عرض یہودا پر سلاطین مصر و شام کی جولان گاہ، شمعون امام عادل یہودا، انطیوقس اور بطلمیوس کی لڑائیاں، بطلمیوس بیت المقدس میں، اس پر حرم کا رعب، اس شہر میں انطیوقس کی حکومت، یہود پر یونانی معاشرت کا اثر، حرم کے بعض قیمتی ظروف عبادت کا بکنا، حرم الحرام میں اپلیوس دیوتا کی مورت، یہودی کو اپنے رسوم ادا کرنے پر سزائیں ملنا مگر بعض توحید پرستوں کا اس پر استقلال، یہ مذکورہ بالا عناوین کو شرر نے آٹھویں باب کے تحت تفصیل سے بیان کیا ہے۔

بابِ نہم:

آزادی کے لئے بنی اسرائیل کی کوششیں یونانی شاہان شام کے عہد میں

اس باب میں بنی اسرائیلیوں کا نگہبان صرف خدا ہی رہ گیا تھا اور ساتھ ہی ساتھ کس طرح خاندان اسمونی اور مکابی کا آغاز ہوا۔ ان کے لقبوں کے مشہور ہونے کی وجہ، مناتھیاس، اس کا مذہبی جلال، یوم السبت کی لڑائی کا جائز ہونا، جابجا نئے نئے معبد کی تعمیر، یہودا مکابی اس کی فتوحات، شام کا یونانیوں پر حملہ، یہودا کی کمزوری اور پریشانی، سچے حامیان ملت کے سوا سب اسرائیلوں کا فوج سے اخراج، یونانیوں کی پہلی شکست، دوسری اور تیسری شکست، نقصان عظیم، سلطنت شام کا دوسرا حملہ اور پھر شکست، یہودا مسجد اقصیٰ کے کھنڈروں کے تعمیر و ترقی و درستگی، یہودا مکابی کی پالیسی اور اس کی نافرمانی کی سزا، انطیوقس کی نامرادی و موت، یوپاتور بادشاہ شام کا ارض یہودا پر زبردست حملہ، یونانیوں کی دغابازی اور ان کی شکست، سلطنت شام کا شمعون پر حملہ اور شکست، شمعون کا دغابازی سے مارا جانا، ایک یہودیہ کا ایثار نفس، انطیوقس کی رحم دلی، صلح اور ارض یہودا پر بادشاہ شام کا قبضہ، فارسیوں کا سلطنت شام پر قبضہ، ارض یہودا کی آزادی، ان تمام موضوعات کو شرر نے تفصیل کے ساتھ بیان کیا ہے۔

باب دہم:

خاندان اسمونی کی خودسر و آزاد حکومت۔

اس میں ہرقانوس کا عروج اور شہر سخیم کے بت خانہ کا انہدام۔ مصر و شام کی تباہ حالت، اسرائیلی قلمرو کی سرسبزی، حکومت اودوم اور اس کے مذہب کا خاتمہ، ہرقانوس کی فرنسیسیوں سے مخالفت، ارسطوبولوس شاہ یہودا کا خاندان والوں پر مظالم، اطوریہ کی فتح، جواں مرد بھائی کو دغابازی سے قتل کرانا، ارسطوبولوس کی عبرت ناک موت، سکندر کا مصر میں داخلہ مصریوں کے مکر و فریب سے بچ کر نکلنا، شماریہ پر حملہ، اس ملک پر یہود کا قبضہ، شماریہ کو تالاب کی شکل میں تبدیل کر دینا، سکندر کی شکست اور اس کی موت وغیرہ کے احوال کو بیان کیا گیا ہے۔

باب یازدہم:

خاندان اسمونی کا زوال ہے۔اور دونوں بھائیوں کی باہم لڑائی۔

اس باب کے تحت اسکندر ملکہ ارض یہودا، صدوقیون پر ظلم وستم، ملکہ کا بیٹا بلوس صدوقیوں کا حامی و مددگار، ملکہ کا نہایت مناسب فیصلہ، اسکندر کی وفات، دونوں بھائیوں ارسطو یولوس اور ہرقانوس میں لڑائی، ارسطو یولوس کی فتح، ہرقانوس کی تخت وتاج سے دست برداری، دوبارہ لڑائی میں ارسطو یولوس کو شکست دے کر مسجد اقصیٰ میں محصور کر دینا، پومپے کا عرب پر حملہ کرنے کا ارادہ، پومپے ارض یہودا میں، بیت المقدس پومپے کے حوالے اور حرم الحرام پر پومپے کا قبضہ، دونوں بھائیوں کے درمیان صلح وصفائی اور ہرڈو کا خود بادشاہ بن جانا، ارض جلیل پر قبضہ کرنا، بیت المقدس پر حملہ اور ناکامی پھر ارسطوبولوس کی بہن مریم سے ہرڈو کی شادی اور پھر بیت المقدس پر مکمل قبضہ وغیرہ ان تمام موضوعات پر شررنے تاریخی حقائق کا سہارا لے کر تفصیل کے ساتھ بیان کیا ہے۔

باب دوازدہم:

ہروڈ شاہ ارض یہودا کا عہد

اس باب میں ہروڈہ شاہ کے زمانے کے اہم واقعات، حضرت مسیح کی ولادت، ہروڈ کے کارنامے، قحط زدوں کی امداد، قلم رو ارض یہودا کی توسیع، شہر قساریہ کو آباد کر کے رومیوں کو آباد کرنے کی مصلحت، یہود کی ہروڈ سے بدگمانی، مسجد اقصیٰ کی تعمیر، اس عہد کی مسجد اقصیٰ کی شان وشوکت، قدیم اور جدید حالات کا مقابلہ، حضرت عیسیٰ کی ولادت اور ہروڈ کی موت وغیرہ کو اس باب میں تفصیل کے ساتھ بیان کیا گیا ہے۔

باب سیزدہم:

ارض یہودا پر رومیوں کا تسلط اور اسرائیلی حکومت کا خاتمہ

اس باب میں ہروڈ کی وصیت، بیت المقدس پر والی شام کا قبضہ، یہود کی برہمی، ارکالیوس اور اس کا بھائی انطی، ارکالیوس کی نالائقی اور تخت سے معزولی، ارض یہودا پر دولت روم کا قبضہ اس کے بعد ارکان ونشست وغیرہ کی ترتیب ورکنیت کے شرائط، اجلاس کی وضع، اس مجلس اور روسی والی کے متمایز اقتدارات، رومی عقابی جھنڈا بیت المقدس میں، یہود پر اس کا اثر، روسی جھنڈے کی واپسی، حضرت مسیح کی تبلیغ، پونطیو کی معزولی، قیصر روم دیوتا بمشابہ ہیکل سلیمانی میں اس کی مورت رکھنے کی تجویز اور پھر ناکام کوشش، اس کے بعد یہودیوں کا

جذبہ توحید جاگنا، لیکن اس کے بعد ناکامی کا منھ دیکھنا اور پھر مورت کا رکھا جانا رومیوں کی خوشی کا ٹھکانا اور ساتھ ہی ساتھ یہود حکومت کے خاتمے کے احوال وواقعات کو اس باب میں ذکر کیا گیا ہے۔

باب چہاردہم:

یہود کے زوال کا سبب اور اس کی بنا

حاکم ومحکوم قوموں کی عداوت، یہود پر مظالم کا آغاز، قیصر روم کی مہربانی، ایک یہودی کلکٹر، قومانوس کلکٹر اس کا ظلم، بیت المقدس اور سماریہ والوں میں دوبارہ دشمنی، یہودیوں کا باہمی نفاق، قیساریہ میں یہودیوں پر ظلم، البانیوس کے مظالم، تباہی کے غیر معمولی آثار، اسرائیلی مجذوب، قیساریہ سے فساد کی ابتدا، فلوروس کلکٹر، کمزور کے غصے کا انجام، فلوروس کا خزانہ حرم کو لوٹنے کی خواہش، بیت المقدس پر اس کا حملہ اور مظالم، خانہ حرم توڑنے کی کوشش، اور ناکامی گورنر شام کے دربار میں فریاد، اس کے نائب کا بیت المقدس میں یہویوں کے ساتھ ہمدردی وغیرہ کا ذکر اس باب میں کیا گیا ہے۔

باب پانزدہم:

رومیوں کی فوج کشی اور ارض فلسطین کی حمایت میں یوسفوس کے کارنامے

باغیوں کا سرغنا ایلیز، پھر ان کی اصلاح کی کوشش، باغیوں کی فتح، سارے شہر پر باغیوں کا قبضہ، قیساریہ کے یہودیوں پر اعلانیہ ظلم اور ہر جگہ ان کی قتل وخونریزی، شمعون کی عبرناک سرگذشت، بیت المقدس پر غالیوس کا حملہ اور رومیوں کی شرمناک شکست، یوسف اور انانوس، یوسفوس حاکم جلیل، تاریخی مقابلے کے اس کی تیاریاں اور بیت المقدس میں اس کے خلاف سازشیں، یوسفوس کی مستعدی وہوشیاری، پانی حاصل کرنے کی تدبیریں، یوسفوس کی پرجوش تقریر، سخت معرکہ، نئے نئے تدابیر، رومیوں کے فتح کی ابتدا قتل وخونریزی، رومی سردار انطونیوس کا قتل، یوسفوس کی کمین گاہ، فوجی افسر سے اس کا پیغمبر بننا، اس کی پیشین گوئی، ان تمام عناوین کو شرر نے تفصیل کے ساتھ بیان کیا ہے۔

باب شانزدہم:

بیت المقدس کا محاصرہ اور اس میں خوفناک قحط

اس باب میں رومیوں کا بیت المقدس پر غلبہ، اور ان کے باہمی اختلافات اور ساتھ ہی ساتھ بیت المقدس کی حالت، یوحنا، شمعون، اور یہود کی مجموعی طاقت وقوت اور ان کے ناکام حملے کا بھی ذکر کیا گیا ہے۔اس کے بعد دشمنوں کے روکنے کا بندوبست، رومی منجنیقیں، یہود کا ناکام حملہ، ان کی طرف سے پیام صلح اور دغا بازی، شہر کے نشیبی حصوں پر رومیوں کا قبضہ، قحط کی سختیاں، قحط کے خوفناک نتائج، یہودیوں کا دوست اور دشمن دونوں کے ہاتھوں قتل ہونا، رومیوں کے کیمپ میں سرنگ، یہودی سردار کی شجاعت، یہودیوں کا رومی منجنیق کو تباہ کرنا اور ان کو شکست فاش دینا، ان تمام احوال اور جنگی منظر نامے کو شرر نے تاریخی حقائق کے تناظر میں پیش کیا ہے۔

باب ہفت دہم:

بیت المقدس کی آخری تباہی اور یہود کا حسرت ناک زوال

اس باب میں تباہی کا دن، حرم میں آگ لگنے کا واقعہ اور وجہ، حرم کے اندر خونریزی، حرم پر شعلے برسانے کا منظر نامہ، آتش زدگی کی ہیبت ناک صورت، ہر طرف خونریزی اور قتل وغارت گری، آکرہ کا محاصرہ اور اس کا مفتوح ہونا، برج مسمار کرنا، یوحنا اور شمعون کا انجام، وہاں کے سردار ایلیزر کی خودکشی، یہودیوں کی تباہی کا مرثیہ، بیت المقدس کا نیا نام ایلیا، اس میں بت خانے اور چند عیسائیوں کو رہنے کی اجازت، بیت اللحم کے دروازے پر سور کی مورت اور اس کا نام مٹا دینے وغیرہ کو تفصیل کے ساتھ اس باب میں ذکر کیا ہے۔

شرر نے اس کتاب میں سن وغیرہ کا ذکر نہیں کیا ہے، بلکہ واقعات وحادثات کو بہت ہی تسلسل کے ساتھ بیان کرتے ہوئے چلے جاتے ہیں اور اگر تاریخ یہود کا کوئی واقعہ قرآن وسنت سے متضاد ہوتا ہے، تو اس کا ذکر کرتے ہیں اور قرآن وحدیث کے ذریعے اس کی سچائی کو ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔مثلا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی سولی پر چڑھنے کا واقعہ عیسائیوں کی تحریف شدہ تمام کتابیں اس بات پر متفق ہیں کہ آپ ہی کو سولی دی گئی۔لیکن قرآن اس کی تردید کرتا ہے، شرر قرآن کی آیت پیش کرتے ہیں ''وماقتلوہ وماصلبوہ......الخ''۔

شرر نے اس تاریخ کو لکھنے کے لئے جن کتابوں سے مدد حاصل کرتے ہیں اس کا ذکر ہر صفحہ کے حاشیہ میں

کرتے ہیں، لیکن کتاب کے نام پر اکتفا کرتے ہیں، صفحات اور سن اشاعت وغیرہ کا کوئی تذکرہ نہیں کرتے ۔شرر نے تاریخ یہود میں جن مصنفین اور مورخین سے فائدہ اٹھایا ہے، ان کے اسماء مندرجہ ذیل ہیں:

دی سٹی آف ہروڈ اینڈ سلادین مصنفہ والٹر رینٹ اور الپر

تاریخ یہود، ایچ، ایچ ملین

سیرۃ ابن ہشام

انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا، ابن اثیر

تاریخ فلسطین، گینج

ان کے علاوہ اور دیگر اسلامی تواریخ اور قرآن وسنت کو بھی ملحوظ خاطر رکھا اور جہاں بھی اسلام سے یہودیوں کی فکر اور ان کا تحریف شدہ مذہب متصادم ہوا فوراً اس کی اصلاح کی تا کہ شرر کے قارئین اوہام وخرافات سے گمراہ نہ ہو سکیں۔

تاریخ خلافت:

شرر کی یہ تاریخی کتاب اصلاً 28 صفحات کا ایک مضمون تھا، جس کو انھوں نے خلافت عثمانیہ کے خاتمے پر تحریر کیا تھا، یہ کتاب لکھنؤ پریس دلگداز سے 1923 میں شائع ہوئی، سقوط خلافت سے جہاں تمام ہندوستانی بالخصوص مسلمان دل برداشتہ تھے، وہیں شرر کے اندر اس کا حزن وملال کچھ زیادہ ہی تھا۔ انھوں نے اس کتاب میں خلافت راشدہ سے خلافت عثمانیہ تک کا ذکر کیا ہے اور خلافت کا آغاز ربیع الاول 11 ھ سے لے کر 1910ء تک کے حالات کو بہت ہی اختصار اور چابکدستی سے یکجا کر دیا ہے، شرر اپنی اکثر وبیشتر تحریروں میں اپنے آبا واجداد کے محاسن اور ان کے فضائل وخصائل پر ہمیشہ فخر محسوس کرتے ہیں اور جب اپنی قوم کے شیرازہ کو بکھرتے ہوئے دیکھتے ہیں تو اپنے اسلاف کے کارنامے اور ان کی اچھائیوں کو ذکر کر کے قاری کے اندر جوش اور ولولہ پیدا کرنا چاہتے ہیں۔ جس وقت خلافت کا خاتمہ ہوا، پورا عالم اسلام غم واندوہ کی حالت میں تھا، شرر اس کی عکاسی کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''اس زوال خلافت کو دنیائے اسلام نے اتنا محسوس نہ کیا ہوگا جتنا فی الحال اہل اسلام

اس صدمے سے خون کے آنسو بہا رہے ہیں''(42)۔

اس کتاب کو لکھنے کا محرک بھی خلافت کا خاتمہ ہی تھا۔ جب خلافت ختم ہوئی تو شرر نے محسوس کیا کہ خلافت کی مختصر تاریخ رقم کی جائے تاکہ عام قاری کو معلوم ہو سکے کہ خلافت کا آغاز کب ہوا؟ اس کی ترقی کے کیا اسباب تھے؟ اور اس کا خاتمہ کیسے ہوگیا؟ ان تمام سوالات کے جوابات کو شرر نے اس کتاب میں واضح کیا ہے۔شرر اپنی اس کتاب میں خلافت راشدہ کے دور اولین کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''خلافت کا یہ دور اولین جو حضرت حسین رضی اللہ عنہ پر ختم ہوا، خلافت راشدہ کہلاتا ہے، اس لئے کہ ان بزرگوں نے کمال نیک نفسی و پابندی شرع سے دین الٰہی کی خدمت کی اور چوں کہ حضرت رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ میرے خلفاء راشدین کی پیروی کرو، لہٰذا یہ پانچوں محترم جانشین حصیر نبوت مسلمانوں کے عقیدے میں خلافت راشدین تسلیم کیے گئے''(43)۔

شرر نے اس کتاب میں خلفائے راشدین تک اپنا موقف انتہائی عالمانہ اور غیر جانبدار ہو کر بیان کیا ہے لیکن جیسے ہی وہ خلافت بنوامیہ وعثمانیہ پر آتے ہیں تو ان کی ہر چیز پر ہمدردی اور جذباتی لگاؤ کا اندازہ واضح ہونے لگتا ہے۔

اس کتاب کا اہم مقصد شرر کا مسلمانوں کے اندر بیداری پیدا کرنا اور ان کی عزت وحشمت کی پامالی کا احساس دلا کر ان کے اندر اتحاد پیدا کرنا ہے، اس کتاب میں بعض خامیوں کے ساتھ ساتھ شرر پر جانبداری کا الزام بھی عاید کیا جاتا ہے اگر ہم ان باتوں کو ادبی ناحیہ سے دیکھیں تو ان کی خامیوں کو تسلیم کیا جاسکتا ہے۔ لیکن اگر قاری ان کی اس تاریخی کتاب کو ایک مصلح کی حیثیت سے مطالعہ کرے تو اس کے سامنے یہ تمام خامیاں بونا نظر آنے لگتی ہیں۔

صقلیہ میں اسلام:

شرر کی یہ کتاب جزیرۂ صقلیہ (سلی) کی مختصر تاریخ پر منحصر ہے، شرر نے اس کو دلگداز 1917ء میں قسط وار شائع کیا ہے، اس کے بعد یہ دلگداز پریس لکھنؤ سے تین بار شائع ہوئی۔ یہ نسخہ طبع سوم ہے، جو 1929 میں لکھنؤ سے ہی شائع ہوا، اس کی اہمیت کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ یہ کتاب کس قدر معتبر اور

مقبول تھی 103 صفحات پر مشتمل ہے۔ اور شرر نے اس کتاب کو عنوانات دے کر لکھ رکھا ہے، مندرجہ ذیل عنوان پر یہ کتاب مشتمل ہے۔

مسلمان کب اس سرزمین پر آئے؟

کب انہیں فتح نصیب ہوئی؟

اور کس طرح ان کے عہد کا خاتمہ ہوا؟

ان سوالات کا جواب اور ان کی پوری تفصیل شرر نے اس تاریخی کتاب میں رقم کیا ہے، یہ جزیرہ بہت ہی خوبصورت، سرسبز و شاداب اور بارونق تھا۔ اس شہر میں مسلمانوں کی عظمت رفتہ کی نشانیاں ماند پڑ گئیں۔ شرر انھیں کھوئے ہوئے وقار و عظمت کو پانے کے لئے ان کے اندر ہمت اور حوصلہ پیدا کرنے کی کوشش کر رہے تھے۔ شرر اس تاریخی جزیرے کے بارے میں لکھتے ہیں:

''آج کل یہ جزیرہ دولت ایطالیہ کے قبضے میں ہے جس سلطنت کو اب سواحل افریقہ پر دست درازی کرنے کی جرأت ہوگئی'' حالانکہ جس عہد کی سرگزشت ہم منہدم مساجد کے کھنڈروں سے سن کر سناتے ہیں، اس زمانے میں خود مملکت ایطالیہ مسلمانان افریقہ کی الوالعزمیوں کی جولان گاہ تھی'' (44)۔

ایک سوال سب کے ذہن و دماغ میں ہمیشہ گردش کرتا ہے کہ آخر شرر کیوں صرف مسلم تواریخ ہی کو زیادہ مطمح نظر رکھتے ہیں، تو اس کا جواب پہلے ہی صفحات میں بیان کر دیا گیا ہے کہ جس وقت انگریز ہندوستان پر قابض تھے، وہ ہمیشہ مسلمانوں کی تواریخ اور ان کی شجاعانہ اہمیت کو مسخ کرنے کی بھر کوششیں کر رہے تھے اور کسی حد تک کامیاب بھی ہوئے،، لیکن شرر نے بھی اپنی کوششوں کے ذریعے ان کے اس سیاہ ہتھکنڈے کو ناکام کرنے میں پوری زندگی صرف کر دی اور بہت حد تک اس میں وہ کامیاب بھی ہوئے۔

اس کتاب کے اخیر میں شرر لکھتے ہیں:

''یہ تھی جزیرۂ صقلیہ کہ مختصر تاریخ جس میں عربی سطوت قائم ہوئی، بڑھی، جنوبی ایطالیہ تک پھیلی اور آخر باہمی اتفاق خودسریوں اور بدتنظیموں سے گھٹنا شروع ہوئی، یہاں تک

کہ گھٹتے گھٹتے بالکل فنا ہوگئی، مسلمانوں نے صقلیہ میں ہزاروں مسجدیں بنالی تھیں، سیکڑوں حمام قائم کیے تھے، صدہا قلعے بنائے تھے اور خدا جانے کتنے ایک بڑے بڑے عالیشان قصر وایوان تعمیر کیے تھے۔ مگر جب ان نالائقی کی سزا میں خدا نے اپنا عہد پورا کیا کہ جولوگ اپنی حالت کو بدلتے ہیں۔ ہم بھی ان کی حالت بدل دیتے ہیں اور ان کے عروج وزوال کا کہیں پتہ نہ تھا اور اس دور کی عظمت کا نام ونشان بھی نہ باقی تھا۔ جس کے دونوں رخوں کی تصویریں یہ ہیں کہ ابن جبیر اندلسی نے اپنے سفر میں یہ حالت پائی تھی کہ سارے جزیرے میں کوئی جگہ مسجدوں سے خالی نہ نظر آتی تھی اب یہ حالت ہے کہ وہاں نہ کسی مسجد کا پتہ ہے نہ مسلمانوں کے آنے رہنے اور حکومت کرنے کی کوئی یاد گار کہیں نظر آ سکتی ہے''(45)۔

شرر کے اقتباس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ مسلمانوں کی تباہی و بربادی پر تمام کر رہے ہیں اور اسی کے ذریعے اپنی قوم کو بشارت اور اتحاد کا درس بھی دے رہے ہیں کہ اتحاد ہی میں کامیابی ہے۔

جس طرح شرر نے اپنی باقی تاریخی کتابوں میں جن سے استفادہ کیا ہے، اس کا حوالہ دیا ہے، لیکن اس کتاب میں حوالہ جات کا ذکر نہیں کیا ہے، عین ممکن ہے، انھیں تاریخی کتابوں سے شرر نے مدد لی ہوگی۔

تاریخ اسلام:

شرر کی یہ کتاب ان کی تمام تاریخی کتابوں میں سب سے ضخیم اور اہم تصور کی جاتی ہے، عبدالحلیم شرر بذات خود دلگداز کے صفحات پر متعدد بار اس بات کی خواہش کا اظہار کر چکے ہیں۔ کہ اگر وقت نے ان کا ساتھ دیا تو وہ ضرور ''تاریخ اسلام'' تحریر فرمائیں گے، ان کی خواہش اس وقت پوری ہوئی جب آخری بار انھیں حیدرآباد طلب کیا گیا تو نواب حیدرآباد نے ان سے اس خواہش کا اظہار کیا تھا کہ آپ حیدرآباد میں قیام کر کے دولت آصفیہ کی تاریخ تحریر فرمائیں، شرر اس کے لئے راضی بھی ہوگئے لیکن اس کے بعد نہ جانے کس وجہ سے انھوں نے اپنا ارادہ منسوخ کر دیا۔ اور شرر سے کہا کہ اب ''تاریخ اسلام'' تحریر کیجئے۔ تاریخ اسلام کو لکھنے کے لئے شرر لکھنؤ تشریف لے آئے اور یہیں رہ کر تقریباً پانچ سال کے طویل میں مکمل کیا۔ شرر کو

سلطنت دکن کی جانب سے پانچ سو روپیہ ماہوار وظیفہ بھی مقرر کر دیا گیا تھا، شرر اس کتاب کو اپنی پوری زندگی کا سرمایۂ حیات تصور کرتے ہیں۔ اس کو لکھنے کے لئے شرر نے بہت دلسوزی اور عرق ریزی سے کام لیا اور اس کے لئے انھوں نے مغربی، یورپی، عربی، ایرانی مورخین کا بنظر غائر مطالعہ کیا، اس کتاب کی تکمیل میں وہ جن مورخین کا حوالہ دیتے ہیں ان کے اسماء کچھ اس طرح ہیں:

سرسید، شبلی، سلیمان ندوی، حبیب الرحمان خان شیروانی، مسعودی، ابو الفدا ء، ابو الفرج، ابن اثیر، شہرستانی، ابن ہشام، طبری، ابن خلدون، واقدی، بلاذری، سیوطی، ہنیری، اسٹوب، موسیو رینا، امیر علی، گبن، ولیم راجرس، وغیرہ قابل ذکر ہیں۔

ان کے علاوہ دیگر مورخین کا مطالعہ شرر نے کیا ہوگا، جس کا ذکر اس کتاب میں نہیں کیا ہے۔ یہ کتاب تاریخ اسلام، دو جلدوں پر محیط ہے، کچھ مورخین نے تین جلدوں کا ذکر کیا ہے لیکن وہ بات صحیح نہیں ہے۔

یہ دونوں جلدیں دار الطبع عثمانیہ حیدرآباد دکن سے شائع ہوئیں'' پہلی جلد 1925ء اور دوسری جلد 1926ء میں شائع ہوئی۔ تاریخ اسلام کی پہلی جلد عہد رسالت تا عہد فاروقی پر مشتمل ہے اور یہ 510 صفحات پر محیط ہے۔ اس میں چار ابواب ہیں اور ہر ابواب کے ضمن میں فصلوں کا ذکر کیا گیا ہے اور اسی کے تحت عناوین موجود ہیں۔ مثلاً:

باب اول:

ملک عرب اس کی وضع حالت اور تاریخ جاہلیت۔ اس باب کے تحت تین فصلوں کا ذکر کیا گیا ہے، پہلی فصل میں عرب کی وضع قطع اس کا جغرافیہ اور اسلام سے پہلے کے مذاہب وغیرہ کا بیان ہے۔ اسی طرح دوسری فصل میں عرب کے رہنے والے اور ان کی قدیم تاریخ کا ذکر کیا گیا ہے۔ تیسری فصل میں آل اسماعیل ظہور اسلام سے پہلے ان کی نسلیں ان کے حالات وغیرہ کا جائزہ لیا گیا ہے۔

باب دوم:

حالات حضرت خاتم الانبیاء علیہ التحیۃ والثناء کے عنوان سے لکھا گیا ہے اس باب کے تحت آٹھ فصلوں کا ذکر کیا گیا ہے پہلی فصل میں ولادت سے ہجرت کے احوال۔ دوسری فصل میں آغاز 5ھ سے صلح حدیبیہ تک

کے واقعات کوقلمبند کیا گیا ہے۔ چوتھی فصل صلح حدیبیہ کے بعد سے سریۂ موتہ تک کے احوال پر مشتمل ہے۔ پانچویں فصل سریۂ ذات السلاسل سے عمرۂ جعرانہ تک کے حالات بیان کئے گئے ہیں، چھٹی فصل غزوۂ تبوک اور نبوت کی کامیابیاں تک کے احوال پر مشتمل ہے، ساتویں فصل میں حجۃ الوداع اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات تک کے حالات بیان کئے گئے ہیں، آٹھویں فصل آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی وتعلیم پر مشتمل ہے۔

باب سوم:

عہد صدیق اکبر کے حالات اس میں سات فصلوں کے تحت آپ کے کارنامے اوراحوال کا ذکر کیا گیا ہے۔

پہلی فصل میں حضرت ابوبکر صدیق کی خلافت اور مرتدوں کی شورش کے واقعات کا ذکر کیا گیا ہے۔ دوسری فصل میں مدعیان نبوت اور مرتدوں کا استیصال اور تیسری فصل میں وہی مدعیان نبوت اور مرتدوں کا استیصال وغیرہ کا تفصیل کے ساتھ جائزہ لیا گیا ہے چوتھی اور پانچویں فصل میں عراق وفارس پر جو حملے کئے گئے، ان کے احوال اور کامیابیوں کا ذکر بہت تفصیل سے بیان کیا گیا ہے، چھٹی فصل میں ملک شام پر یلغار اور حضرت صدیق اکبر کی وفات کے تذکرے موجود ہیں، ساتویں فصل میں حضرت ابوبکر صدیق اوران کے عہد پر ایک نظر ڈالی گئی ہے۔

باب چہارم:

یہ باب حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے نام سے معنون ہے۔اس میں اکیس فصلیں ہیں۔ان میں حضرت عمر اوران کے کارنامے اورفتوحات وغیرہ کا تفصیل سے ذکر کیا گیا ہے۔پہلی فصل جناب فاروق کے بیعت اور فتح اردن وشام کے عنوان کے تحت موجود ہے، دوسری فصل سے لے کر اٹھارویں فصل میں آپ کے دوران حکومت جوفتوحات ہوئے ان کا ذکر کیا گیا ہے مثلاً جنگ یرموک، فتح انطاکیہ وحلب، فلسطین وبیت المقدس، فتوح عراق ، یوم العماس ، یوم الاغواث، فتح قادسیہ ، ساسانی، فارس وجزیرۂ ہمدان ، آذربائیجان، کوہ قاف، کرمان، کردستان، مصر، طرابلس وغیرہ کی لڑائیوں اوران کے احوال پر مشتمل ہے۔ انیسویں فصل میں حضرت عمر فاروق کی شہادت کا ذکر کیا گیا ہے، اس کے بعد بیسویں فصل میں حضرت عمر فاروق کی سیرت پر تفصیل کے ساتھ بحث کی گئی ہے اوراکیسویں فصل میں فاروقی سیاست وتمدن کے احوال کا

بیان موجود ہے۔

تاریخ اسلام کی دوسری جلد حضرت عثمان کے عہد سے لے کر حضرت حسن مجتبیٰ تک کے احوال پر مشتمل ہے۔ دوسری جلد میں عبدالحلیم شرر نے ابواب کی استمراریت کو قائم و دائم رکھا اور اس کی ابتداء پانچویں باب سے ہوتی ہے۔

باب پنجم:

عہد خلافت عثمانی کے عنوان سے قائم کیا گیا ہے۔ اس باب کے ضمن میں نو فصلوں کا ذکر کیا گیا ہے۔ پہلی فصل میں حضرت عثمان کی جانشینی، آپ کے عہد کے ابتدائی حالات اور واقعات کا بیان ہے۔ دوسری فصل میں مسجد حرم سے مسجد نبوی کی توسیع تک کے حالات درج ہیں۔ تیسری فصل میں مختلف واقعات اور مخالفت وغیرہ کا ذکر کیا گیا ہے۔ چوتھی اور پانچویں فصل میں نیر دجرو کے مارے جانے اور ابن عامر کے کارنامے کے ساتھ ساتھ دیگر فتوحات اسلام اور حضرت عثمان کے مخالفین کا ذکر کیا گیا ہے۔ چھٹی فصل خلافت عثمانی کے آخری پر شورش ایام پر مشتمل ہے، ساتویں فصل میں بلوائیوں کی شورش کا ذکر ہے، آٹھویں فصل میں حضرت عثمان کی شہادت کے واقعات کا ذکر کیا گیا ہے اور نویں فصل میں حضرت عثمان کے حالات زندگی کا خاکہ پیش کیا گیا ہے۔

باب ششم:

حضرت علی مرتضی کے نام سے معنون ہے اور اس باب کے تحت پندرہ فصلیں ذکر کی گئی ہیں، پہلی فصل آپ کے ہاتھ پر بیعت کے سلسلے میں ہے، دوسری فصل میں بصرے پر حضرت عائشہ کے تسلط کے عنوان سے بیان کیا گیا ہے، تیسری فصل میں مدینے سے حضرت علی کی روانگی، کوفہ پر قبضہ اور لڑائی سے قبل کے واقعات و حالات بیان کئے گئے ہیں، چوتھی اور پانچویں فصل میں قتال جنگ جمل، طلحہ و زبیر کی شکست نیز جنگ جمل کا اختتام و انجام ذکر کیا گیا ہے، چھٹی فصل میں جنگ جمل اور جنگ صفین کے درمیان کا زمانہ بیان کیا گیا ہے۔ ساتویں اور آٹھویں فصل میں جنگ صفین کے ابتدائی مرحلے اور معرکے کے ساتھ ساتھ صفین کے قیامت خیز معرکے کا ذکر کیا گیا ہے۔ نویں فصل میں جنگ صفین کا انجام اور دسویں فصل میں پنچائیت کا

فیصلہ اورخوارج کے ہنگامہ کا ذکر کیا گیا ہے، گیارہویں اور بارہویں فصل میں شام پر چڑھائی کرنے کی کوشش، خوارج نہروان کا استیصال، محمد بن ابوبکر کا مصر میں مارا جانا اور بصرے میں ابن حضرمی کے ہنگامہ وغیرہ کو بیان کیا گیا ہے۔ تیرہویں فصل میں خریت اور خوارج سے لڑائیاں اور حضرت معاویہ کے حملے حضرت علی کی قلمرو پر، چودہویں فصل میں عہد مرتضوی کے آخری ایام اور آپ کی شہادت کے احوال بیان کئے گئے ہیں۔ پندرہویں فصل حضرت علی کے حالات اور خصائل وفضائل پر مشتمل ہے۔

باب ہفتم:

یہ باب حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہ کے نام سے مذکور ہے۔ یہ پانچ فصلوں پر مشتمل ہے۔ پہلی فصل سند امامت پر جانشینی اور آپ کا خلافت سے دست بردار ہونے پر مشتمل ہے، دوسری فصل میں زیاد کا بنی امیہ میں شامل ہونا اور خوارج کے بعض ہنگامے کا ذکر کیا گیا ہے۔ تیسری فصل میں خوارج کی ایک سخت شورش کا استیصال ہے۔ چوتھی فصل میں حضرت حسن کی مبارک زندگی اور آپ کا آخری زمانہ کس طرح گزرا، ان واقعات کو قلم بند کیا گیا ہے، پانچویں فصل میں آپ کی مبارک زندگی اور آپ کے حسب ونسب کا ذکر کیا گیا ہے۔

تاریخ اسلام کی دوسری جلد صفحہ نمبر 511 سے شروع ہوکر 942 پر ختم ہوتی ہے۔ اس کے بعد شرر نے کتاب کے اخیر میں ایک دو صفحہ کا ایک چارٹ تیار کیا ہے، اس کا نام غلط نامہ، تاریخ اسلام جلد دوم رکھا ہے، اس میں شرر نے ان غلطیوں کی نشاندہی کی ہے، جو دوران کتابت کتاب کے اندر واقع ہوئی ہیں ان کی اصلاح اور اس کا صفحہ نمبر بھی درج کیا ہے۔ یہاں ایک نکتہ عرض کر دینا مناسب معلوم ہوتا ہے کہ بہت سارے مورخین نے اسلام کی تاریخ میں بنوامیہ اور عباسیہ وغیرہ کی خلافت کو بھی شامل کیا ہے، لیکن شرر کی اس کتاب کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ شرر اسلام کی تاریخ حضرت حسن رضی اللہ عنہ تک ہی تسلیم کرتے ہیں، اسی طرح تاریخ اسلام کے ادوار کو شاہ ولی اللہ محدث دہلوی خلافت راشدہ تک ہی محدود رکھتے ہیں، انھیں کے نقش قدم پر چلتے ہوئے شرر نے بھی عمل کیا ہے۔

تاریخ نگاری میں شرر اپنا لب ولہجہ بالکل واضح رکھتے ہیں اور جو بھی اختلافی مسائل ہوتے ہیں، اس پر

اپنا موقف بے باکی سے بیان کر کے آگے بڑھ جاتے ہیں، اس میں طوالت اور بے جالفاظی سے پرہیز کرتے ہوئے نظر آتے ہیں، یہ کتاب قاری کے لئے بہت ہی سہل ہے، اس میں کسی قسم کی پیچیدگی نہیں پائی جاتی، تاریخ کے طالب علم کے لئے بہت اہم ہے، اس کے مطالعہ کے بعد شرر کی محنت اور کدو کاوش کا اندازہ ہوتا ہے۔ بعض جگہوں پر وہ اپنے مورخ والے روپ سے نکل کر انشائیہ والا لب ولہجہ اختیار کر لیتے ہیں لیکن اس بات کا بھی خیال رکھنا ہے کہ آخر یہ تاریخ کب لکھی گئی، اس وقت ملک کے کیا حالات تھے۔ انگریز مسلم اقوام کے تئیں کیا تصور رکھتے تھے، ان تمام پہلوؤں اور گوشوں کو بھی قاری کو اپنے ذہن ودماغ میں رکھ کر اس تاریخ کو مطالعہ کرنے کی ضرورت ہے۔

گذشتہ لکھنؤ:

شرر نے بہت ساری تاریخی کتابیں لکھیں، جو مختلف موضوعات پر مشتمل ہیں، اسی دوران ہندوستان کا ایک علاقہ جہاں سے شرر کا تعلق بھی تھا، وہاں کی تہذیب ومعاشرت اور اس کے احوال کا ذکر بہت ہی تفصیل سے کرتے ہیں اور کئی سال تک اپنے رسالہ دلگداز میں ''مشرقی تمدن کا آخری نمونہ'' ''گذشتہ لکھنؤ'' کے عنوان سے تحریر کرتے ہیں اور یہ سلسلہ کئی سالوں تک چلتا رہا۔ جو عوام وخواص دونوں میں بہت ہی مقبول رہا۔ اس کی مقبولیت اس قدر تھی کہ شرر کے پاس بہت سے خطوط آتے تھے اور اس کو ایک جداگانہ کتاب کی حیثیت سے مرتب کرنے کا مطالبہ کر رہے تھے اور کئی جلدوں کے خریدنے کا وعدہ بھی کر چکے تھے۔ لیکن شرر کو اس بات کا احساس تھا کہ ابھی بہت سارے گوشہ تحریر میں لانے باقی ہیں۔

شرر کے یہ مضامین بعد میں کتابی شکل میں مرتب ہو کر منظر عام پر آئے، یہ مضامین چار سال تک دلگداز میں قسط وار شائع ہوتے رہے۔ اسے قارئین نے بہت شرف وقبولیت سے نوازا بھی۔ اس کا مکمل نام ''ہندوستان میں مشرقی تمدن کا آخری نمونہ یعنی گذشتہ لکھنؤ ہے'' یہ کتاب متعدد بار مکتبہ جامعہ سے شائع ہوئی، لیکن ہمارے پیش نگاہ جو کتاب ہے، اس کی سن اشاعت 2011ء ہے۔ اس کتاب میں شرر نے ابواب وغیرہ کی کوئی پابندی نہیں کی ہے۔ بلکہ کتاب کو 53 حصوں میں تقسیم کیا ہے اور ان میں صرف نمبر دیئے گئے ہیں، اس کتاب کا تعارف رشید حسن نے تحریر فرمایا ہے، اس میں انھوں نے شرر کی زندگی کے مختلف گوشوں پر

گفتگو کی ہے۔شرر نے اس کتاب میں لکھنوی تہذیب وتمدن کو زندہ کرنے کے ساتھ ساتھ تاریخ اور ادب وغیرہ کا بھی حسن امتزاج پیش کیا ہے، جہاں انھوں نے شجاع الدولہ کے عہد سے لے کر آصف الدولہ اور اس کے بعد نوابین اودھ وغیرہ کے احوال اور ان کی شاہی شان وشوکت کو بہت خوبصورت انداز میں پیش کیا ہے، مزید لکھنؤ کی عمارتوں اور وہاں کی تہذیب وتمدن، موسیقی ،شعروشاعری، کھان پان، لباس اور طرز زندگی، الغرض انسانی زندگی سے متعلق تمام احوال اور منظر نامہ کو اپنی انشائیہ پردازی اور مورخانہ انداز میں خوب صورت لب ولہجہ کے ذریعے آراستہ وپیراستہ کیا ہے،اس میں تاریخ وحقیت پسندی کا خوبصورت امتزاج بھی دیکھنے کو ملتا ہے، اس کتاب میں شرر،لکھنؤ کی معاشرت اور اس کی نفاستوں کو بہت ہی خوبصورت انداز میں پیش کرتے ہیں، ان کی تحریروں کے چند نمونے بطور مثال پیش کردینا مناسب سمجھتا ہوں تاکہ قاری کے سامنے اس کی نفاست ولطافت آشکار ہوسکے، آپ لکھنؤ کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

’’یہی حال لکھنو کا ہوا، جب لوگوں کو ملک گیری وصف آرائی سے فرصت ملی اور میدان جنگ میں کھڑے ہونے کا حوصلہ نہ رہا تو جنگ جوئی کے جذبات نے جانوروں کو لڑا لڑا کے جاں بازی اور خوں ریزی کا تماشہ دیکھنے کا مشغلہ پیدا کیا، یہ شوق تو یوں تھوڑا بہت سب جگہ ہے مگر اس میں جس قدر انہماک اہل لکھنؤ کو ہوا اور ان بےنتیجہ بلکہ سنگ دلی کی دلچسپیوں کو ان لوگوں کو جس درجہ کمال کو پہونچا دیا، اور مقامات کے لوگوں کے خواب وخیال میں بھی نہ گزرا تھا اور اگر غور سے دیکھیے تو تسلیم کرنا پڑے گا کہ اس شوق اور ان مشاغل کے جیسے کرشمے اور دلکش تماشے سواد لکھنؤ میں دیکھے گئے، دہلی یا ہندوستان کا کوئی دربار درکنار غالبا.ساری دنیا کے کسی شہر میں نہ دیکھے گئے ہوں گے‘‘(46)

مندرجہ بالا اقتباس سے عبدالحلیم شرر نے لکھنؤ کی زوال آمادہ تہذیب کو اجاگر کرنے کی سعی کی ہے۔ آپ نے گذشتہ لکھنؤ میں جہاں ماضی کے مختلف اوراق پلٹے ہیں، وہیں لوگوں کی عیش وآسائش سے بھری زندگی کو معروضی انداز میں پیش کردیا ہے۔آپ نے لکھنؤ کی تہذیب ومعاشرت کی بھرپور عکاسی کی ہے اور ساتھ ساتھ لکھنؤ شہر کے بسنے اور اجڑنے کا منظر نامہ بھی نہایت دیانت داری کے ساتھ پیش کردیا ہے۔

ان مذکورہ بالا تاریخوں کے علاوہ بہت ساری کتابیں شرر کی جانب منسوب کردی گئی ہیں یا آپ کے مضامین کو اکٹھا کر کے اس کو تاریخی کتاب کے نام سے جلب منفعت کی خاطر شائع کر دیا گیا۔شرر کے بعض مضامین ایسے ہیں جو قسط وار دلگداز میں شائع ہوئے، بعد میں کسی نے یکجا کر کے کتابی شکل میں شائع کر دیا جیسے، بغداد شریف، حالات اقوام کرد و ترکان عثمان وغیرہ قابل ذکر ہیں۔

تاریخ نگاری میں شرر کا مقام:

عبدالحلیم شرر کا دور انیسویں صدی کے نصف اخیر سے شروع ہوتا ہے جب آپ نے لکھنا شروع کیا تو ملک کی حالت بہت ہی تباہ کن تھی، ہر جگہ ظلم وستم اور لوٹ مار مچی ہوئی تھی، پورے ہندوستان پر انگریزوں کا جابرانہ تسلط قائم تھا، 1857ء کی ناکام بغاوت کے اصل مجرمین مسلمانوں کو قرار دے دیا گیا تھا، جس کی وجہ سے انگریز ان پر کچھ زیادہ ہی ظلم کر رہے تھے، مسلمانوں کو زندگی کے ہر شعبۂ حیات میں پریشان وہراساں کیا جارہا تھا۔ ان کی تہذیب وتمدن اور تواریخ کو انگریز غاصبوں کے ذریعے مٹانے کی مکمل کوشش جاری تھیں۔مگر اسی دور میں کچھ ایسے لوگ بھی تھے جو ان کو اس ذلت وپستی سے نکالنے کے لئے سرگرداں تھے،ان میں خاص طور سے علماء ودانشوران قوم کی ایک ٹیم تیار ہو چکی تھی، جو اپنی قوم وملت کی حفاظت اور ان کے اندر حوصلہ وجذبہ پیدا کرنے کے لئے شب وروز ایک کئے ہوئی تھی۔ ان میں سب سے اوپر جو نام آتا ہے وہ سرسید کا ہے اس کے بعد ان کے رفقاء کار نے ان کی مکمل مدد کی اور ان کے کام کو دھیرے دھیرے آگے بڑھایا، ان میں شبلی ذکاءاللہ، حالی، سید سلیمان ندوی، چراغ دہلوی، ظفر علی خان، علی برادران اور عبدالحلیم شرر قابل ذکر ہیں۔ان سب کے علاوہ بھی بہت سارے نام اور بھی ہیں، جن کا ذکر یہاں نہیں ہوسکا۔اس میں اپنے میدان کے ماہرین موجود تھے، جنھوں نے اپنی قلم کی جولانی سے انگریز حکومت کے تخت وتاج کو ہلا کر رکھ دیا۔اور اس کی پاداش میں انہیں قید وبند کی صعوبتیں بھی برداشت کرنی پڑیں اور ان میں کچھ ایسے بھی تھے جنھیں اپنی زندگی سے ہاتھ بھی دھونا پڑا، یہ وہ لوگ تھے جو اپنے مشن میں آگے بڑھتے رہے اور اپنی مختلف النوع تحریروں کے ذریعے عوام تک اپنی بات پہونچاتے رہے۔ان میں کچھ صحافی تاریخ نگار، سیرت نگار، ناول نگار، اور نظم نگار، کی حیثیت سے کام کر رہے تھے۔تقریباً اس دور کے ہر لکھنے والے کی تحریر میں ہمیں اس

کا عکس نظر آتا ہے۔ بیشتر مصنفین نے اپنے مختلف اصناف کی شکل میں اس عہد میں رونما ہونے والے واقعات اور قوم کی تباہی و بربادی کا نقشہ کھینچا ہے۔

ان میں سرسید اوران کے رفقا خاص طور سے قابل ذکر ہیں، جنھوں نے اپنی بے شمار نگارشات سے قوم کو بیدار کرنے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی۔ بلکہ اپنی قوم کو تعلیمی میدان میں آگے بڑھنے کی دعوت دی اور اس کے لئے اسباب بھی مہیا کرنے میں حتی المقدور کوششیں بھی کیں، اس لیے کہ انہیں معلوم تھا بغیر تعلیم کے کوئی قوم ترقی نہیں کرسکتی ہے۔

اسی دور میں ایک نام عبدالحلیم شرر کا بھی تھا، جنھوں نے اردو ادب کی تقریبا ہر صنف پر طبع آزمائی کی لیکن انھیں شہرت دوام تاریخی ناول نگاری میں حاصل ہے، جبکہ وہ انشائیہ، تاریخ، مضامین، رپورتاژ، سوانح، نظم، ڈراما، جیسے اصناف میں بھی ید طولی حاصل ہے۔ اور بعض ایسی اصناف ہیں جن کی ابتدا ہی انھیں سے ہوتی ہے لیکن زیر بحث سطور ان کی تاریخ نگاری کے سلسلے میں ہے کہ انھیں تاریخ نویسی میں کیا مقام و مرتبہ حاصل ہے۔ کہ انہیں کیا مقام ملا، اور تاریخی ادب کو انھوں نے اپنی زندگی میں کس قدر بروئے کار لائے، انھیں سولات کے جوابات تلاش کرنے کی کوشش کی جائے گی۔

شرر ابتدا ہی سے مورخانہ مزاج رکھنے کے ساتھ ساتھ ادبی تاریخ کے قواعد و اصول سے بھی واقف تھے، جانتے تھے کہ تاریخ نام ہے، حقائق کے بیان، اقرباء پروری اور تعصّبانہ انداز بیان سے احتراز کا، ان سب سے واقف ہونے کے باوجود بھی وہ ان اصولوں پر کتنا عمل پیرا ہوئے، ہمیں ان کی تحریروں سے ان سوالات کے جواب خود بخود مل جائیں گے۔ اکثر ناقدین ادب اردو شرر کو مورخ تسلیم نہیں کرتے بلکہ انھیں یہ بات بھی معلوم ہے کہ سرسید اور شبلی کے تاریخی کارناموں سے انہیں بڑا گہرا شغف تھا اور انہیں کے نقش قدم پر چل کر انھوں نے تاریخ میں بہت ساری کتابیں تحریر فرمائیں کہ اگر اردو تاریخ کا جائزہ لیا جائے تو شرر کے ذکر کے بغیر تاریخ کی تکمیل نہیں ہوگی۔ لیکن اس کے باوجود بھی انہیں اس صنف میں وہ مقام نہیں مل سکا، جو انھیں تاریخی ناول میں حاصل ہوا۔ شرر کی تحریریں اور انداز بیان اپنے پیش رو سے قدرے مختلف ہے آپ کی تقریباً تمام تحریروں میں اسلام کی حقانیت اور اس کی مدح و ستائش نیز عظمت و بلندی کے گن گائے جاتے ہیں، ان

کے سامنے صرف ایک ہی مقصد رہتا تھا کہ کس طرح ملک وقوم کو سچی تاریخ سے روشناش کرایا جائے اور ملت کی اصلاح کی جائے۔انھیں اس بات کا احساس تھا کہ اگر وہ تاریخی اصول وضوابط کو سامنے رکھ کر گفتگو کریں تو وہ اپنی بات کو موثر اور کارآمد ثابت نہیں کر پائیں گے۔ جتنا کہ وہ واقعات اور حوادث کو بیانیہ انداز میں پیش کر کے کرتے ہیں۔

شرر کی تاریخ نگاری کا تذکرہ کرتے ہوئے پروفیسر جعفر رضا لکھتے ہیں:

''شرر کی کتب تاریخ کا دائرہ وسیع ہے، جو ایشیاء، یورپ اور افریقہ کے کئی ممالک پر محیط ہے لیکن ان کی قسمت ایک ہے مسلمانوں کی حکومتیں، جنھیں شرر اسلامی حکومت کہنا زیادہ پسند کرتے ہیں۔انہیں اسلامی حکومتوں کے گردو پیش واقعات وحالات کو چکر کاٹتے رہنا ہے، ان کے قیام کے لئے جدوجہد غیر اسلامی قوتوں سے نبرد آزمائی اور فتح مندی، عدل وانصاف، حق صداقت ناول نگاری طرح مورخ کی حیثیت سے بھی شرر کے تمام نظریات مقررہ قبل از وقت اور حتمی ہوتے ہیں۔'' (47)

مندرجہ بالا اقتباس سے یہ واضح ہوتا ہے کہ شرر نے تاریخی میدان میں بے شمار تخلیقات پیش کی ہیں، ملک وبیرون ملک کی تاریخوں کی ایک مکمل فہرست ہے اور وہ اس پر دسترس رکھتے تھے، لیکن انہیں اسلامی تاریخ میں ان کا کوئی ثانی نہیں تھا۔ وہ اپنی بات اور اپنے خیالات کو واضح کرنے میں کسی قسم کے شکوک وشبہات نہیں رکھتے تھے۔ بلکہ واضح انداز میں اپنے نظریات پیش کر دیتے تھے۔

عبدالماجد دریا آبادی شرر کی تاریخ نگاری کے سلسلے میں رقم طراز ہیں:

''آج بازار میں شرر صاحب کا نام ماند پڑ گیا ہو لیکن ''کل''، یعنی حشر والے کل سے قبل ان شاءاللہ اسی دنیا میں پھر ابھرے گا جس وقت مسلمان اپنے خادموں کی تاریخ مرتب کرنا شروع کر دیں گے''۔(48)

بعض حضرات شرر پر متعصّبانہ الزام لگاتے ہیں، جو بالکل سراسر غلط ہے بلکہ شرر نے اپنی مختلف تاریخوں میں اس وصف سے اپنے آپ کو ہمیشہ الگ رکھا ہے مثلا: تاریخ ارض مقدس مسیح اور مسیحت وغیرہ کے نام سے

مکمل تاریخ رقم کی لیکن اگر عیسائیوں یا یہودیوں کے اندر اگر کوئی خامی یا اچھائی نظر آتی ہے اس کا برملا اپنی تحریروں میں اظہار کرتے ہیں۔

شرر کی تاریخ سے متعلق تمام کتابوں کا دراسہ کرنے کے بعد اس بات کا اندازہ ہوتا ہے کہ شرر خود تو تاریخ نویسی کے اصول وقواعد کی بات کرتے ہیں لیکن جب اس پر عمل کرنے کا وقت آتا ہے تو وہ بذات خود اس سے راہ فرار اختیار کرتے ہوئے وہ ناول نگار کا چولا پہن لیتے ہیں، واقعات اور قصے کی تلاش میں سرگرداں نظر آتے ہیں، لیکن ان کی یہ ایک خوبی ضرور ہے کہ کبھی بھی وہ حقائق سے چشم پوشی کرتے ہوئے نظر نہیں آتے۔

حوالہ جات باب دوم:

(1) لاہوری، غلام سرور، جامع اللغات، اردو جلد اول مطبع نول کشور لکھنؤ، 1989ء ص 356

(2) نورالحسن، مولوی، نوراللغات جلد دوم، ترقی اردو بیورو، نئی دہلی، جولائی، ستمبر، 1989ء ص 17-216

(3) فیروز مولوی، فیروز اللغات، دارالکتب دیو بند، یوپی 1988 ص 301

(4) طاہر محمد صالح، تحقیقی مقالہ، مولانا مرتضٰی احمد خان میکش کی ادبی خدمات، مملوکہ پنجاب اورینٹل، کالج لاہور 1989ء ص 72،271

(5) گل صادق علی ڈاکٹر، فن تاریخ نویسی، امپوریم، لاہور، ص 3،2

(6) مبارک علی ڈاکٹر، تاریخ شناسی، فکشن ہاؤس، لاہور 1993ء ص 24

(8) خرم قادر ڈاکٹر، تاریخ نگاری نظریات وارتقاء مکتبہ فکرو دانش مرزنگ روڈ، لاہور فروری 1994ء ص 91

(9) جمال الدین سید ڈاکٹر، تاریخ نگاری قدیم وجدید رجحانات، نئی آواز جامعہ نگر، نئی دہلی 1994ء ص 13

(9) خرم قادر ڈاکٹر، تاریخ نگاری نظریات وارتقاء مکتبہ فکرو دانش مرزنگ روڈ، لاہور فروری 1994ء ص 123

(10) جامع اردو انسائیکلو پیڈیا جلد دوم قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان، نئی دہلی، 2000 ص 114

(11) The New Encyclopedia of Britanica,The University of Chicago Press ,1988, Vol,20, P, 625

(12) خرم قادر ڈاکٹر، تاریخ نگاری نظریات وارتقاء مکتبہ فکرو دانش مرزنگ روڈ، لاہور فروری 1994ء ص 128

(13) ذکاءاللہ، محمد، مولوی، تاریخ ہندوستان، سنگ میل پبلی کیشنز، لاہور، 1998ء ص 3

(14) شبلی نعمانی، مقالات شبلی، جلد چہارم، مطبع معارف، اعظم گڑھ 1956ء ص 31

(15) نظامی، خلیق احمد، پروفیسر، مولانا شبلی بہ حیثیت مورخ، معارف، مارچ 1986ء ص 189

(16) صدیقی، اقتدار حسین، پروفیسر، عہد وسطٰی کے ہندوستان میں تاریخ نگاری، تحقیقات اسلامی، 1989ء ص 63

(17) Khan,Javed Ali,Dr, Early Urdu Historiograraphy,Urdu Bakhash

Oriental Public Library Patna,2005 P,76

(18) P.78,79 ” ” ”

(19) P.76, ” ” ”

(20) جمیل جالبی، تاریخ ادب اردو، جلد دوم، ایجوکیشنل ہاؤس، دہلی، 2001ء ص1075

(21) سہ ماہی تحقیقات اسلامی، علی گڑھ، اکتوبر تا دسمبر 1998ء ص 407

(22) جمیل جالبی، تاریخ ادب اردو، جلد دوم، ایجوکیشنل ہاؤس، دہلی 2001ء ص1077

(23) Khan, Javed Ali,Dr Early Urdu,Historiogaraphy,Khuda Bakhash,Public Library, Patna,P.78

(24) بحوالہ، شہناز بیگم، ڈاکٹر، اردو میں تاریخ نگاری کی تاریخ (ابتدا تا ارتقاء اٹھارویں صدی سے 1947 تک) ص62 جے، کے آفسیٹ پرنٹرز دہلی 2008ء

(25) ذکاء اللہ، محمد، مولوی، تاریخ ہندوستان جلد اول، بار سوم، مطبع انسٹی ٹیوٹ واقع علی گڑھ 1915ء ص14

(26) شرر، عبدالحلیم، تاریخ سندھ دلگداز پریس لکھنؤ 1907ء ”عرض حال“ ص1

(27) ” ” ” ص2

(28) ” ” ” ص2

(29) مبارک علی، ڈاکٹر، تاریخ سندھ، عرب دور حکومت، نگارشات، لاہور، 1986ء ص10

(30) سکسینہ، رام بابو، تاریخ سندھ، مترجم محمد عسکری، نیشنل بک ہاؤس، لاہور، س، ن، ص6

(31) تنہا، محمد یحیٰ، سیر المصنفین جلد دوم، دارالاشاعت غازی آباد، دہلی، 1924ء ص600

(32) شرر، عبدالحلیم، قدیم مسیحیت قومی پریس دہلی، س، ن، ص1

(33) ” ” ” ص4

(34) ” ” ” ص6

(35) ” ” ” ص6-7

(36) ” ” ” ص13

(37) ” ” ” ص15

(38) شرر،عبدالحلیم،عصر قدیم،اریب پبلیکیشن،پٹودی ہاؤس،دہلی،2007ء ص3

(39) ” ” ” ” ص3

(40) ” ” ” ” ص17

(41) ” ” ” ” ص4

(42) شرر،عبدالحلیم،تاریخ خلافت،دلگداز پریس لکھنؤ1923ء ص1

(43) ” ” ” ص2

(44) شرر،عبدالحلیم،دلگداز پریس لکھنؤ1929ء ص2

(45) ” ” ” ص103

(46) شرر،عبدالحلیم،مکتبہ جامعہ،نئی دہلی 2011ء ص193

(47) جعفر رضا پروفیسر،عبدالحلیم شرر،حیات اور کارنامے،پروگریسیو بک،لاہور1989ء ص98

(48) دریا آبادی،عبدالماجد،جریدہ الواقعہ،کراچی مئی،جون،2012ء ص118

باب سوم

عبدالحلیم شرر کی سوانح نگاری

یہ انسانی فطرت ہے کہ بنی نوع انسان کو یاد رفتگاں ہمیشہ سے عزیز رہا ہے۔ اپنے پیش رو اور بزرگوں کی تاریخ اور ان کے کارناموں کو یکجا کرنا ان کا مشغلہ رہا ہے۔ اور یہ طریقہ بہت قدیم زمانے سے چلا آرہا ہے، جس دور میں انسان پڑھنے لکھنے سے نا آشنا تھا، اس وقت وہ اپنے اعزاو اقارب اور محبوب ترین لوگوں کے قصے، احوال، کارنامے، شجاعت و دلیری وغیرہ کو ضبط صدر میں محفوظ رکھتا تھا، اور یہ واقعات نسل در نسل محفوظ ہوتے چلے جاتے تھے۔ مثلاً رجزیہ اشعار، مرثیہ، قصائد، لوک گیت، قصہ گوئی وغیرہ اس دور کی ترقی یافتہ شکلیں تھیں، لیکن جب یہ عمل بتدریج ترقی کے منازل طے کرتا ہوا آگے بڑھا، تو اسے سوانح عمریوں میں تبدیل کر دیا گیا۔ سب سے پہلے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ سوانح عمری نگاری کسے کہتے ہیں، اس کی وضاحت کر دی جائے۔ سوانح نگاری اصناف نثر کی دوسری صنفوں سے قدرے مختلف ہے، اس صنف میں کسی ایک کردار کے تعلق سے حقائق کو تفصیل کے ساتھ پیش کیا جاتا ہے۔ اور جس شخصیت کو موضوع بنایا جاتا ہے، وہ مشہور اور معروف ہوتی ہے۔ مقبول و مردود کی شرط متعین نہیں کی جاسکتی۔ ہوسکتا ہے کہ جس شخص کے بارے میں لکھا جارہا ہے، وہ کچھ کے یہاں محبوب اور کچھ لوگوں کے نزدیک مبغوض ہو۔

انگریزی زبان میں سوانح نگاری کو Biography، اور اس کے علاوہ دوسرے الفاظ کا بھی استعمال کیا جاسکتا ہے، جیسے، Life Memoir,Life,History,Life story,

Websters,New World Dictionary, میں سوانح عمری کہتے ہیں:

The Histories of individual, Considered as Qbranehal Branch, of Literature. An acount of a Person's Life, discribed by another. حوالہ

ایک انفرادی شخص کی تاریخ جسے ادب کا ایک حصہ قرار دیا جاتا ہے۔ ایک شخص کی زندگی کا احوال جسے ایک دوسرا شخص بیان کرتا ہے۔

آکسفورڈ ایڈوانس لرنرس ڈکشنری، میں سوانح کی تعریف اس طرح مذکور ہے:

(1) The story of a Person's Life Written by sb else, (1)

ایک شخص کی زندگی کی مکمل روداد جس کو کسی دوسرے شخص کے ذریعہ لکھا گیا ہو۔ اسی طرح Concise

oxford dictionary of current english میں سوانح عمری کی وضاحت اس طرح کی گئی ہے۔

Written Life a Person,

ایک شخص کی تحریری زندگی۔

ڈاکٹر سید شاہ علی اپنی کتاب ''اردو میں سوانح نگاری'' میں مختلف لوگوں کے نزدیک سوانح عمری سے کہتے ہیں اس کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''سوانح عمری کی مختلف تعریفیں کی گئی ہیں، مثلا سوانح عمری: تاریخ کی وہ شکل ہے جو انسانی نسلوں اور گروپوں سے نہیں بلکہ افراد سے متعلق ہے۔ یا یہ کی سوانح عمری ایک انسان کی پیدائش سے موت تک کے افکار اور افعال کا بیان ہے، یعنی حقائق کے ساتھ کردار اور ذہن کی نشو ونما کا موقع ہے، انسان کی شخصیت کی تصویر ہے، اس کے خارجی ردعمل اور داخلی احساسات کی کہانی ہے وغیرہ، آکسفورڈ ڈکشنری میں اس کی تعریف یہ ہے،، سوانح عمری بطور ایک ادبی صنف کے افراد کی زندگی کی تاریخ ہے، ظاہر ہے کہ اس میں تین لوازم، تاریخ، فرد اور ادب بتائے گئے ہیں، چانچہ سوانح عمری کی ان تعریفوں میں کوئی خاص تضاد نہیں پایا جاتا۔ بلکہ بعض تعریفیں اتنی آسان اور جامع ہیں کہ سہل ممتنع معلوم ہوتی ہیں مثلا کارلائل کہتا ہے: کہ سوانح عمری ایک انسان کی حیات ہے ایسی ہی ایک اور تعریف یہ ہے، سوانح عمری ایک انسان کی تاریخ ہے'' (2)

ڈاکٹر امیر اللہ خان شاہین سوانح نگاری کے تعلق سے اپنی کتاب ،،فن سوانح نگاری اور دیگر مضامین میں لکھتے ہیں:

''سوانح نگاری افراد کی تفسیر حیات یا تاریخ زیست ہے لیکن نہ محض تاریخ ہے اور نہ صرف تفسیر وہ مہد سے لحد تک کا ریکارڈ ہے، جس میں کارنامہ ہائے حیات سے زیادہ ذہن کے مختلف گوشوں کا بتدریجی ارتقاء جس سے مکمل شخصیت وجود میں آتی ہے۔'' (3)

آنسہ الطاف اپنی کتاب ''اردو میں فن سوانح نگاری کا ارتقاء'' میں سوانح نگاری کے تعلق سے لکھتی ہیں۔

''سوانح نگاری کسی فرد واحد کی شخصیت کو منظر عام پر اس طرح لانے کا نام ہے کہ اس فطرت اور سیرت کا کوئی پہلو پوشیدہ نہ رہے۔ اس میں لکھنے والا اپنے ذاتی جذبات کو شامل کرنے کا مجاز نہیں ہے۔ ہیرو کے محاسن اور معائب کو پیش کرنے میں ہچکچاہٹ محسوس کرنے کی ضرورت نہیں اور لکھنے والے میں یہ جرأت موجود نہ ہو تو بقول جانسن ایسے موضوع کو چھوڑ دینا چاہئے۔'' (4)

ڈاکٹر سلام سندیلوی سوانح عمری کے تعلق سے اپنا نقطۂ نظر پیش کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''سوانح حیات کو ہم چار نقطۂ نظر سے دیکھتے ہیں۔ اول تو سوانح حیات کی ایک تاریخی حقیقت ہوتی ہے۔ اس لحاظ سے سوانح حیات میں سچے واقعات کا ذکر ہونا چاہئے دوسرے سوانح حیات کو انفرادی نقطۂ نظر سے بھی دیکھ سکتے ہیں، اس لحاظ سے ہیرو کو اپنے ہم عصروں سے ممتاز اور نمایاں ہونا چاہئے، تاکہ وہ دوسروں کے سامنے مثال بن سکے، اس کے علاوہ سوانح حیات کو ہم ادبی نقطہ نظر سے بھی دیکھ سکتے ہیں اس صورت میں سوانح حیات میں وہ تمام خوبیاں ہونی چاہئیے۔ جن سے کسی زبان کا ادب ایک اعلی اور بلند مقام حاصل کرتا ہے، آخر میں سوانح نگاری کو ہم سائنسی نقطۂ نظر سے بھی دیکھ سکتے ہیں، اس کا مطلب یہ ہے کہ مصنف کے بیان میں سائنسی علمیت اور قطعیت ہونی چاہئے''(5)

ڈاکٹر عبدالقیوم اپنے مضمون ''سوانح نگاری کیا ہے'' اس میں سوانح کے تعلق سے لکھتے ہیں:

''نقادان فن سوانح میں صداقت اور خشک واقعات میں سے دلچسپی نہیں پیدا کرتے، بلکہ اظہار بیان کی خوبی اور خوش اسلوبی کو بھی بہت دخل ہوتا ہے، ڈاکٹر جانسن نے سوانح کو ادب کی ایک شاخ قرار دیا ہے اگر چہ اس میں شعوری طور پر ایک فرد کی زندگی مربوط کیا جاتا ہے، اس لیے اس شعور میں تاریخ سے مدد لی جاتی ہے، لیکن اس کی تخلیقی صفت اور دلچسپی پیدا کرنے کی ضرورت نے ادبی اصناف سے دامن باندھ دیا ہے، اس لیے ایک

سوانح میں تاریخ فردِواحد اور ادبی چاشنی تینوں کی آمیزش ہوتی ہے اور یہی حسن ترتیب
اس کے حسن کا سبب بن جاتی ہے۔'' (6)

ان تمام مذکورہ بالا تعریفوں سے یہ نتیجہ اخذ کیا جاسکتا ہے کہ سوانح نگاری کا سب سے بنیادی حصہ صداقت اور سچائی پر منحصر ہے، اور اگر اس سے انحراف کیا گیا تو وہ سوانح نہ ہو کر کوئی دوسری صنف اختیار کر لے گی، بعض لوگوں نے سوانح عمری اور تاریخ کو ملانے کی کوشش کی ہے، لیکن حقیقت میں دونوں الگ الگ ہیں، اور دونوں کے اندر بنیادی فرق موجود ہے۔

ابتدا میں سوانح اور تاریخ کو تقریباً ایک ہی جز تسلیم کیا جاتا تھا، اس لیے کہ تاریخ سچے حقائق اور واقعات پر مبنی ہوتی ہے اور سوانح میں بھی انسان کی زندگی کے سچے واقعات و حادثات کو بیان کیا جاتا ہے۔

لیکن ڈاکٹر سید شاہ علی تاریخ اور سوانح کے بنیادی فرق کو واضح کرتے ہوئے رقمطراز ہیں:

''سوانح عمری کا موضوع ایک انسان ہے اور تاریخ کا ایک ملک سوانح نگار کے لئے ایک ہجوم ثانوی اہمیت رکھتا ہے اور تاریخ افراد کے لئے افراد خواہ وہ کتنے ہی بڑے کیوں نہ ہوں، ضمنی حیثیت رکھتے ہیں، مورخ انسانوں کا ایک دور بین کے ذریعہ اور سوانح نگار منفرد آدمیوں کا ایک خورد بین کے تحت مشاہدہ کرتا ہے۔ تاریخ ہمیں سرکاری ایوانوں میں لے جاتی ہے۔ سوانح عمری نجی قیام گاہوں میں، تاریخ میں ایک فاتح کی سپاہیانہ صفات اہم ہوتی ہیں، اور سوانح نگاری میں اسے بحیثیت ایک انسان پیش کیا جاتا ہے پلوٹارک کا ایک قول ہے: تاریخ جزئیات کو نظر انداز کرتی ہے۔ سوانح عمری جزئیات سے بنتی ہے، سوانح عمری پیدائش اور موت کے درمیان محدود ہے، تاریخ کا کوئی اور چھور نہیں۔ ایسے واقعات کے وسیع بہاؤ سے نپٹنا پڑتا ہے۔ سوانح عمری اپنے اندر ایک ڈرامائی کیفیت رکھتی ہے۔ انسان کی بات خواہ بظاہر کتنی کامیاب کیوں نہ ہو، اپنی توقعات اور نصب العین سے کم تر ہوتی ہے، اس کے اندر رنج والم کے دھارے بھی رواں نظر آتے ہیں اور وہ لوگوں کے دلوں پر رد عمل بھی اسی مناسبت سے پیدا کرتی ہے، لیکن بہترین تاریخ بھی اس ڈرامائی دلچسپی سے محروم ہوتی ہے۔'' (7)

اسی طرح تاریخ اور سوانح عمری میں بنیادی فرق یہ ہے کہ دونوں اصناف الگ الگ ہیں لیکن زمانہ قدیم میں سوانح اور تاریخ کو ایک شاخ تصور کیا جاتا تھا، عرب اور ایران وغیرہ میں تاریخ اور سوانح عمری کا الگ تصور نہیں ملتا تھا۔ اسی لیے قدیم زمانے میں بہت سارے مشاہیر اور دیگر چیزوں پر اگر کچھ چیزیں کندہ ہیں تو لوگ اس کو تاریخ کا حصہ قرار دیتے ہیں جیسے، بھوج پتھر اور اہرام مصر وغیرہ ہیں، جہاں لوگوں کی قبروں اور درو دیوار کے اوپر بہت ساری چیزیں مرقوم ہیں، کچھ لوگ اسے سوانح نگاری کی ابتدائی شکل تصور کرتے ہیں، لیکن وہیں دوسری جانب کچھ لوگ اسے تاریخ کا جز مانتے ہیں۔

انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا میں سوانح کے تعلق سے یہ بات موجود ہے ''کہ یہ تاریخ سے جدا ایک صنف ادب ہے، یہ آرٹ ہے سائنس نہیں ہے۔''(8)

اس طرح سوانح نگاری کے لئے حقیقت اور تاریخی سچائی جہاں ایک اہم جزو مانا جاتا ہے، وہیں دوسری جانب عبارت کا فصیح اور دلچسپ انداز بیان کا ہونا بھی ضروری ہے، تبھی سوانح نگار ایک اچھا فن کار کہلاتا ہے، جب اس کی تصنیف میں مزاج اور زمانے کے لئے باعث تفریح اور پر مسرت انداز بیان اختیار کیا گیا ہو۔

سوانح نگاری کی تاریخ ہے:

سوانح نگاری کی تاریخ بہت قدیم ہے لوگ اپنے عزیزوں کے احوال اور ان کے محاسن وغیرہ کو پتھروں، پتوں، چمڑوں وغیرہ اور نہ جانے کن کن چیزوں میں محفوظ کر کے رکھتے تھے، دھیرے دھیرے اس میں ترقی اور فروغ ہوتا گیا اور لوگ اپنے عظیم المرتبت اور قابل لوگوں کی سوانح کو رقم کرنے لگے۔ اس کا باضابطہ آغاز بنی اسرائیل سے ہوتا ہے جنھوں نے اپنے انبیاء ورسل اور نیک لوگوں کے اخلاق عالیہ کو بطور محبت اور یادگار کی خاطر قلم کی زینت بخشی، تاکہ ان کے اس دنیا سے چلے جانے کے بعد لوگوں کے لئے ان کے اعمال وافعال رشد وہدایت کا سرچشمہ ثابت ہوں، اہل یونان نے بھی انھیں کے نقش قدم پر چلتے ہوئے اپنے بہادروں اور جاں بازوں کو ہمیشہ یاد رکھنے کے لئے ان کے واقعات واحوال کو سپرد قلم کیا اور اسی طرح انگریزوں نے بھی اپنے محبوب اور خاص عمائدین حکومت اور کلیساؤں میں رہنے والے عظیم افراد کی سوانح عمریاں تحریر کیں۔ جیسے پلوٹارک وغیرہ۔ اس کے بعد پھر عام لوگوں میں جو اہمیت کے حامل لوگ ہوتے، ان کی سوانح عمریوں کو ترتیب

دینی شروع کیں، پھرانھوں نے ادیبوں اور معاشرے کی تعمیر وترقی کرنے والوں کی سوانح نگاری لکھنی شروع کیں۔ان میں سب سے اہم باسویل کی حیات جانسن سنگ میل کی حیثیت رکھتی ہے۔اس کے بعد اگر ہم اسلام سے پہلے عربوں کی سوانح نگاری پر نظر ڈالیں تو ہمیں پتہ چلتا ہے کہ ان کے یہاں شعروشاعری کا عام چلن اور رسم ورواج تھا، وہ اپنے آباء واجداد کی جواں مردی اور جنگجو یانہ خصائل کو اپنی شاعری وغیرہ میں محفوظ کرلیا کرتے تھے، اوراسی طرح ان کے یہاں جو بادشاہ اور عظیم لوگ ہوتے تھے، انھیں کی سوانح عمریاں محفوظ کی جاتی تھیں، اسی وجہ سے اسلامی سلطنتوں کے قیام کے بعد سوانح نگاری میں کسی قسم کی تخصیص اور موضوع کا انتخاب لازمی طور سے متعین نہیں کیا گیا۔لیکن یہ حقیقت ہے کہ اسلامی دور میں سوانح نگاری کا محرک مذہب اسلام اور بانئ مذہب سے متعلق رہا ہے، اس سلسلے میں ڈاکٹر سید شاہ علی لکھتے ہیں:

> ’’ابن خلکان کی وفیات الاعیان کے مترجم میک گکن (Mac Guckin) نے سارے عربی علوم وفنون کی بنیاد قرآن قرار دیا ہے، اور علم صرف ونحو، حدیث، لغات، رجال، جغرافیہ وغیرہ سب کے آغاز کو اسی سے منسوب کیا ہے، قرآنی احکام کی تشریح وتاویل کے لئے احادیث اور سیر یا مغازی کی تدوین کی اور ان کی صحت کے مدنظر راویوں کے کردار کی جانچ کی ضرورت پڑی، یہ سلسلہ پیغمبر اسلام کے عہد میں شروع ہو چکا تھا جسے خلفاء نے ترقی دی، چنانچہ آگے چل کر ہر رتبہ وحیثیت کے لاکھوں آدمیوں کے حالات قلمبند کئے گئے‘‘۔(9)

اس سلسلے میں مختلف اصول وقواعد متعین کیے گئے ،مثلاً اگر کوئی خبر بیان کرنے والا ہے، وہ شریک واقعہ ہے یا نہیں اور اس کی کیفیت کیا ہے، سمجھ بوجھ، ذہانت وفطانت، چال چلن اساتذہ غرض یہ کہ تمام چیزوں کو دیکھا اور پرکھا جاتا ہے، تبھی کوئی شخص کسی کے بارے میں بیان کرسکتا ہے، یہ سب باتیں مغربی دنیا والوں کے پاس موجود نہیں تھیں اور ان کا مقصد صرف یہی تھا کہ کس طرح سے غلط بیانی اور کذب و بہتان کا سد باب کیا جائے ،اسلام آنے کے بعد ان میں دو چیزوں کی طرف خاص توجہ مبذول کی گئی۔ایک تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ پر خاص توجہ دی گئی، جن میں آپکے اعمال اقوال وافعال تمام چیزیں شامل تھیں

انھیں ''سیرۃ'' کا نام دیا گیا۔اس ابتدائی دور میں عرب مصنفین کی توجہ سیرت ومغازی اور اسماء رجال پر مرکوز تھیں اور ان میں جس تلاش وجستجو اور تحقیق وتدقیق کا معاملہ اپنایا گیا ہمیں پوری دنیائے ادب میں اس طرح کا طرز کہیں نہیں دیکھنے کو ملتا ہے۔اس کے بعد خلفائے راشدین، دیگر باشاہوں اور عظیم المرتبت شخصیات کی سوانح عمریاں تحریر میں لائی گئیں۔عربی زبان میں کچھ مشہور ومعروف سوانح عمریاں جن کی رمق آج بھی قائم ودائم ہے۔مندرجہ ذیل ہیں، سیرت ابن اسحاق،اس میں پیغمبر اور صحابہ کے حالات بیان کئے گئے ہیں۔

اسد الغابہ، ابن اثیر کی ابن خلکان کی ،وفیات الاعیان، یا قوت کی معجم الادباء متنبّی کی الشعر والشعراء، قابل ذکر ہیں۔

اسی طرح اگر ہم فارسی زبان میں سوانح نگاری کو دیکھیں تو ان کے یہاں اسلام سے قبل سوانح عمریاں بادشاہوں اور امیروں وغیرہ تک ہی محدود تھے،لیکن اسلام کی آمد کے بعد ان کے حالات میں تبدیلیاں رونما ہوئیں، ان کے موضوعات میں وسعت پیدا ہوئی، انھوں نے فقہی سوانح عمریاں وغیرہ لکھیں، جو اس وقت کے بڑے عالم دین اور فقیہہ تھے ان کے احوال وآثار کا ذکر کیا گیا ہے، جیسے نور اللہ شوستری کی '' مجالس المومنین''اسی طرح زین العابدین کی روضۃ الجنت فی احوال العلماء والسادات، اسی طرح مرزا محمد علی کی نجوم اسماء وغیرہ قابل ذکر ہیں، ان کے علاوہ آپ بیتی اور شاعروں کے تذکرے اور مذہبی اشخاص وغیرہ پر بہت کچھ تحریر کیا گیا ہے۔

اس کے بعد اگر ہم ہندوستان پر نظر دوڑائیں تو سب سے پہلے ہمیں سترہویں صدی سے انیسویں صدی کے آخر تک اردو ادب میں سوانحی عناصر کی رمق دکن میں دیکھنے کو ملتی ہے اگر چہ ان کے موضوعات مذہبی شہ پاروں کی شکل میں موجود تھے، چاہے وہ حمد، نعت، منقبت وغیرہ ہی کیوں نہ ہوں مثلاً فیروز کی توصیف نامہ 957ھ فضل کی محی الدین نامہ وغیرہ خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔

سوانحی شہ پارے اردو مرثیہ، شاعروں کے تذکرے اور ان کے مواد وغیرہ بھی اہمیت کے حامل ہیں اور ان تذکروں پر عربی اور فارسی کے اثرات نمایاں طور پر موجود ہیں، ان میں ہر قسم کے لوگوں کا ذکر شامل ہے، کچھ اہم تذکرہ نگاروں کے نام قابل ذکر ہیں، جیسے میر قائم چاند پوری مصحفی شیفتہ وغیرہ، لیکن ان تذکروں

سے سوانح نگاری کی پوری شکل ہمارے سامنے نہیں آسکتی، بلکہ اس کا کچھ عنصر ہمارے سامنے واضح ہوجاتا ہے، جیسے محمد حسین آزاد کی ''آب حیات'' اس کتاب کو انھوں نے پانچ ادوار پر منقسم کیا ہے، اس میں کچھ اہم شاعروں کے حالات قلم بند کیے ہیں اس کتاب کو ہم سوانح عمری کے ضمن میں نہیں لاسکتے بلکہ یہ تذکرہ نگاری کے باب میں ریڑھ کی ہڈی کے مانند تصور کی جاتی ہے، اسی طرح غالب کے خطوط ہمیں بہت سارے حالات وتاریخی واقعات کا پتہ دیتے ہیں۔

ان کے خطوط سوانح نگاری کے خدوخال کو ابھارنے میں بڑا اہم کام کیا ہے۔ اردو میں اس قسم کے خطوط پہلی بار منظر عام پر آئے جو کسی شاعر کی خلوت وجلوت کے راز و نیاز کو طشت ازم کر رہے تھے، اس لیے یہ خطوط بھی سوانح نگاری کے سلسلے میں اہم سرچشمہ ثابت ہوئے ہیں۔

لیکن جدید اردو میں باقاعدہ سوانح نگاری کا آغاز انیسویں صدی کے اخیر سے ہوتا ہے، جہاں سرسید، حالی، شبلی اور ان کے دیگر رفقاء کار شامل تھے، جنھوں نے اس فن کو اوج ثریا پر پہونچا دیا اس صنف میں سب سے نمایاں نام حالی کا ہے جنہوں نے سوانح نگاری کو بام عروج بخشا، اور اس عہد کے ادباء ان کے نقش قدم پر چل کر اس مقام کو حاصل کرنے کی کوشش کی مگر انھیں وہ رتبہ حاصل نہ ہوسکا جس مقام ومرتبہ پر حالی فائز تھے۔ سرسید جدید نثر کے بانی ہیں۔ انھوں نے بہت سارے مضامین اور کتابیں تحریر کیں، ان کے علاوہ سوانح نگاری میں سرسید نے طبع آزمائی کی اور انھوں نے سیرت فریدیہ نام سے ایک سوانحی تصنیف کی۔ یہ کتاب سرسید نے اپنے نانا کے احوال واطوار کے سلسلے میں تحریر فرمائی ہے۔ آثار الصنادید جو دہلی کی سوانح پر مشتمل ہے اور اسی طرح خطبات احمدیہ، یہ کتاب بھی بارہ جلدوں پر مشتمل ہے۔ عرب کے احوال، پیغمبر اسلام کے تعدد زواج، معراج وغیرہ کے واقعات کو قلم بند بیان کیا ہے۔ اس طرح سرسید نے اردو ادب میں تاریخ وسوانح نگاری کو فروغ دینے میں اہم رول ادا کیا ہے۔

اردو میں معیاری سوانح نگاری کی ابتدا حالی سے ہوتی ہے جن کے خیالات پر مغرب کی چھاپ نظر آتی تھی۔ ان کی نگارشات قدیم وجدید میلانات کی عبوری کڑیاں ہیں، سوانح نگاری کے اصول وقواعد کو جاننے اور سمجھنے کا خیال سب سے پہلے انھیں کے یہاں آیا، یورپی ممالک میں لکھی جانے والی سوانح نگاری کے معیار

کو جانا اور سمجھا، اس کے بعد اردو میں سوانح عمری کی راہیں ہموار کیں، ان کا سب سے پہلا معیار یہی تھا، کہ سوانحی کردار معروف و مشہور ہو، اس ذہنی نقطہ کو حالی بخوبی سمجھ رہے تھے اور انھیں پر عمل کرتے ہوئے اپنے سوانحی کردار کو اعلی وارفع رکھا، اور ان کے کردار دنیائے ادب کے وہ شہسوار تھے جن کا کوئی ثانی نہیں تھا، جیسے، سعدی، غالب، سرسید، یہ وہ شہرۂ آفاق شخصیات ہیں، جن کے کارناموں کو ہمیشہ یار رکھا جائے گا۔ اور ان تمام لوگوں سے حالی کا رشتہ بہت اٹوٹ ہے جس کی وجہ سے ان کے سوانح عمریوں کو قلم بند کیا، جو سوانح نگاری کے فن اور تاریخ میں لاثانی ہے جیسے 'حیات سعدی'، 'یادگار غالب' او 'حیات جاوید'۔

حالی کے بعد اگر سوانح نگاری میں کوئی دوسرا بڑا نام ہے تو وہ شبلی کا ہے۔ جنھوں نے سوانح نگاری میں اپنا نام پیدا کیا، لیکن ان کے یہاں مذہبی رنگ غالب ہے، انھوں نے جن شخصیات کا انتخاب کیا ہے، وہ بادشاہ یا مذہب کے پیشوا اور رہنما وغیرہ تھے۔ اور شبلی پر ایک الزام یہ ہمیشہ سے لگتا آیا ہے کہ وہ سوانح نگاری کے لوازم کو تاریخی اجزاء کے ساتھ خلط ملط کر دیتے ہیں۔ جس کی وجہ سے ان کی سوانح نگاری تاریخ کے ضمن میں شامل ہونے لگتی ہے۔ ان کی سوانح نگاریاں کچھ اس طرح ہیں، الغزالی، الفاروق، المامون، النعمان، سوانح مولانا روم، حیات سعدی، حیات حافظ، سیرۃ النبی وغیرہ قابل ذکر ہیں، ڈاکٹر سید شاہ علی حالی اور شبلی کی سوانح نگاری کے تعلق سے لکھتے ہیں:

> ''یہ دونوں مصنف اپنی تمام کوتاہیوں کے باوجود اردو سوانح نگاری کے امام اور ان کی سوانحی تصانیف اردو ادب کا ایک وقیع حصہ ہیں اور دوسری زبانوں کے ادب کے مقابل اردو ادب کی سربلندی کا باعث ہیں۔''(10)

انھیں دونوں مذکورہ بالا ادباء اور بزرگوں کے نقش قدم پر چلتے ہوئے عبدالحلیم شرر نے بھی کئی سوانحی عمریاں تصنیفات کیں اور انھیں شخصیات پر قلم اٹھایا جو ان کے نزدیک ممتاز اور متاثر کن تھے۔ جن کو وہ اپنے اور لوگوں کے لئے اصلاح کا ذریعہ سمجھتے تھے۔ شرر نے بہت ساری سوانح عمریاں تحریر کی ہیں اور اس میں وہ کس حد تک کامیاب ہوئے یہ تو ان کا قاری ہی بتا سکتا ہے، لیکن اپنے ان دونوں بزرگوں سے کافی متاثر تھے۔ گرچہ یہ حقیقت ہے کہ آپ فن سوانح نگاری میں ان کے مقام تک نہیں پہنچ سکتے۔ لیکن جب بھی سوانح

کی تاریخ رقم کی جائے گی،اس میں شرر کا نام جلی حروف میں لکھا جائے گا۔

اردو ادب کے معیار کو شرر نے اپنے ان رشحات قلم سے پروان چڑھایا ہے،شرر نے جو سوانح عمریاں تحریر کیں ہیں،مندرجہ ذیل میں ان کا ذکر کیا جا رہا ہے، پھر اس کے بعد ان سوانح عمریوں پر تفصیل سے گفتگو کی جائے گی اور ان کا تجزیاتی مطالعہ بھی پیش کیا جائے گا۔

سوانح عمریاں:

ثانی اثنین، ذی النورین ،ابوبکر شبلی، سوانح عمری خواجہ معین الدین چشتی،امام شافعی کا سفرنامہ، جنید بغدادی،سکینہ بنت حسین،قرۃ العین،حسن بن صباح صد پارۂ دل،ناموران عالم،گروہ مشاہیر،مخدرات،ملکہ زنوبیہ،جان عالم،مانی کی سوانح عمری۔

عبدالحلیم شرر کی مذکورہ بالا سوانح عمریاں ہیں،ان کے علاوہ بھی شرر کی بہت ساری شخصیات پر تحریریں موجود ہیں،لیکن اس مقالے میں کچھ اہم شخصیات کی سوانح عمریوں کو پیش کیا جائے گا،اس لیے کہ تمام لوگوں کی سوانح عمریوں کا احاطہ تفصیل کے ساتھ اس مقالے میں ممکن نہیں ہے،لہٰذا درج ذیل کے سطور میں ایک ایک کر کے شخصیتوں کی سوانح عمریوں کا تجزیہ کرنے کی کوشش کی جائے گی۔

ثانی اثنین:

یہ سوانح عمری حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی حیات طیبہ پر مشتمل ہے۔اصل میں یہ شرر کا ایک محققانہ لکچر تھا جو انھوں نے کسی مجمع میں پڑھا تھا،جیسا کہ اس کتاب کے ابتدائی سطروں سے معلوم ہوتا ہے۔ لیکن بعد میں لوگوں کے اصرار پر اس کو کتابی شکل دے کر 1925 میں دلگداز پریس لکھنؤ سے حکیم سراج الحق کے حکم سے شائع کیا گیا۔یہ کتاب 58 صفحات پر مشتمل ہے۔

شرر نے اس کے علاوہ اور بہت سی شخصیات پر سوانح عمریاں لکھی ہیں،اس سوانح سے پہلے بھی بعض سوانح عمریاں لکھی گئی ہیں۔لیکن میں نے اس کا انتخاب اس لیے سب سے پہلے کیا کہ جن لوگوں کی شخصیتوں پر شرر نے خامہ فرسائی کی ہے،ان میں پہلا مقام رسول رحمت کے بعد انھیں کا ہے۔ایک بات یہ بھی واضح کرتا چلوں کی شرر نے کیوں اس کا نام ثانی اثنین‘‘ رکھا ہے،تو اس کا ذکر شرر کتاب کے اندر خود کرتے ہیں کہ جب اللہ کے

رسول کو ہجرت کا حکم ہوتا ہے تو آپ ابوبکر کو بھی اپنے ساتھ لے کر نکلتے ہیں اور تین دن تک جبل ثور کے غار میں آپ کی مصاحبت میں رہتے ہیں۔ اچانک تیسرے دن دشمنوں کے کچھ افراد غار کے دہانے پر پہونچ جاتے ہیں اور ابوبکر کو یہ فکر لاحق ہوتی ہے کہ یہ ہمیں کہیں دیکھ نہ لیں۔ خوف اور غم کے عالم میں مبتلا ہو جاتے ہیں ان کی یہ کیفیت دیکھ کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کو تسلی دیتے ہوئے اس آیت کی تلاوت فرماتے ہیں۔

ثانی اثنین اِذھما فی الغار اذ یقول لصاحبه لا تحزن اِن الله معنا (11)

اسی آیت کو پیش نگاہ رکھتے ہوئے شرر نے اس سوانح عمری کا نام ثانی اثنین رکھا ہے۔

اس سوانح کی ابتدا شرر ابوبکر کی وفات کے اقتباس سے کرتے ہیں اور یہ بتانے کی کوشش کرتے ہیں کہ اس دنیا سے ہر ایک کو رخصت ہونا ہے اور آپ کے اعمال و اخلاق کی طرح ہمیں بھی اپنی فکر کرنی چاہئے۔

اقتباس ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''آج کی تاریخ ایک حیثیت سے غم کا دن ہے، اور ایک حیثیت سے خوشی کا دن، غم کا دن اس لیے کہ اسی دن اور آج ہی کی تاریخی رات کے وقت مغرب وعشاء کے درمیان اولین جانشین مسند رسالت و بہترین زینت بخش، سریر خلافت حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ ساری دنیائے اسلام کو مبتلائے غم و حرماں چھوڑ کے دنیا سے سدھارے اور فردوس بریں کی راہ لی اور یہی خوشی کا دن اس لیے ہے کہ یار غار رسول ابرار رسالت کی خدمت اور نبوت کی خلافت کے تمام حقوق بوجہ احسن ادا فرما کے ساری دنیا میں کلمہ لا الہٰ الا اللہ کا نعرہ بلند کرا کے، اپنی سراپا خیر و برکت زندگی کو ہر قسم کے دینی و دنیوی فضائل سے آراستہ و مکمل فرما کے، خوش خوش اس جوار رحمت میں پہنچ گئے جس کے شوق میں زمانہ خلافت بھر بے تاب و بے قرار رہے۔''(12)

اس اقتباس سے معلوم ہوتا ہے کہ شرر نے یہ لکچر حضرت ابوبکر کی وفات کے دن دیا تھا۔

اس سوانح میں حضرت ابوبکر کی تاریخ پیدائش سے لے کر آپ کی زندگی کے بے شمار فضائل و مناقب اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور ابوبکر کا ایک دوسرے سے محبت و ایثار، احادیث صحیحہ کی روشنی میں شرر نے پیش کیا

ہے، رسول رحمت و ابوبکر کا شجرۂ نسب ساتویں پشت میں جا کر ایک ایک دوسرے سے مل جاتا ہے، اس سوانح میں ابوبکر کی اتقاء اور پرہیزگاری انکساری و فروتنی کے بے شمار واقعات قلم بند کیے ہیں انھیں میں سے ایک واقعہ بطور نمونہ پیش خدمت ہے:

''ایک دن ایک مرغی کو دیکھا کہ ایک درخت کے سایہ میں کھڑی ستا رہی ہے، ٹھنڈی سانس لی اور فرمایا: او مرغی: تو کیسی خوش نصیب ہے کہ درخت کے پھل پتوں کو کھاتی ہے اس کے سائے میں آرام لیتی ہے اور کوئی حساب و کتاب تیرے ذمہ نہیں۔ کاش ابوبکر بھی تجھ سا ہوتا۔'' (13)

اسلام سے پہلے کے حالات اور رسول برحق کی صحبت آپ کے ساتھ ملک شام غلاموں کی تجارت کے لیے جاتا۔ کے ساتھ نیک برتاؤ اور انھیں آزاد کرنے کے بیسیوں واقعات کو شرر نے ذکر کیا ہے، اسلام کے آغوش میں آنے کے بعد ابوبکر اور مکہ میں رہنے والے مسلمانوں کے حالات غلاموں اور ہجرت کے واقعات کو شرر نے تفصیل سے قلمبند کیا ہے۔ اسی طرح اللہ کے رسول کی وفات کے بعد جانشین رسالت کے وقت جو حالات اور ماحول پیدا ہو گئے تھے کس طرح سے ابوبکر کو خلافت سے سرفراز کیا گیا اور اس کے بعد مرتدین اسلام سے لڑائیاں ان تمام واقعات و سانحات کو شرر نے اپنے سادہ آسان و سلیس اسلوب میں قاری کے سامنے پیش کر دیا ہے، جس میں کسی قسم کی دقت اور پیچیدگی نہیں پائی جاتی، بلکہ اس سوانح کو قاری آسانی سے پڑھ اور سمجھ سکتا ہے۔ یہ سوانح معلومات کا ذخیرہ معلوم ہوتی ہے اس کا مطالعہ کرنے کے بعد ابوبکر اور ابتدائے اسلام اور بعد کے احوال کو بآسانی سمجھا جا سکتا ہے۔

آخر میں شرر نے اس سوانح عمری کا اختتام کرتے ہوئے ان لوگوں پر طنز کیا ہے اور انہیں سخت سست گردانا ہے، جو اس عظیم شخصیت کے تعلق سے غلط فہمی لوگوں کے اندر پیدا کر رہے تھے لکھتے ہیں:

''یہ تھی حضرت ابوبکر کی ذات ملکوتی صفات اور یہ ہیں دین اسلام اور امت محمدی پر ان کے احسانات جو رہتی دنیا تک قائم و برقرار رہیں گے، مگر دنیا کتنی بڑی کافر نعمت اور ناسپاس ناشکر اور محسن آزار ہے کہ ایسے قدسی صفات بزرگ کو بھی لوگ برا کہتے اور

گالیاں دیتے ہیں افسوس یہ نفوس قدسیہ اس قابل تھے؟

اوراعلاء کلمۃ اللہ اور اشاعت دین کا صلہ مسلمانوں سے یہی ملنا چاہئے تھا؟

قیل اِن الالہ ذوولد قیل ان الرسول قد کھناً

مانجی اللہ والرسول معا من لسان الوری فکیف أنا؟

یعنی لوگوں نے خدا کو تہمت لگائی کہ اس کے بیٹا ہے۔رسول کے بارے میں کہا کہ وہ کاہن وساحر ہیں خلقت کی زبان سے جب خدااور رسول بھی نہ بچ سکے تو پھر کسی کی کیا ہستی ہے۔'' (14)

اس سوانح میں شرر نے حوالہ وغیرہ کا ذکر نہیں کیا ہے کہیں کہیں بعض چیزوں کا ذکر کرتے ہیں مثلا کہتے ہیں کہ یہ بخاری کی حدیث ہے، مسلم کی حدیث ہے،اوراسی طرح بعض واقعات کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔کہ میں نے اس کو کتاب النصرہ سے اخذ کیا ہے۔اس سے معلوم ہوتا ہے کہ شرر نے اس سوانح کو تیار کرنے میں قرآن وحدیث اور تاریخ وسیر کی مختلف کتابوں سے استفادہ کیا ہے۔جس طرح وہ باقی کتابوں میں حوالات کا ذکر کرتے ہیں، یہاں انھوں نے ذکر نہیں کیا ہے۔

ذی النورین:

شرر کی یہ سوانح عمری بھی ان کے لیکچر کا ایک حصہ تھی، جو لوگوں کے سامنے پیش کیا گیا تھا، قارئین کے اصرار اور عوام الناس کے فائدے کی خاطر بعد میں اسے کتابی شکل میں شائع کیا گیا،اس سوانح عمری کا نام شرر نے ''ذی النورین'' رکھا ہے ۔اس کی اہم وجہ یہ تھی کہ آپ کی زوجیت میں رسول برحق کی دوصاحبزادیاں حضرت رقیہ اور ام کلثوم رضی اللہ عنھما آئیں تھیں، اسی وجہ سے آپ اس لقب سے مشہور ومعروف ہوگئے تھے یہ شرف وعزت صرف پوری امت میں آپ ہی کو حاصل تھا، شرر نے اس سوانح عمری کا عنوان اسی لیے ذی النورین رکھا، اس سوانح عمری میں عثمان غنی کے سچے اور مستند ومعتبر واقعات کو شرر نے تاریخ وسیر کی کتابوں کو سامنے رکھ کر نقل کیا ہے، شرر نے اس سوانح عمری میں آپ کا شجرۂ نسب پانچویں پشت میں جا کر رسول اللہ سے ملایا ہے آپ کی اور دیگر رشتہ داریاں اللہ کے رسول کے ساتھ تھیں۔مثلا آپ کی

والدہ اللہ کے رسول کی پھوپھی مسلم بنت عبدالمطلب کی صاحبزادی تھیں۔شرر نے اس سوانح میں آپ کے ابتدائی حالات اسلام سے قبل اور اسلام کے بعد کی بیان کی ہیں۔اسی طرح آپ کی خلافت ،فتوحات ، شہادت اور صحابہ کے اقوال آپ کے سلسلے میں آپ کے فضائل ومناقب اور کرامات وغیرہ کا بیان تفصیل کے ساتھ کیا گیا ہے۔باقی سوانح عمریوں اور تصنیفات کی طرح شرر نے اس کا بھی اسلوب عام فہم، سادہ اور سلیس زبان میں پیش کیا ہے۔جس کو عام قاری بآسانی سمجھ سکے اور اس کے مطالعہ کے ذریعہ علم میں مزید اضافہ کر سکے۔

ابوالحسنین:

شرر کی یہ سوانح عمری حضرت علی رضی اللہ عنہ کے سلسلے میں ہے یہ بھی شرر کا ایک خطاب عام تھا اور شرر خلفائے راشدین کے سلسلے میں ان کے احوال وصفات اور خصائص کو قلم بند کر کے لوگوں کے سامنے لانا چاہتے تھے،اس سوانح عمری کی ابتدامیں شرراس تعلق سے خود بیان فرماتے ہیں:

> ''میری کوشش ہے کہ حضرت خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم اجمعین کی وفات کی تاریخوں کو ان کے ذکر اور ان کی یاد سے زندہ کیا کروں، چنانچہ 21 جمادی الآخر کو حضرت صدیق اکبر کے حالات اور آپ کے عہد کے واقعات آپ کے سامنے پیش کئے تھے،حضرت فاروق اعظم اور حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی شہادت کے واقعات ذی الحجہ کے مہینے میں پیش آئے۔لہٰذا وہ اس مہینے میں آپ کو سنائے جائیں گے،حضرت علی کی شہادت رمضان مبارک کے عشرہ اخیر کے آغاز میں ہوئی۔مگر ان دنوں روزے کی وجہ سے مجھے مناسب معلوم نہ ہوا کہ مسلمانوں کو تکلیف دوں۔میں اگر تکلیف دیتا بھی تو اکثر حضرات آنے میں تامل فرماتے اور آتے بھی تو پریشان رہتے،اس خیال سے میں نے اس کار خیر کو رمضان میں ملتوی رکھا اور اب آپ کو زحمت دیتا ہوں کہ حضرت علی کے کچھ حالات میں نے قلم بند کیے ہیں پیش کروں۔''(15)

شرر کے اس اقتباس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ بھی ان کے خطاب اور لیکچر کا ایک حصہ تھا، جسے بعد میں

ازراہ فائدہ شائع کیا گیا۔شرر کی یہ کتاب دلگداز پریس لکھنؤ سے 1925ء میں حکیم سراج الحق کے حکم سے شائع کیا گیا تھا۔

یہ کتاب 74 صفحات پر مشتمل ہے، اس میں ابواب اور فصلوں وغیرہ کا ذکر نہیں کیا گیا ہے۔شرر نے حضرت علی کی جامع الحیثیات شخصیت کا خاکہ اور تصور کشی خوبصورت انداز میں کی ہے۔آپ کے ہر قول و فعل اور عمل کو قاری کے سامنے بہت ہی بہترین انداز میں پیش کیا ہے۔

آپ کی پیدائش سے لے کر وفات تک کے احوال کو شرر نے بالتفصیل سے ذکر کیا ہے۔

اسلام سے پہلے آپ کے احوال واذکار اور اسلام لانے کے بعد کے حالات نیز آپ کے فضائل و مناقب اور خلافت وغیرہ کا ذکر کرتے ہوئے جنگ جمل جنگ صفین اور جن معرکے اور غزوات میں آپ کی شرکت ہوئی اور وہاں پر آپ نے جو بہادری اور جواں مردی کے جوہر دکھائے ان تمام واقعات کو تفصیل سے بیان کیا گیا ہے۔ابتدا ہی میں آپ کی کنیت لقب نیز حضرت فاطمہ سے نکاح وغیرہ کے احوال کو شرر نے بیان کیا ہے اس سوانح عمری میں شرر نے آپ کے سیرت وکردار اور شخصیت کے ہر پہلو کے پرتو اور عکس کو بیان کیا ہے جس سے ان کی شخصیت مکمل طور سے قاری کے سامنے آشکار ہو جاتی ہے۔اس سوانح عمری میں شرر نے تمام معلومات، روایات صحیحہ اور ان کے تعلق سے جو احادیث واقوال وغیرہ منقول ہیں۔انھیں بیان کیا ہے اور لوگوں کے بہت سارے شکوک وشبہات کا ازالہ بھی کیا ہے۔اس سوانح میں شرر نے اپنا انداز بیان بہت سادہ اور عام فہم زبان کا استعمال کیا ہے۔لیکن وہیں دوسری جانب شرر کی یہ سوانح معلومات اور علمی ذخائر سے پر ہے۔

ابوبکر شبلی:

ابوبکر شبلی شرر کی وہ سوانح عمری ہے جس کو انھوں نے سلسلۂ مشاہیر اسلام نمبر 2 میں جگہ دی ہے اس کے اندر شرر نے تصوف، اخلاق، عادات، جذبات، تعلیمات اور اقران وتلامذہ سے بحث کی ہے جیسا کہ شرر خود ان تمام چیزوں کو کتاب کے صفحہ اول پر درج کئے ہوئے ہیں۔یہ کتاب 1907ء میں دلگداز پریس لکھنؤ میں چھپ کر شائع ہوئی یہ سوانح عمری 155 صفحات پر مشتمل ہے۔شرر کی یہ سوانح ان کی دیگر سوانح عمریوں سے

قدرے ضخیم ہے۔اس کی ابتدا عبدالحلیم شرر لفظ ڈیڈی کیشن سے کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''یوں تو دولت آصفیہ، حیدرآباد دکن سے ہر فن اور ہر مفید کوشش کو مدد ملتی ہے، مگر عالی جناب یمین السلطنۃ، سر مہاراجہ کشن پرشاد بہادر شاد پیشکار ومدار المہام سرکار عالی دام اقبالہ کو جو خاص دلچسپی فن تصوف سے اور جیسی عقیدت بزرگان صوفیہ سے ہے، اس کے لحاظ سے میں اپنا فرض تصور کر کے اس کتاب کو بہ کمال ادب جناب محتشم الیہ کے نام نامی سے معنون کرتا ہوں۔

گر قبول اُفتد زہے عزو شرف

خاکسار محمد عبدالحلیم شرر'' (16)

اس اقتباس سے معلوم ہوتا ہے کہ شرر کی زبان وبیان کتنی سلیس سادہ و شگفتہ ہے۔ شرر اگرچہ لکھنؤ سے تعلق رکھتے تھے۔لیکن ان کی تحریروں میں ہمیں بہت کم لکھنؤ کا اسلوب دیکھنے کو ملتا ہے۔جس میں تصنع بذلہ سنجی اور بوالہواسی موجود رہتی تھی لیکن شرر کی تحریریں اکثر ان تمام چیزوں سے منزہ اور پاک وصاف نظر آتی ہیں۔اس کتاب کو شرر نے دولت آصفیہ میں بڑے عہدے پر فائز مہاراجہ کشن پرساد کے نام سے معنون کیا ہے۔

اس کے بعد شرر ''التماس'' نام کا عنوان قائم کرتے ہیں اور اس میں ان تمام چیزوں کا ذکر کئے ہیں کہ ایک سوانح عمری کو لکھنے میں کتنی عرق ریزی اور دماغ سوزی کرنی پڑتی ہے۔اس کے بعد وہ شکر و امتنان کے کلمات سے شمس العماء مولانا شبلی نعمانی، نواب سید علی حسن خان بہادر اور مولانا محمد عبدالباری فرنگی محلی وغیرہ کے لئے پیش کرتے ہیں۔اس کے بعد شرر نے جن کتابوں سے مضامین اخذ کیے ہیں ان کے صفحات وغیرہ کا بھی ذکر کیا ہے۔اور کہاں سے شائع ہوئی، ان تمام نکات کو شرر نے واضح انداز میں بیان کر دیا ہے۔شرر نے ان کتابوں کی فہرست مع مصنفین دے رکھی ہے۔ مثلا، رسالہ قشیریہ طبقات الکبریٰ، مراۃ الجنان روض الریاحین فی حکایات الصالحین، وفیات الاعیان طبقات الشافعیہ الکبری، تلبیس ابلیس، تاریخ الکامل، عوارف المعارف، تذکرۃ الاولیاء، بوستان، لٹریری ہسٹری آف پرشیا۔ان تمام کتابوں سے استفادہ کر کے شرر نے اس سوانح عمری کو ترتیب دی ہے۔اس فہرست سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ شرر نے اس کتاب کی تالیف میں کس

قدرعرق ریزی اور محققانہ جستجو سے کام لیا ہے۔

اس کے بعد شارح نے اس سوانح عمری میں فہرست مضامین کا بھی ذکر کیا ہے اور عناوین دے کر اس سوانح عمری کو پایۂ تکمیل تک پہونچایا ہے۔اس کے مضامین کچھ اس طرح سے ہیں:

تمہید:

- ولادت، خاندان اور تعلیم
- سن رشد ملازمت اور دنیوی عروج
- درس گاہ معرفت
- پیرومرشد
- مزاج، خصائل، اخلاق و عادات
- محویت اور ذوق وشوق
- الہامات صفائے باطن اور دنیا کی ادنیٰ ادنیٰ چیز سے عبرت وتاثر
- ذوق سخن اور آپ کی شاعری
- آپ کے سفر
- سماع اور صحبت حال وقال
- تعلیم اور طرز تعلیم
- آپ کی مخالفت
- فیض یابان صحبت
- وفات
- معرفین کمال
- حکم

خاتمہ

خاتمہ الطبع (17)

شرر نے اس شخصیت کے تعلق سے مذکورہ بالا موضوعات پر تفصیل سے روشنی ڈالی ہے۔

اس کتاب کی ابتدا شرر بڑے ہی ڈرمائی انداز میں کرتے ہیں کہ قاری اگر اس کتاب کی تمہید کا صفحہ اول پڑھ لے تو پوری کتاب کے مطالعہ سے وہ اپنے آپ کو نہیں روک سکتا ہے۔ لہٰذا نمونے کے طور پر چند سطور پیش خدمت ہیں:

''ہجرت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی تیسری صدی کے ربع اخیر میں ایک دن کا واقعہ ہے کہ دارالسلام بغداد، دلہن بنا ہوا تھا۔ عباسی خلیفہ امیر المومنین المعتضد باللہ کے کسی جشن کی تیاریاں ہو رہی تھیں۔ عیش عشرت کی چہلیں ہیں اور شان وشوکت کے کرشمے نظر آ رہے ہیں۔ تمام والیان ملک شاہی جشن میں شریک ہونے اور نذریں پیش کرنے کے لئے طلب کیے گئے ہیں۔ جو حاضر دربار خلافت ہوئے آداب بجالائے ہیں اور گراں بہا خلعتوں سے سرفراز ہو کے عباسی سریر شہریاری کے سامنے مودب کھڑے ہوئے ہیں۔ اتنے میں اتفاقاً کسی بدنصیب والی ملک کو چھینک آ گئی اور ناک سے کچھ رطوبت نکل پڑی ،رومال اس وقت موجود نہ تھا، گھبرا کے اسی خلعت کے دامن میں جو ابھی مرحمت ہوا تھا ،ناک پاک کر لی، شامت اعمال سے یہ بدتمیزی کی حرکت خلیفہ نے دیکھ لی۔ فوراً عتاب ہوا، حسب فرمان خلافت وہ گراں بہا خلعت چھین لیا گیا۔ گورنری کی خدمت سے بھی معزول ہوا اور بے عزتی کے ساتھ دربار سے نکالا گیا۔ خلیفہ کے اس عتاب اور برہمی کو دیکھ کر کل حاضرین دربار کانپ گئے اور خائف تھے کہ کہیں ہم سے بھی کوئی بدتمیزی کی حرکت نہ صادر ہو جائے، سارے دربار پر سناٹا طاری تھا اور سب سہمے ہوئے اپنے اپنے انجام پر غور کر رہے تھے مگر انھیں میں ایک صاحب دل پاک طینت اور خدا ترس رئیس زادہ بھی تھا جو نہاوند کی ولایت پر سرفراز تھا۔ اس عتاب شہنشاہی نے اس کے دل میں بجائے دنیوی انجام کے ایک دوسری فکر پیدا کر دی.....................فوراً استعفیٰ لکھ کے بارگاہ خلافت میں پیش کر دیا۔ نہاوند کی حکومت کو آگ لگائی، ملازمت سے آزادی

حاصل کی۔اور کسی ایسے پاک باطن شیخ زمانہ کی تلاش میں چل کھڑا ہوا، جس کے ہاتھ پر
توبہ کرے اور جس کی تعلیم وتلقین سے یقین وعرفان کی بارگاہ ازلی میں رسوخ حاصل
کرے یہ حضرت شیخ ابوبکر شبلی رحمۃ اللہ ہیں۔'' (18)

شرر اس تمہید کے ذریعہ ابوبکر شبلی کا تعارف اس انداز میں کرتے ہیں کی قاری خود بخود اس سوانح عمری کی جانب مائل ہو جائے۔ اس کے بعد شرر ان کی ولادت وخاندان، دنیا وآخرت کے عروج وزوال کا تذکرہ پیش کرتے ہوئے درس گاہ معرفت اور مذکورہ بالا عناوین کی تفصیل سے ذکر کرتے ہیں۔ سوانح عمری کے اخیر میں شرر ابوبکر شبلی کا ذکر خیر کرتے ہوئے ان سے کس قدر مانوس نظر آتے ہیں، لکھتے ہیں:

'' آپ ایسے باکمال اور ایسے غریق دریائے معرفت تھے۔حضرت شیخ ابوبکر شبلی رحمۃ اللہ
،اور افسوس کہ ان کا ذکر خیر بھی ختم ہوگیا۔ اگر چہ ابھی جی نہیں بھرا، جی چاہتا ہے ذکر خیر
ہوتا رہے۔اور یہ سلسلہ ربرابر قائم رہے۔ کیوں کہ شبلی کو حضرت رب العزت کے ذکر
میں جو ذوق وشوق تھا اس نے خود ان کے تذکرے میں ایک مزہ پیدا کر دیا اور یہی مزہ
ہے جس نے اس محترم نام کو دنیائے اسلام میں عزیز بنا دیا۔'' (19)

اس اقتباس سے معلوم ہوتا ہے کہ شرر کس قدر ان کی شخصیت سے مرعوب اور متاثر تھے اور اسے کتنی محنت اور جدوجہد کے ذریعہ پایہ تکمیل کو پہونچایا، لیکن اس کے باوجود بھی وہ اس میں کچھ خلش اور کمی محسوس کر رہے تھے ان کو مزید خوشی ہوتی اگر ان کا ذکر خیر مسلسل چلتا رہتا۔

شرر کی یہ کامیاب سوانح عمریوں میں شمار کی جاتی ہے۔ اس کا اسلوب نگارش شگفتہ اور سلیس ہے۔ اس کے نمونے مندرجہ بالا صفحات میں جگہ جگہ اقتباس کی شکل میں تحریر کئے گئے ہیں۔ اس سے ان کے اسلوب بیان کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے اور اس جیسی عظیم شخصیتوں کے ذکر کا مقصد ومطلوب یہ ہے کہ ہمارے معاشرے اور خاص کر نوجوان نسل کی آبیاری ہو سکے۔

جنید بغدادی:

عبدالحلیم شرر بزرگان دین اور مشائخ صوفیہ کا تذکرہ حصول ثواب اور برکت کی خاطر کرتے ہیں اور

دوسری جانب ان کا یہ بھی مقصد تھا کہ ہماری شاعری ونثر وغیرہ میں ان کا تذکرہ بار بار آتا ہے لیکن ہمارے بر صغیر کے لوگ ان کی شخصیت وعظیم کارناموں سے نابلد ہیں، شرر لکھتے ہیں:

''حصول برکت کے لئے میں نے سب سے پہلے مشائخ صوفیہ کو منتخب کیا ہے۔جن میں سے حضرت جنید بغدادی، ابوبکر شبلی، بایزید بسطامی ابراہیم ادھم اور حسن ابن منصور حلاج وغیرہ کے نام ہماری نظم ونثر میں بار بار آتے ہیں مگر جن کی زبان پر یہ نام آتے ہیں انھیں میں سے اکثر ان کے حالات سے بالکل بے خبر ہیں۔'' (20)

مشاہیر اسلام کے ضمن میں ''حضرت جنید بغدادی'' کی سوانح عمری کا ذکر کیا گیا ہے۔یہ سوانح عمری 1923ء میں دلگداز پریس لکھنؤ منیجر حکیم سراج الحق کے حکم سے شائع ہوئی یہ کتاب 124 صفحات پر مشتمل ہے۔

اس کتاب کو شرر نے بہت جستجو اور تحقیق وتنقید سے لکھی ہے۔اس میں سید الطائفہ جنید بغدادی کی سوانح عمری آپ کے دلچسپ حالات، تصوف، اور آپ کی تعلیمات، آپ کے اقران وتلامذہ کا تفصیل سے ذکر کیا گیا ہے۔شرر اپنی اس سوانح عمری کو اپنے محبوب اور عزیز خیر خواہ نواب سلطان الملک بہادر کے نام سے انتساب کیا ہے۔اس سلسلے میں شرر لکھتے ہیں:

''عالی جناب نواب سلطان الملک بہادر دام اللہ مکارم اخلاق جیسی عنایت اس فقیر کے حالا پر فرماتے رہے ہیں۔اور جو محبت انھیں اپنے اس ادنی خادم کے ساتھ ہے، اس کی یادگار میں اس کتاب کو میں انھیں کے مبارک نام سے معنون کرتا ہوں۔'' (21)

اس سوانح عمری میں شرر جنید بغدادی کے احوال واذکار سے پہلے تصوف کی اصلیت اور اس کی تاریخ کا اختصار کے ساتھ تذکرہ کرتے ہیں۔اس کے بعد ان کے مرشد اعلی ''سری سقطی'' کے علم وتقوی اور زندگی کے کچھ احوال وواقعات کا ذکر کرتے ہیں اس سوانح عمری میں شرر نے جنید بغدادی کے احوال کو ابواب میں تقسیم کر کے بیان کیا ہے۔ جیسے تصوف، ولادت، بچپن اور تعلیم علوم باطن کی تحصیل، ارادت اور معرفت سفر، عام حالات زندگی، کرامات اور اوضاع واطوار، سماع اور صحبت حال وقال، طرز تعلیم، ابنائے زمانہ کی مخالفت، اقران وتلامذہ، وفات، معرفین کمال اور حکم وغیرہ کا ذکر شرر نے بڑی بسط وتفصیل کے ساتھ بیان کیا ہے۔

شرر آپ کی شخصیت کا پرتو بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''مشائخ صوفیہ کی محبت کا مرجع ومرکز آپ کی ذات تھی۔آپ کی وفات کے ساتھ ہی بغداد کے اہل ذوق کا وہ مجمع ٹوٹ گیا اور گو بڑے بڑے اہل دل ولی اللہ پیدا ہوئے۔مگر جنید کے زمانے کی سی پاک وصاف صحبت اولیاء پھر آنکھوں کو دیکھنا نصیب نہ ہوئی۔''(22)

شرر نے اس سوانح عمری کو لکھنے میں بہت ساری کتابوں کا دراسہ کیا ہے۔تب جا کر وہ اس سوانح عمری کو مکمل کرنے میں کامیاب ہوئے ہیں۔ان میں چند اہم کتابوں کے اسماء یہ ہیں۔

وفيات الأعيان	ابن خلكان
كتاب الفهرست	ابن نديم
تلبس ابليس	ابن جوزى
نفخات الانس	مولانا جامى
تذكرة الأولياء	شيخ فريد الدين عطار
مراة الجنان	يافعى
رسالة قشيريه	علامه قشيرى
عوارف المارف	شيخ شهاب الدين سهرودى،

روض الرياحين فى الحكايات الصالحين، يافعى ابن يثير

شرر اپنی اس سوانح عمری کو بہت اہم اور عظیم تصور کرتے تھے اور اس کے اسلوب بیان کو شرر نے رواں دواں اور شگفتہ تحریر میں رقم کیا ہے۔قاری کو تفہیم میں کسی قسم کی دقت اور پریشانی نہیں معلوم ہوتی۔قاری اس کے مطالعہ سے جنید بغدادی کے محاسن، فیوض وبرکات اور ان کی حیات میں پیش آنے والے اکثر وبیشتر واقعات سے سبق حاصل کرسکتا ہے۔

قرۃ العین:

عبدالحلیم شرر کی ایک اور معروف و مشہور سوانح عمری قرۃ العین بھی ہے۔جس کو انھوں نے اپنے قارئین کے لئے خوبصورت انداز میں تحریر کیا ہے۔شرر کی یہ سوانح عمری سولہ صفحات پر مشتمل ہے۔اس کتاب کو مینیجر دلگداز حکیم سراج الحق نے 1923ء میں پریس دلگداز لکھنؤ سے شائع کرائی،شرر کی یہ سوانح عمری ایران کی ایک مشہور مجتہدہ زادی کے دلچسپ واقعات پر مشتمل ہے۔جسے قارئین نے خوب داد وتحسین سے نوازا ہے۔ اس شخصیت کی مکمل زندگی کے احوال کا ذکر شرر بڑے بے باکانہ انداز اور دلچسپی کے ساتھ اپنے قارئین کے سامنے پیش کرتے ہیں۔اس کا اصلی نام ''زرین'' بتاتے ہیں اور وہ کئی القاب و آداب سے مشہور تھی۔لیکن ان میں سب سے مشہور لقب جسے دنیا پہچانتی تھی وہ قرۃ العین تھا۔اس کے سلسلے میں شرر لکھتے ہیں کہ:

> ''یہ عورت کس طرح شہرت کی بلندیوں تک پہونچی۔بانی فرقہ بابیہ میرزا علی محمد باب کی زندگی ہی میں اس کے چند معتقدوں اور پیروکاروں نے ہنگامے پیدا کردیئے اور سلطنت عجم کو بڑے خوفناک خطروں میں ڈال دیا ان میں سب سے خطرناک ہنگامہ ایک پری جمال مجتہدزادی کا تھا جو قرۃ العین کے لقب سے مشہور تھی۔اس حسینہ وجمیلہ کا اصلی نام زرین تاج تھا۔مگر دنیا میں زیادہ تر قرۃ العین کے نام سے مشہور ہے۔اس لیے کہ علی باب وفور محبت سے اسے اپنے خطوں میں قرۃ العین ہی کے لقب سے یاد کیا کرتے تھے ۔پھر بابیوں نے اسے تعظیما وتکریما بدرالدجیٰ اور شمس الضحیٰ کے خطابوں سے یاد کرنا شروع کیا۔اس کے بعد جب بہار کا زمانہ آیا تو اس نے محشرزاد عورت کو صدیقہ طاہرہ کے الفاظ سے یاد کرنا شروع کیا۔ مگر یہ سب القاب مع اس کے اصلی نام زرین تاج کے مختلف زبانوں اور صحبتوں کا تک محدود رہے لیکن قرۃ العین کے لقب کو اس قدر شہرت ہوئی کہ آج تک ہر جگہ تذکروں اور تاریخوں میں اسی نام سے یاد کی جاتی ہے۔''(23)

شرر اس عورت کے حسب ونسب اور اس کا خانوادہ کس قدر علم سے بہرہ ور تھا اس سلسلے میں لکھتے ہیں۔

> ''یہ عورت قزدین کے ایک فاضل اجل اور جامع علم وعمل عالم حاجی ملاّ صالح کی بیٹی

تھی۔ یہ خاندان کئی پشتوں سے علم وفضل میں نامور چلا آتا تھا اور ان دنوں ملاّ صالح سے بھی زیادہ مرجعت ومقبولیت ان کے مقدس ومحترم بھائی ملا محمد تقی کو حاصل تھی۔ جو ایران کے ایک زبردست وبے بدل مجتہد تھے، اصول فقہ، علوم الٰہیہ میں یکتائے زمانہ مانے جاتے تھے۔ اہل قزوین ان کے ولی کامل ہونے کے معتقد تھے اور اکثر صحبتوں میں ان کی بہت سی کرامتوں کا چرچا تھا۔''(24)

قرۃ العین خود حدیث، تفسیر، اصول وفقہ کے علاوہ الٰہیات اور فلسفہ وغیرہ میں دست گاہ حاصل کی ہوتی تھیں۔ تبحر علمی حاصل ہو جانے کے بعد ان کا نکاح ان کے چچا ملاّ محمد تقی کے صاحبزادے ملاّ محمد کے ساتھ کر دیا گیا۔ وہ بھی تمام قسم کے علوم وفنون میں ماہر ہونے کے ساتھ ساتھ جوان صالح تھے اور وہ ہمیشہ اس بات پر نازاں رہے کہ ان کے جیسے عقل منداور ذی شعور تعلیم وتعلم سے آراستہ بیوی شاید دنیا میں کسی کو نصیب نہ ہو، اور یقیناً قرۃ العین ایک عدیم المثال اور جامع کمالات کے ساتھ ساتھ ماہ وش پری زادی تھیں، حسن وجمال اور دلفریبی کی پیکر مجسم معلوم ہوتی تھیں۔ ان کے رعب ودبدبہ کا یہ عالم تھا کہ اچھے اچھے سورما ان کے سامنے لب کشائی کی جرأت نہیں کرتے تھے۔

تعلیم کا جنون یہ تھا کہ بڑے بڑے علماء وفضلا سے وہ مناظرہ کرتی تھیں اور خدا نے زبان وبیان میں وہ تاثیر عطا کی تھی۔ کہ جس سے بھی محو گفتگو ہوں، اس کو اپنا گرویدہ بنا لیتی تھیں، وہ حافظ قرآن بھی تھیں۔ اللہ نے علم وعمل اور حسن وجمال، فہم وفراست تمام چیزوں سے نوازا تھا۔ لیکن دھیرے دھیرے اس کا ذہن تبدیل ہوا اور اس کے اپنے شوہر اور چچا وغیرہ کو قتل کرنے کا فتوی صادر فرما دیا یہ خبر سن کر ایک ہنگامہ برپا ہو گیا اور فرقہ بابیہ کے سردار سے اس کو قربت ہوگئی اور اس کے چاہنے والوں نے اس کے چچا کو موت کے گھاٹ اتار دیا، جس کی وجہ سے پورے شہر میں افراتفری کا ماحول ہو گیا۔ لوگ طیش میں آکر اس کے اور بابیوں کے قتل کے درپہ ہو گئے۔ یہ لوگ کسی طرح اپنی جان بچا کے قریہ بدشت میں پناہ لئے۔ وہاں پہونچ کر اس نے اپنی تمام حدوں کو عبور کر کے منظر عام پر آگئی اور ایک دن اس نے سب کو اکٹھا کر کے اسلام کے بنیادی اجزا سے دست بردار ہونے کی گذارش کی اور کہا، اس وقت تک اس پر عمل نہ کریں جب تک کہ کوئی دوسرا پیغام ان کے امام کی

طرف سے نہ آ جائے، شرر اس کے مجمع عام سے خطاب کا نقشہ بیان کرتے ہوئے رقم طراز ہیں:

''بے ہتما زرین تاج مسکراتی اور اپنی چشم فتان سے دلوں پر بجلیاں گراتی ہوئی چودھویں رات کے چاند کی طرح ممبر پر برآمد ہوتی، صورت دیکھتے ہی اکثر عقیدت کیش بابیوں کی زبان سے نکل گیا'' ماھذا البشر''؟ اب زرین تاج سب کی طرف دیکھتی ہوتی، اپنی سریلی نغمہ خیز اور جادو بھری آواز میں عجیب دلبری کے انداز سے کہا'' احباب واغیار'' یہ بابیوں کی عام اصطلاح تھی کہ ہم مذہبوں کو اپنے احباب اور عام مسلمانوں کو پرانے اغیار کے لفظوں سے یاد کرتے سنو! اور یقین جانو کہ حضرت باب کے ظہور سے شریعت محمدیہ کے تمام احکام منسوخ ہو گئے۔ لیکن شریعت بابیہ کے احکام بھی ابھی تک ہم تک نہیں پہونچے ہیں۔ لہٰذا یہ زمانہ فترت یعنی تعطل کا ہے۔ اور اس زمانے میں تمہارا روزہ، نماز، حج، زکوۃ اور تمام احکام محمد کے ذریعے ملے تھے۔ ان پر عمل کرنا بالکل لغو مہمل اور باطل ہے۔ اب ان منسوخ شدہ احکام پر بجز کسی جاہل اور احمق کے کوئی ذی ہوش ہر گز نہیں۔ (25)

اس نے اپنے اس خطاب میں اسلام کے تعلق سے بہت ساری باتوں کا استہزا کیا اور عورت کو خلوت سے جلوت کی طرف دعوت بھی دی، اور اسی طرح وہ مال میں تمام لوگوں کا تصرف چاہتی تھی کہ کسی بھی مال پر سب کا برابر کا حق حاصل ہے۔

اور وہ کہتی تھی کہ امیری اور غریبی کے فرق کو دنیا سے مٹا دو، سب یکساں زندگی گذاریں، اس کے بغاوت کا سلسلہ اس قدر بڑھا کہ ایک اس کو بہت ہی دردناک موت دے دی گئی ماہ شوال 1264ھ کو اسے ایک خچر کی دم سے باندھ کر اسکے انجام تک پہونچا دیا گیا۔

قرۃ العین کے والد اور بھائی وغیرہ قزوین چھوڑ کر ارض عراق کے جوار حسین میں قیام پذیر ہوئے اور یہیں پر عمر کا باقی حصہ کاٹ کر سفر آخرت کیا، شرر نے اپنی اس سوانح عمری میں ان لوگوں کو نشانہ بنایا ہے، جو تعلیم نسواں کا کھوکھلا نعرہ بلند کرتے ہیں اور ان سے کہتے ہیں کہ مذہب اسلام نے عورت کو شرافت ونجابت، آداب وقوانین، ان کے حقوق اور تعلیم تعلیم پر شروع ہی سے زور دیا ہے۔ لیکن ان کے لئے کچھ حدود وقیود

بھی لگائے ہیں۔ان قیود سے ان کی حق تلفی نہیں ہوتی ہے۔ بلکہ ان کی عزت وعصمت اور ایک صالح معاشرہ کی تشکیل کا وجود عمل میں آتا ہے۔

شرر اپنی اس سوانح عمری کے اخیر میں اپنے ملک کے عوام اور قارئین سے کہتے ہوئے لکھتے ہیں:

> ''زرین تاج کے واقعہ سے فی الحال ہندوستانیوں کو نہایت ہی ضروری سبق مل رہا ہے۔ یہاں تعلیم نسواں پر بہت زور دیا جارہا ہے اور ادھر دوچار سال سے گورنمنٹ کی خاص توجہ نے عورتوں کی تعلیم کا معیار بڑھانا شروع کردیا ہے۔لیکن ان کے جوش وجذبات وخیالات کی طرف سے عموماً بے پروائی کی جاتی ہے اور یہی چیز انتہا درجے کی خطرناک ہے خوب یادرکھو یا تو عورتوں کو بالکل جاہل رکھواور ہرگز نہ پڑھاؤ اگر پڑھاتے ہو تو ان کے مانگنے سے پہلے ہی ان کے حقوق ان کو دے دو''۔(26)

شرر نے یہ واضح کردیا ہے کہ ان کے ساتھ مساوات کیا جائے،ان کے حقوق کی پامالی نہ کی جائے،وہ خاتون خانہ ہوکر بھی بہت سارے امور کو انجام دے سکتی ہے اور دیتی بھی ہیں۔اس کے بے شمار مثالیں تاریخ کے اوراق پر کندہ ہیں۔شرر نے اخیر میں ان کے بہت سے فارسی کلام کا اردو ترجمہ بھی کیا ہے۔

شرر کی یہ سوانح اختصار کے ساتھ لکھی گئی ہیں۔لیکن ساتھ ہی ساتھ ایجاز اور شگفتہ بیانی کا اسلوب اپنے اندر رکھتی ہیں۔قاری حد درجہ اس سوانح عمری سے لطف اندوز ہونے کے ساتھ ساتھ ان سبق آموز واقعات کو اپنی زندگی میں اچھے طریقے سے بروئے کار لانے کی کوشش بھی کرتا ہے اور یہی شرر کا اصد مقصد اور اپنے قارئیں کے لئے واضح پیغام بھی ہے۔شرر اس کتاب میں حوالے وغیرہ کا ذکر نہیں کرتے ہیں۔ بلکہ وہ اس سوانح عمری کو ابتدا سے اخیر تک تسلسل کے ساتھ تمام حالات کا نقشہ بیان کرتے ہوئے آگے بڑھ جاتے ہیں۔

سکینہ بنت حسین:

شرر کی یہ سوانح عمری کافی سرخیوں میں رہی ہے۔اسے شرر نے قیام حیدرآباد کے دوران 1998ء میں ولایت سفر کی واپسی کے بعد دلگداز کو دوبارہ جاری کیا اور تقریباً گیارہ پرچے نکال نے کے بعد پھر دوبارہ سکینہ بنت حسین لکھنا شروع کیا۔اس مضمون کے منظر عام پر آتے ہی پورے حیدرآباد میں کہرام مچ گیا اور ان

کے خلاف لوگ سراپا احتجاج بن گئے انھیں حیدرآباد کے حدود سے باہر جانے کے لئے نظام حکومت سے مطالبہ کرنے لگے۔شرر کو حکومت کی جانب سے کوئی فرمان صادر نہیں کیا گیا۔لیکن خفیہ طریقے سے ان کو کہا گیا کہ آپ اس مضمون کومت لکھیئے۔لیکن شرر بھی بہت ضدی اور حقائق کو پیش کرنے میں ہر پریشانی او جوکھم کا مقابلہ کرنے کے لئے تیار تھے۔شرر نے کہہ دیا تھا کہ اگر مضمون بند ہوگا تو دلگداز کی اشاعت بھی نہیں ہوگی۔اور اپنے پرچے کی اشاعت ہی کو بند کردیا،اس واقعہ کے سلسلے میں شرر خود اپنے مجلّے میں لکھتے ہیں:

''ولایت سے واپس آنے کے بعد ہم نے 1898ء میں دلگداز جاری کیا۔لیکن گیارہ پرچے شائع ہونے پائے تھے(سکینہ بنت حسین) کی سوانح عمری پر جو دلگداز میں شائع ہورہی تھی،عوام کالانعام میں شورش پیدا ہوئی اگرچہ گورنمنٹ نظام کی اپنی روش خیال سے کسی قسم کی مزاحمت نہیں کی،مگر پرائیویٹ طور پر ہمیں یہ مشورہ دیا گیا کہ اس مضمون کے باقی حصے کو ہم روک دیں اور اس کے عوض دیگر مضامین شائع کریں۔مگر ہم اس کے متحمل نہ ہوسکے اور ہم یہ کہہ کے (دلگداز) ہی بند کردیا کہ جب سکینہ بنت حسین کا باقی حصہ شائع ہوگا تب ہی دلگداز بھی شائع ہوگا۔اس کے بعد پورے ایک برس ہم حیدرآباد میں رہے اور دلگداز بند رہا1900ء میں ہمیں نواب وقارالامراء نے کہا کہ جب تک ہم چاہیں لکھنؤ میں رہ کر ان کی خدمات بجالائیں،چنانچہ ہم لکھنؤ گئے اور سب سے پہلے وہاں پہونچ کر 1898ء کا بارہواں نمبر شائع کیا،جس میں حضرت سکینہ بنت حسین کی سوانح عمری کا باقی ماندہ حصہ تھا اور اس کے بعد جنوری 1900ء سے پھر اشاعت دلگداز کا سلسلہ لکھنؤ سے جاری ہوگیا''۔(27)

رام بابو سکسینہ اسی سوانح عمری کے سلسلے میں ان واقعات کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''1898ء میں آپ نے حیدرآباد سے دلگداز کو از سر نو جاری کیا۔مگر گیارہ مہینے جاری رکھ کر خود ہی بند کردیا،جس کی وجہ یہ ہوئی کہ حضرت امام حسین علیہ السلام کی صاحبزادی جناب سکینہ کی لائف آپ نے شائع کرنا شروع کی تھی۔اس میں چونکہ تاریخی تحقیقات

کر کے اصلی واقعات لکھے تھے، وہ عام مسلمانوں میں اور خاصہ شیعہ لوگوں کے خلاف ہوئے اور ایک قسم کی شورش پیدا ہوئی، بعض عہد داران گورنمنٹ نظام نے پرائیوٹ طور پر آپ کو ہدایت کی کہ اس مضمون کا سلسلہ روک دیں۔ جس میں سب سے پہلے اسی سکینہ بنت حسین کی لائف کا بقیہ تھا۔'' (28)

اس اقتباس سے معلوم ہوتا ہے کہ شرر تاریخی تحقیقات کے ذریعے سچائی کو عوام کے سامنے بیان کر رہے تھے لیکن ان کے سلسلے میں جو خرافات اور من گڑھت واقعات عوام الناس میں مشہور ہیں، بھلا وہ کس قدر سچائی کو سننے کے لئے آمادہ ہو سکتے تھے جس کی وجہ سے انھوں نے ہنگامہ برپا کر دیا لیکن شرر سچائی اور تاریخی واقعات کی سچائی کو بیان کرنے کے لئے بضد تھے۔ یہ کتاب 38 صفحات پر مشتمل ہے۔ ابتدا میں یہ دلگداز میں مضمون کی شکل میں قسط وار شائع ہوئی، لیکن بعد میں اسے کتابی شکل دے دی گئی، اس کتاب کو شرر نے پایۂ تکمیل تک پہونچانے میں بڑی تحقیق وجستجو اور کئی تاریخی کتابوں کی خاک چھانی ہے۔ تب جا کر وہ اس کو مکمل کرنے میں کامیاب ہوئے ہیں۔ اس کتاب کو شرر نے کسی دشمنی یا عداوت کی بنا پر نہیں تحریر کیا ہے۔ بلکہ اس سے پہلے وہ خلفائے راشدین، اولیاء اللہ اور بزرگان دین اور اسلام اور غیر اسلام کی عظیم اسلام کی عظیم المرتبت شخصیات پر خامہ فرسائی کر چکے ہیں اس لیے جب اس کی باری آئے تو حق کا مقابلہ نہ کر پانے والوں نے انھیں نہ جانے کن کن القاب وآداب سے متہم اور مخالف گردانا اور آپ اس کے ذریعے پوری شیعت کے نزدیک مبغوض قرار پائے، لیکن اس کے باوجود بھی آپ کے قدم میں جنبش تک نہیں آئی، وقتی طور پر تھوڑی بہت پریشانی ہوئی اور انھیں سر تسلیم خم کر کے خندہ پیشانی کے ساتھ مقبول کیا۔ شرر کی تحریروں سے ہوسکتا ہے کہ وقتی طور پر کچھ لوگوں کے اعتقادات پر کاری ضرب لگی ہو۔ لیکن ان کا مقصد کسی کو تکلیف اور پریشان کرنا نہیں تھا۔ بلکہ تاریخی حقائق کو عوام کے سامنے پیش کرنا تھا اور وہ اپنے اس کام میں ایک مورخانہ سوچ کے ساتھ آگے بڑھ رہے تھے۔

واقعہ یہ تھا کہ شرر نے دلگداز میں ایک نوٹ تحریر کیا کہ جو لوگ اہل بیت پر سلسلے وار مضامین لکھنا چاہتے ہیں وہ مستند اور معتبر تاریخوں کی روشنی میں لکھ کر ارسال فرمائیں، لیکن سب سے پہلا مضمون جو شرر نے

حضرت شاہ بانو کے نام سے لکھا اس میں کچھ چیزیں ایسی آ گئیں جس سے اہل تشیع ناراض ہو گئے۔ آپ تکفیر کا فتویٰ لگا دیا شرر اس واقعہ کا ذکر خود 1893ء ستمبر کے دلگداز میں بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں ''ہم نے ایک مضمون خاندان نبوت کے متعلق لکھا تھا، بادی النظر میں ہمارا خطاب انگریزی مورخوں کی طرف تھا۔ مگر افسوس کی مسلمان ہم سے ہی خفا ہو گئے۔ سنتے ہیں ہماری تکفیر کے فتوے لئے گئے ...... تاہم ہم کو بجائے خود اطمینان ہے اور ہم بہت خوش ہیں کہ ہم نے جو کچھ لکھا ہے۔ اس میں سے ایک لفظ بے اصل نہیں۔ بعض احباب کی زبانی معلوم ہوا کہ ہم نے جو جناب شہر بانو کے نکاح میں آنے کا حال لکھا تھا۔ اسی پر لوگوں کو غصہ آ گیا۔ اگر یہی ہے تو افسوس کی بات ہے۔ یہ امر تو ایسا ہے کہ مستند مورخین میں سے کسی کو انکار نہیں۔'' اس سوانح میں شرر نے ان کی پیدائش اور زندگی کے احوال وغیرہ کا تفصیل کے ساتھ ذکر کیا ہے اور یہ بھی بیان کیا ہے کہ امراؤالقیس کی صاحبزادی جن کا عقد حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ سے ہوا تھا۔ انھیں کے بطن مبارک سے حضرت سکینہ پیدا ہوئی تھیں۔ شرر نے ان اشعار کا تذکرہ کیا ہے، جو امام حسین نے سکینہ اور رباب کے سلسلے میں کہے تھے ان کا اردو ترجمہ پیش کیا گیا ہے۔ کہیں کہیں شرر نے کچھ واقعات کو تفصیل سے بیان کیا ہے اور کہیں پر اختصار اور ایجاز سے کام لیا ہے۔ سکینہ کی زندگی کے احوال کے ساتھ ساتھ ان کی والدہ کا بھی ذکر کیا ہے۔ واقعات کربلا کے بعد ان کی حالت کیا تھی؟ ان کی زندگی کس طرح گزر رہی تھی؟ شرر اس سلسلے میں مورخین نے جو باتیں ذکر کی ہیں انھیں کی روشنی میں لکھتے ہیں:

> ''بعض مورخین کا بیان ہے کہ بعد واقعہ کربلا رباب نے مدینہ میں واپس اگر ساری زندگی رنج والم میں صرف کی اور کسی صحبت عشرت میں شریک ہونا تو درکنار جب تک حیات مستعار باقی تھی، کبھی کسی چھت کے سائے میں نہیں بیٹھی۔ بلکہ ایک روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ مدینے سے کربلا واپس گئیں اور چھ مہینے تک قبر حسین پر بیٹھی رہیں۔ جس کے بعد پھر مدینے میں تشریف لائیں مگر جب تک زندہ رہیں مبتلائے حسرت واندوہ رہیں۔''(29)

اس اقتباس اور ان کے علاوہ دیگر چیزیں جو کتاب میں بیان کی گئیں ہیں، ان سے معلوم ہوتا ہے کہ شرر نے اپنی جانب سے کسی چیز یا واقعات کا اضافہ نہیں کیا ہے بلکہ مورخین نے جو باتیں ان کے متعلق بیان کی

ہیں، انھیں کا ذکر کیا ہے۔اور شررا س بات کو بہت اچھے طریقے سے جانتے تھے کہ اگر کوئی مسلمان اہل بیت سے محبت نہیں رکھتا ہے یا ان سے بغض وحسد رکھتا ہے تو وہ دائرۂ اسلام میں حقیقی معنوں میں شامل ہیں نہیں ہوسکتا ہے اور شرر قرآن وحدیث فقہ وتفسیر اور اصول وقواعد کو بہت اچھے طریقے سے جانتے تھے۔ بھلا وہ کیوں سکینہ بنت حسین کی شان میں گستاخیاں کرتے، ہاں انھوں نے اس کتاب کے ذریعے ان لوگوں کی قلعی کھول کرر کھ دی ہے، جو اہل بیت اور اسلام کے تیئں شکاری کا چولا پہن کر پوری ملت کو گمراہ کرنے کے ساتھ ساتھ انتشار پیدا کر رہے ہیں۔

شرر حضرت سکینہ کی پاکدامنی اور ان کی عفت وضع قطع اور تبحر علمی کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

> ’’آپ جیسی پاک دامن پارسا اور نیک بی بی تھیں ویسی ہی زندہ دل اور بذلہ سنج بھی تھیں، معززین قریش آپ کی صحبت کو اپنا فخر سمجھتے تھے اور مشہور شعرائے عرب آپ کی محفل میں جمع ہوتے تھے جو بھی ایسی طبع رسا رکھتی تھیں کہ اپنے عہد کی سب سے بڑی شاعرہ تسلیم کی گئی ہیں۔قطع نظراس کے عرب کے فیشن اور وضع پر آپ کا سب سے زیادہ اثر پڑتا تھا۔آپ ایسا خوبصورت اور ب ان کا جوڑا باندھتی تھیں، جس سے اچھا جوڑا باندھنا کسی خاتون عرب کو نہ آتا تھا۔قطع نظر اس بانکپن اور وضع داری کے حسن وجمال میں بھی آپ اپنا نظیر نہ رکھتی تھیں۔‘‘(30)

اس سوانح عمری میں شرر نے سکینہ کی زندگی کی تفصیلات کو اپنے قارئین تک مورخین کی باتوں کو پیش نظر رکھتے ہوئے پہونچائی ہے۔بعض مقامات پر اپنے نظریات اور خیالات کو بھی پیش کیا ہے۔ناقدانہ بصیرت رکھنے والا شخص اس سوانح عمری کو پڑھ کر ہوسکتا ہے شرر کی حوصلہ افزائی زیادہ کرے گا بالمقابل خامیوں کے شرر کا اسلوب دیگر سوانح عمریوں کی طرح اس میں بھی موجود ہے۔بعض جگہوں پر اسلوب خطیبانہ اور ناصحانہ انداز اختیار کر لیتا ہے۔ورنہ مجموعی حیثیت سے شرر کی یہ سوانح عمری اس عہد کی تعلیم وتربیت اور عہد وماحول نیز تہذیب وثقافت کی مکمل عکاسی پیش کرتی ہے۔

جان عالم:

شرر کی یہ سوانح عمری ان کے مشفق، ہر دل عزیز نواب واجد علی شاہ کی حیات پر مشتمل ہے جس کو شرر نے

اپنے عہد طفولیت سے مشاہدہ کیا تھا، شرر واجد علی شاہ سے کس قدر الفت ومحبت اور انسیت رکھتے تھے، اس کی مثال ہندوستان میں مشرقی تمدن کا آخری نمونہ (گذشتہ لکھنؤ) میں ہمیں دیکھنے کو ملتا ہے، واجد علی شاہ اودھ کے ایسے چشم و چراغ تھے، جنھیں انگریزوں نے اودھ سے نکال کر مٹیا برج کلکتہ میں محصور کر دیا تھا، ان کے متعلق تاریخ میں بہت سی باتیں ذکر کی گئی ہیں۔ ان کی شخصیت کو مورخین نے داغدار کرنے کی کوشش کی ہے۔ لیکن شرر نے ان کے متعلق اپنی اس سوانح میں تمام اچھائیوں اور ہمدردیوں کا تذکرہ کیا ہے۔ وہ واجد علی شاہ کو ایک بہترین انسان، علم دوست اور فنون لطیفہ کا ماہر سمجھتے تھے۔

شرر نے واجد علی شاہ پر اپنے رسالہ دلگداز میں کئی مضامین قلم بند کیے تھے اور بعد میں انھیں یکجا کر کے اور کچھ چیزوں کا اضافہ کر کے ''سلطان عالم واجد علی شاہ'' کے نام سے مقرر کیا تھا۔ لیکن ان کے صاحبزادے صدیق حسن نے یہ مسودہ محمد طفیل ایڈیٹر ''نقوش'' لاہور کو دے دیا تھا، جس کو انھوں نے مرزا شوق کے ایک شعر سے ''جان عالم'' کی ترکیب کا انتخاب کیا اور اسی نام سے ادارہ فروغ اردو سے 1951ء میں شائع کر دیا۔ یہ سوانح 192 صفحات پر مشتمل ہے۔ اس کتاب میں موجود اکثر چیزیں ان کے مضامین اور گذشتہ لکھنؤ میں آ چکی ہیں۔ یہ کتاب شرر کی وفات کے بعد شائع ہوئی۔

یہ کتاب تین حصوں پر مشتمل ہے۔ پہلے حصے میں ان کے مستند حالات، عادات اور زبوں حالی وغیرہ کا ذکر کیا گیا ہے۔ دوسرے حصے میں واجد علی شاہ کی خود نوشت مثنوی ''حزن اختر'' مع مقدمہ شرر، تیسرا حصہ، واجد علی شاہ شرر کی نظر میں اور ان کے بیٹے کی کچھ یادگاریں مذکور ہیں اس سوانح کو شرر نے داستانوی انداز میں پیش کیا ہے۔ صرف ان کے خصائل اور اچھی چیزوں کا ذکر کیا ہے۔ ان کے عیوب اور نقائص وغیرہ ذکر نہیں کیا ہے۔ بلکہ شرر ہمیشہ ان کا دفاع کرتے ہوئے نظر آتے ہیں۔ اس سوانح کی ابتدا ہی میں شرر ان مورخین پر طنز کستے ہیں، جو ان کی شخصیت کو داغدار اور بدنام کرنے پر تلے ہوئے ہیں ان کے متعلق لکھتے ہیں:

> ''اودھ کے محروم القسمت آخری تاجدار کے حالات روز بروز پردہ اخفا میں آتے جاتے ہیں اور ان کو بدنام کرنے اور ہر بداخلاقی کو ان کے سر تھوپ دینے کی جو کوششیں کی گئیں وہ روز بروز زیادہ کامیاب ہوتی جاتی ہیں خصوصا ہمارے موجودہ مصنفین جو ہندوستانی

مسلم حکمرانوں کے عہد کو ہر طرح برا دکھانا چاہتے ہیں۔ان کے خنجر کے لئے واجد علی شاہ سے زیادہ آسان کوئی قربانی نہیں مل سکی۔(31)

اس سوانح میں شرر نے واجد علی شاہ کے تمام حالات کو خوبصورت اور فصیح انداز میں قارئین کے سامنے پیش کیا ہے۔شرر کے علاوہ ان کے حالات اور کوائف کو متعدد مورخین نے بیان کیا ہے۔لیکن ان کے یہاں ان کے عیوب ونقائص کو زیادہ اجاگر کرنے کی کوشش کی گئی ہے بجز شرر کے یہاں حسن کاری اور مدح سرائی کا عنصر غالب ہے۔اور اکثر چیزیں شرر نے اس سوانح میں وہ بیان کی ہیں جس کا وہ بنفس نفیس شاہد ہیں اور اکثر چیزیں ان کے مشاہدے اور آنکھوں دیکھا حال پر مشتمل ہیں۔

صد پارۂ دل:

شرر کی یہ کتاب ہے۔جس کا دوسرا نام تذکرۂ مشاہیر عالم بھی ہے۔اس کتاب میں شرر نے نامور مشاہرے عالم کی سوانح عمریوں کا تفصیل کے ساتھ ذکر کیا ہے۔

شرر کی یہ کتاب سید ظہور الحسن مالک قومی پریس دہلی کڑہ نظام الملک نے ماہ اپریل 1918ء میں شائع کیا۔یہ سوانح عمریاں 192 صفحات پر مشتمل ہیں۔

شرر نے اس کتاب میں سولہ مشاہیر عالم کے حالات وکوائف کا ذکر کیا ہے۔ان کی ترتیب مندرجہ ذیل طریقے پر ہے۔

خلیفہ ناصر الدین اللہ، زبیر ابن عوام، عبداللہ بن زبیر، اعزالدین حسین، محمد بن تومرت المہدی المغربی، والبصی، جبلہ بن الیم، ابوعثمان سعید بن مسجع، ابن بطوطہ، حاتم طائی، مانی، سباتائی سیوی، بقراط، جالینوس، سائدین، دمشق وجامع بنی امیہ۔

شرر اس کتاب کی ابتدا خلیفہ ناصر الدین اللہ کے عنوان سے کرتے ہیں۔لیکن ان کے ذکر سے پہلے وہ اپنی قوم کو مخاطب کرتے ہوئے سوال کرتے ہیں کہ جو احباب دہلی آگرہ اور دیگر تاریخی اسلامی عمارتوں کے کھنڈرات کا مشاہد کر چکے ہیں۔اگر وہ اسلامی جبروت اور اس کی ترقیوں کو دیکھیں گے تو یہاں کی ساری عزتیں ان کے نزدیک ہیچ اور کمتر معلوم ہوں گی، اگرچہ ان کا دیکھنے والا ان منہدم عمارتوں کو دیکھ کر افسردہ

ہو جاتا ہے اور اس کا دل کمزور پڑنے لگتا ہے۔ اس کو چاہئے کہ وہ اولوالعزمی اور حوصلہ سے کام لے اور مایوس نہ ہو بلکہ اپنے اندر حوصلہ اور کچھ کرنے کی فکر پیدا کرے۔ شرر اس لیے ابتدا میں بلند و بالا عمارتوں اور اسلامی شان و شوکت کی بات کرتے ہیں اس لیے کہ ہسپانیہ عظمیٰ کے اموی بادشاہوں نے اپنے دور حکومت میں عمارتوں کا جال بچھا دیا تھا۔ شرر ان عالیشان عمارتوں کی بے توجہی اور قوم کا ان کے تئیں جو رویہ تھا اس پر وہ اپنی خفگی کا اظہار کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''اصل پوچھئے تو منہدم عمارات قدیم نہیں ہیں بلکہ سلف کی ناموریوں اور ان کی اولوالعزمیوں کی مجسم لاشیں ہیں جو آج ہمیں بے گور و کفن پڑی ہوئی معلوم ہوتی ہیں، اگر ہمیں توفیق ہوئی یا ہم میں ہمت ہوتی تو ہم ان لاشوں کے ساتھ عمدہ سلوک کرتے اور انھیں اچھے اچھے کفنوں میں لپیٹ کے رکھتے اور اگر اتنی توفیق نہیں تو ہمیں چاہئے کہ یہ لاشیں اپنی قوم کے سامنے ڈال دیں تاکہ سب کے سب حلقہ ماتم باندھ کے ان کے گرد بیٹھیں اور روتے روتے ان کے ساتھ اپنے آپ کو بھی فنا کر دیں۔'' (32)

اس کے بعد ناصر الدین کی پیدائش اور ان کے شوق اور خلافت وغیرہ کو تفصیل کے ساتھ ذکر کیا ہے۔ شرر نے ایک کے بعد بالترتیب حسب مذکور شخصیات کا تفصیل کے ساتھ احوال بیان کیا ہے۔ شرر کا انداز بیان مورخانہ معلوم ہوتا ہے۔ جس طرح دیگر سوانح عمریوں کے بیان میں جو اسلوب اختیار کیا ہے، تقریباً وہی اسلوب اس سوانح میں بھی موجود ہے۔

اس طرح سید مبارک علی شاہ گیلانی نے شرر کے بہت ساری سوانح عمریوں کو یکجا کیا ہے، اس میں مرد حضرات کی حیات اور حالات وغیرہ کا ذکر کیا ہے، اس کا نام ''سیر رجال'' رکھا ہے اور اس کو مہر نگ لاہور سے چھپوایا ہے۔ اس کتاب میں انھوں نے شرر کی سوانح سے متعلق تمام مضامین اکٹھا کیا ہے۔ صد پارہ دل میں جو مضامین شائع ہوئے ان کے علاوہ اور بہت سی شخصیات کا ذکر کیا ہے۔ جیسے مجنون عامری، ابو الصلت امیہ بن عبدالعزیز، افلاطون الٰہی، ارسطو طاکیس، سقراط، فیثاغورس، ابن القرام شلمعانی، عمر عیار، اخفش، امیر عبدالقادر مغربی، مقنع خراسانی، لقمان، عروہ بن حزام، نادر شاہ افشار علی بیگ، اسکندر اعظم، الپ ارسلان،

ابوالاسود دولی، ابن المعتز، محمد دوایاز عبداللہ بن ابی بکر، محمد علی باشا، شبلی نعمانی اسمون، ہرقل، رستم تہمتن، غزال شاعر اندلس، مقنع اور مبرقع، ابودلامہ، نابغہ ذبیانی حسان بن ثابت، عوج بن عنق ابوالعتاہیہ۔
ان تمام شخصیات کے احوال وکوائف کو بہت ہی تفصیل کے ساتھ 534 صفحات میں بیان کیا گیا ہے۔

سیرت نسواں:

سیر رجال کی طرح عورتوں پر بھی شرر نے اپنے رسالوں میں ان کی شخصیات پر خامہ فرسائی کی ہے۔ان کے تمام مضامین کو اکٹھا کر کے سید مبارک علی شاہ نے سیر نسواں کے عنوان سے شرر کی عورتوں سے متعلق تمام تحریروں کو حصہ اول اور حصہ دوم کی شکل میں اکٹھا کر کے لاہور سے شائع کیا ہے۔اس میں سن اشاعت کا ذکر موجود نہیں ہے۔لیکن شرر کی نظر ثانی کا پہلے حصہ میں کچھ عورتیں وہ ہیں جن کا تعلق اسلام سے قبل کا ہے اور اس کے بعد کا ذکر ہے۔جو اسلام کے بعد کی ہیں۔یہ کتاب 245 صفحات پر مشتمل ہے۔ان کے کچھ اہم نام یہ ہیں:
لیلائے اخلیہ، زَبّاء ملکہ عرب، زلیخا (ملک مصر میں) قلوبطرہ۔کلوپٹیرا، استیسر، اسرائیلیہ، بلقیس ملکۂ سبا، سمی رامیس (ملکۂ بابل) جون آف آرک (فرانس کی مظلوم حامیۂ وطن) اُمِّ سلمہ زوجہ سفّاح، کیتھرائن ملکۂ روس (اول)، نوار زوجۂ فرزدق، ہند بنت نعمان، سجاح، اولغا (ملکہ روس) میڈم ڈی اسٹائل، دہیاے کاہنہ، قیصرہ تھیوڈورا، عمارہ، سلامۃ القُس، اسباسیا یونانیہ، حمیدہ بنت نعمان بن بشیر، وغیرہ۔
یہ تمام عورتیں اپنے زمانے کی صاحب کمال و جمال تھیں شرر نے پہلی جلد میں ان شخصیات کی پیدائش، تعلیم وتربیت اور زندگی کے مختلف گوشوں پر روشنی ڈالی ہے۔

سیر نسواں حصہ دوم:

یہ حصہ بھی 156 صفحات پر مشتمل ہے۔ان میں بھی شرر نے ان عظیم عورتوں کا ذکر کیا ہے۔جو اپنے اپنے دور میں کسی نہ کسی وجہ سے مشہور اور عظیم المرتبت تھیں۔ان کے اسماء مندرجہ ذیل ہیں۔راخیل، زبیدہ خاتون، ماریہ رولان فلپّوں، عفرا بنت مہاصر، ماءالسماء، ام جعفر بنت عبداللہ بن عرفطہ، عاتکہ بنت معاویہ بن ابی سفیان، ایڈلین، دیدون (ملکہ سور) ارشدامیہ، حلیہ بنت مہدی، عائشہ بنت طلحہ، پوپ جان۔
شرر نے ان شخصیات کے احوال اور زندگی کے اہم گوشوں پر گفتگو کی ہے۔ان کے علاوہ اور بہت

سارے اشخاص موجود ہیں ۔جن پر شرر نے خامہ فرسائی کی ہے۔لیکن یہاں سب کا ذکر اور ان پر تجزیاتی مطالعہ کرنا ممکن نہیں ہے۔اس سوانح کو دیکھ اور پڑھ کر ان کے تبحر علمی اور وسعت مطالعہ کا اندازہ ہوتا ہے کہ انھوں نے دنیا کے ہر مذاہب اور تقریباً ہر ممالک کی مشہور و معروف عورتوں کے احوال بیان کیے ہیں، اور اپنے قارئین کو ان کی شخصیت سے مکمل طریقے سے آگاہ کیا ہے۔ان کے محاسن و معائب کو واضح انداز میں پیش کیا ہے۔ان میں بہت سی شاعرہ، ادیبہ، معلّمہ وغیرہ پر بسط و تفصیل کے ساتھ روشنی ڈالی ہے۔

سوانح نگاری میں شرر کا مقام و مرتبہ:

شرر کی پہچان سوانح نگار کی حیثیت سے بھی مسلم ہے اگر چہ حالی اور شبلی نے سوانح نگاری کی داغ بیل ڈالنے کے ساتھ ساتھ سوانح نگاری کے فن کو عروج کمال تک پہونچایا ہے۔ان دونوں بزرگوں کے نقش قدم پر چلتے ہوئے دیگر مصنفین نے سوانح نگاری میں بہت سی تصنیفات چھوڑیں ہیں ۔ان کے نقش قدم پر چلتے ہوئے اس فن کی تحریک میں مزید وسعت پیدا کی۔شبلی نے مذہب اسلام کی مشہور شخصیات اور اکابرین کی سوانح عمریاں قلم بند کیں۔تاکہ اہل اسلام ان کے کارناموں سے متاثر ہو کر اپنی زندگی کی اصلاح کریں۔شبلی اور حالی سے متاثر ہو کر شرر نے بھی سوانح عمریاں تحریر کیں۔انھیں لوگوں کے زیر اثر سوانح عمریاں عام ہوئیں، شرر نے بہت ساری مختصر سوانح عمریاں تحریر کیں ہیں جیسے ثانی اثنین، ابوبکر شبلی، قرۃ العین، سکینہ بنت حسین، خواجہ معین الدین چشتی، اور ان کے علاوہ بہت ساری سوانح عمریاں شرر کی ہیں۔

شرر نے اپنی ان تمام سوانح عمریوں میں سوانح نگار کے خدوخال اور اس کی شخصیت کا پورا عکس بیان کیا ہے۔شخصیت کے خیالات احساسات، ان کے طور طریقوں کو فن کارانہ انداز میں پیش کیا ہے۔اکثر و بیشتر سوانح نگار شخصیت کے خارجی شعور تک رسائی حاصل کر پاتا ہے اس کے داخلی احساسات و جذبات اور تحت شعور کے نہاخانوں میں جھانکنے کی کوشش نہیں کرتا۔یہ بہت مشکل کام ہے۔لیکن اگر کوئی سوانح نگار ان دونوں شرطوں کو انجام دیتا ہے تو حقیقی معنوں میں وہ فن سوانح نگاری میں ممتاز تصور کیا جاتا ہے۔سوانح نگاری کا تعلق تاریخ سے بھی ہے۔جیسا کہ ابتدا میں اس سلسلے میں گفتگو کی گئی ہے۔لیکن سوانح نگار کا کام ہے کہ سچائی کو اپنے قاری تک من وعن پہونچادے، اگر وہ اس میں کوتاہی اور تہ دستی سے کام لیتا ہے تو وہ حقیقی معنوں میں اپنے کام

کے تئیں کس قدر ذمہ دار ہے اس کا فیصلہ قاری پر چھوڑا جا سکتا ہے۔ اگر ہم اپنے سابقین سوانح نگاروں کو دیکھیں تو ہمیں انداز ہوگا کہ وہ اس سلسلے میں کتنے کامیاب نظر آتے ہیں حالی ''حیات جاوید'' کے دیباچہ میں سوانح نگاری کے تعلق سے اس کے اصول اور سوانح میں کن چیزوں کا ذکر وغیرہ ہونا چاہئے، اس سلسلے میں لکھتے ہیں:

''ہندوستان میں جہاں ہیرو کے عیب یا خطا کا معلوم ہونا اس کی تمام خوبیوں اور فضیلتوں پر پانی پھر جاتا ہے ابھی وقت نہیں آیا کہ کسی شخص کی بائیوگرافی کریٹکل طریقے سے لکھی جائے اس کی خوبیوں کے ساتھ اس کی کمزوریاں بھی دکھائی جائیں۔ اس کے عالی خیالات کے ساتھ اس کی لغزشیں بھی ظاہر کی جائیں۔ چنانچہ اسی خیال سے ہم نے جو دو ایک مصنفوں کا حال اب سے پہلے لکھا، اس میں جہاں تک ہم کو معلوم ہو سکیں، ان کی اور اس کے کلام کی خوبیاں ظاہر کی ہیں اور ان کے پھوڑوں کو کہیں ٹھیس نہیں لگنے دی۔ لیکن اول تو ایسی بائیوگرافی چاندی سونے کے ملمع سے کچھ زیادہ وقعت نہیں رکھتی اس کے سوا وہ انھیں لوگوں کے حال سے زیادہ مناسبت رکھتی ہے۔ جنھوں نے اس موج خیز اور پر آشوب دریا کی منجدھار میں اپنی ناؤ نہیں ڈالی، اور کنارے کنارے ایک گھاٹ سے دوسرے گھاٹ سے صحیح سلامت جا اترے''(33)

شرر کا یہ اقتباس حیات جاوید میں کچھ اچھا معلوم نہیں ہوتا جیسا کہ انھوں نے کہا کہ سوانح نگار کے محاسن معائب کو واضح کرنا ہی اصل سوانح تصور کی جاتی ہے۔ اگر ہم شرر کے اس اقتباس کو ان کی اسی سوانح میں دیکھیں تو ان کے کلام کی مکمل طریقے سے تکذیب ہوتی ہے۔ اس لیے کہ حالی اس کتاب میں سرسید کے محاسن اور ان کے کارناموں کی مکمل روداد پیش کی ہے۔ ان کے معائب اور لغزشوں وغیرہ پر کوئی بات نہیں کی ہے۔ جس کی وجہ سے اکثر و بیشتر ناقدین حالی کی اس کتاب کو مکمل مداحی قرار دیتے ہیں۔

اور اگر ہم دوسری جانب شبلی کو دیکھیں تو وہ سوانح نگاری سے زیادہ مورخ نظر آتے ہیں۔ لہٰذا ہم کہہ سکتے ہیں کہ شبلی سوانح کے ساتھ ساتھ قاری کے اندر تاریخی ذوق بھی پیدا کرتے ہیں۔ لیکن دوسری جانب اگر ہم شرر کی سوانح عمریوں پر نگارہ ڈالیں تو ہمیں پتہ چلتا ہے کہ اگرچہ شرر کی سوانح عمریاں مختصر ہیں۔ مگر اپنے دور کی عظیم اور

معروف ومشہور شخصیات میں ان لوگوں کا شمار ہوتا تھا۔شرر کی سوانح عمریوں کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کی سوانح میں کچھ حصہ گرچہ تشنہ رہ گئے۔لیکن اپنے قاری کو فکر وعمل کی دعوت ضرور دیتے ہوئے نظر آتے ہیں۔

بعض شخصیات پر شرر نے بطور فیوض و برکات اپنی تحریر کو پیش کیا ہے۔ان کے تزکیہ نفس، تحصیل علم، ان کے پند ونصائح کو قاری تک پہونچانے کی کوشش کی ہے۔شرر کی تحریروں میں اکثر و بیشتر اسلام کی عظمت رفتہ کا ذکر ملتا ہے، وہ اسلام کی خوبیاں، اپنے بہادروں کے قصے اوران کے احوال کا ذکر کرکے اپنے قاری کو برانگیختہ کرتے ہیں اور انھیں کے نقش قدم پر چلنے پر آمادہ کرتے ہیں۔دوسری قوموں کی برائیوں کا ذکر کرکے وہ اپنے دل کا غبار صاف کرتے ہوئے نظر آتے ہیں۔شرر کی اکثر تحریریں اسلام کے ماننے والوں اوراس کے برگزیدہ لوگوں پر مشتمل ہیں۔جیسا کہ اس کا ذکر کرتے ہوئے ڈاکٹر سید عبداللہ رقم طراز ہیں:

> ''شبلی کی طرح شرر نے بھی اسلاف میں سے برگزیدہ اشخاص کو منتخب کرکے ان کی سیرتوں کو مشعل راہ بنانے کی اپیل کی ہے شبلی نے جہاں پر معمولی ہستیوں کی مکمل زندگیوں کو پیش کیا ہے، وہاں شرر نے محض دلچسپ (گو قابل توجہ) شخصیتوں کی ہم رنگ سیرتوں کے صرف چند پہلوؤں کے خاکے پیش کئے ہیں۔مگر اس غرض سے کہ قوم کو ان بزرگوں سے بہت کچھ سیکھنا ہے۔غرض قومی ترقی واصلاح ان سب کے پیش نظر رہی، اور یہ نصب العین تھا جو سرسید کا دیا ہوا تھا۔سرسید نے اردو سوانح نگاری ادب کی دوسری شاخوں کی طرح قوم اوراجتماع کی خادم بنی رہی۔''(34)

اگر سوانح نگاری میں شرر کے مقام ومرتبہ کا تعین کیا جائے تو شرر ہر جہات سے اپنے قدماء کے نقش قدم پر چلتے ہوئے نظر آتے ہیں۔اگر چہ کہیں کہیں ان کا اسلوب مورخانہ اورافسانوی انداز اختیار کر لیتا ہے۔لیکن اگر مجموعی حیثیت سے شرر کی سوانح عمریوں کا مطالعہ کیا جائے تو وہ اپنے ہیرو کی عظمت کو نمایاں ضرور کرتے ہوئے نظر آتے ہیں، شرر کی سوانح عمریوں کا اسلوب بیان بھی بہت سہل، سادہ اور عام فہم ہے تحریروں میں خلوص وصداقت کا عنصر نمایاں طور پر نظر آتا ہے۔اگر بعض جگہوں پر افسانوی رنگ کا غلبہ نظر آتا ہے۔تو ہم یہ تصور کر لیتے ہیں کہ آخر ان کی پہچان اردو دنیا میں ایک ناول نگار کی حیثیت سے جانی جاتی ہے۔اوران کا یہ

انداز شعوری اور لاشعوری طور پر کہیں نہ کہیں آ ہی جاتا ہے ساتھ ہی ساتھ ان کی تحریر یں جوش وجذبے اور مقصدیت کو بھی واضح کرتی ہوئی نظر آتی ہیں۔مشکل عبارت اور جملے وہ اپنی تحریروں کا حصہ نہیں بننے دیتے، ان کی اکثر و بیشتر تحریریں دلکشی اور جاذبیت سے معمور ہوتی ہیں۔الغرض اگر ہم شررکو سوانح نگار کا آخری زینہ تصور نہیں کرتے تو پہلا زینہ تصور ہی کرنا پڑے گا۔سوانح نگاری میں ان کی خدمات اور اردو ادب میں قابل قدر اضافہ کو بھلایا نہیں جاسکتا ہے۔

حوالہ جات باب سوم:

(1) Oxford Learner advance dictionary P.188

(2) علی، سید شاہ، ڈاکٹر، اردو میں سوانح نگاری، انجمن پریس لاہور لارنس روڈ لاہور کراچی، جولائی 1961ء ص 2

(3) امیر اللہ، ڈاکٹر، فن سوانح نگاری، ظاہر بک ایجنسی، قاسم جان اسٹریٹ، دہلی جون 1973ء ص 119

(4) الطاف، آنسہ، اردو میں فن سوانح نگاری کا ارتقاء، اعتقاد پبلیشنگ ہاؤس، دہلی مئی 1974ء ص 19

(5) سندیلوی، سلام، ڈاکٹر ادبی اشارے، نسیم بک ڈپو، لکھنؤ، ص 146

(6) فتح پوری، فرمان، ڈاکٹر، مرتب، اردو نثر کا فنی ارتقاء، پبلیشنگ ہاؤس، دہلی 1997 ص 320

(7) علی، سید شاہ، ڈاکٹر اردو میں سوانح نگاری، انجمن پریس لاہور، کراچی جولائی 1961ء ص 39

(8) امیر اللہ، ڈاکٹر، فن سوانح نگاری، ص 119

(9) علی، سید شاہ، ڈاکٹر، اردو میں سوانح نگاری، ص 103

(10) ” ” ” ” ص 208

(11) قرآن مجید سورۃ توبہ آیت نمبر 40

(12) شرر، عبدالحلیم، ثانی اثنین، دلگداز پریس، لکھنؤ، 1925ء ص 1

(13) ” ” ” ” ” ص 9

(14) ” ” ” ” ” ص 58

(15) شرر عبدالحلیم، ابو احسنین، دلگداز پریس، لکھنؤ 1925، ص 1

(16) ” ” ” ” ” ص 2

(17) ” ” ” ” ” ص 7

(18) ” ” ” ” ” ص 1,2,3

(19) ” ” ” ” ” ص 153

(20) شرر، عبدالحلیم، جنید بغدادی، دلگداز پریس، لکھنؤ 1923ء ص 3
(21) ” ” ” ” ” ص 1
(22) ” ” ” ” ” ص 114
(23) ” ” قرۃ العین 1923ء ص 1
(24) ” ” ” ” ” ص 1-2
25) ” ” ” ” ” ص 8
(26) ” ” ” ” ” ص 16
(27) ” ” مضامین شرر، جلد حصہ سوم 1908ء
(28) سکینہ، رام بابو، تاریخ ادب اردو، نیشنل بک ہاؤس، لاہور 1929ء ص 546
(29) شرر، عبدالحلیم، سکینہ بنت حسین، دلگداز پریس، لکھنؤ 1924ء ص 5
(30) ” ” ” ” ” ” ص 15
(31) شرر عبدالحلیم، جان عالم، ادارہ فروغ اردو، لاہور 1955ء ص 13
(32) شرر، عبدالحلیم، صد پارۂ دل، قومی پریس، دہلی اپریل، 1918ء ص 3
(33) حالی، الطاف حسین حیات جاوید، ترقی اردو بیورو، نئی دہلی 1979ء ص 26
(34) سید، عبداللہ، ڈاکٹر، سرسید کا اثر ادبیات اردو پر، مشمولہ بہترین ادب، مرتب، مرزا ادیب مکتبہ اردو، لاہور 1955ء ص 31

باب چهارم

عبدالحلیم شرر کی انشائیہ و مضمون نگاری

ادب میں جتنی بھی صنفیں موجود ہیں، اچانک سے وجود میں نہیں آئیں، بلکہ دھیرے دھیرے ان کا وجود عمل میں آتا گیا، جس طرح اردو ادب میں انشائیہ کا لفظ اچانک سے وجود میں نہیں آگیا، بلکہ اس کے لئے ابتدا میں لفظ مضمون کا استعمال کیا جاتا تھا اور انگریزی زبان میں مضمون کے لئے Essay کا لفظ لکھا اور بولا جاتا تھا۔ پھر دھیرے دھیرے ناقدین ادب نے اس کے لئے ایک نئی اصلاح تجویز کی اور اس کا نام انشائیہ رکھا۔ لیکن کچھ ناقدین ادب لفظ Essay کا ترجمہ انشائیہ تسلیم نہیں کرتے ہیں بلکہ وہ کہتے ہیں کہ Essay کا مطلب مضمون یا مقالہ ہے ایسّے کے سلسلے میں ڈاکٹر ظہیر الدین مدنی لکھتے ہیں۔

''ایسّے کی صنف فرانسیی ذہن وفکر کی اپج ہے، جو انگریزی میں اس سے منتقل ہو کر آتی ہے، فرانسیسی ادب کا لفظ اسائی Essai انگریزی میں Essay بن گیا اس لفظ کے لغوی معنی کوشش'' ہیں فرانسیسی ادب میں اس کے وجود میں آنے کا واقعہ دلچسپ ہے۔ ایک فرانسیسی ادیب مان ٹین (Montagne) 1571ء میں جب اپنی ضعیف العمری کی وجہ سے اس دنیا کہ گہما گہمی سے کنارہ کش ہو گیا، تو اس نے اپنے لمحات فرصت کا یہ صرف تجویز کیا کہ اپنے تجربوں اور مشاہدوں کی روشنی میں خود اپنی عقل وفراست اور ذہن کی رسائی کا امتحان لینے کے خیال سے مختلف عنوان پر غیر مربوط خیالوں کو قلم برداشتہ صفحہ قرطاس پر جمع کرنے لگا، اس آزمائش کو اس نے کوشش نام دیا، مان ٹین کے ان مضامین میں نہ کوئی علمی وادبی نظریہ یا دعوی ہے اور نہ ہی کوئی مرتب ومنتظم مضامین ہیں، ان میں اس نے ہلکے فلسفیانہ رنگ میں اپنے تاثرات بیان کئے، جن سے کوئی نہ کوئی درس اخلاق ملتا ہے اور انداز بیان کے لحاظ سے بے ساختہ پن اس کا وصف خاص ہے، جب مان ٹین کے یہ اسینر منظر عام پر آئے تو ارباب ذوق نے انہیں بہ نظر استحسان دیکھا، اس طرح ایک ادیب کے قلم سے اتفاقی طور پر ''ایسّے'' نے جنم لیا جو آگے چل کر ایک اہم صنف قرار پایا''(1)

اس اقتباس سے معلوم ہوتا ہے کہ ابتدا میں Essay مضامین وغیرہ کا کوئی خاص نام نہیں تھا،لیکن کچھ ناقدین ادب ایسے اسینرکوانشائیہ کا نام دیتے ہیں۔اس کا ترجمہ انشائیہ سے کرتے ہیں لفظ انشائیہ کا وجود کیسے عمل میں آیا،اس سلسلے میں ڈاکٹر وزیر آغا لکھتے ہیں:

''اردو میں لائٹ ایسّے کو طنزیہ مزاحیہ مضامین سے الگ اور جدا کرنے کی ضرورت محسوس کی تھی،اس لیے جب ماہنامہ ''ادب لطیف'' میں لائٹ ایسّے کو پیش کرنے کی تحریک کا آغاز ہوا تو میرے اور میرزا ادیب کے سامنے یہ مسئلہ تھا کہ لائٹ ایسّے کو کیا نام دیا جائے تا کہ یہ دوسری اصناف سے الگ نظر آسکے،کچھ عرصے کے لئے ہم نے ''لطیف پارہ'' کی ترکیب استعمال کی لیکن یہ مقبول نہ ہوسکی،پھر ہم نے ''انشائے لطیف'' کی ترکیب کا احیا کیا لیکن مصیبت یہ تھی انشائے لطیف کے ساتھ ٹیگوریت چپک کررہ گئی تھی ،چنانچہ اسے بھی ترک کرنا پڑا اسی دوران میں نے کسی ادبی رسالے میں انشائیہ کا لفظ پڑھا،میرزا ادیب صاحب سے اس کا ذکر کیا تو وہ خوشی سے اچھل پڑے،اس کے بعد''ادب لطیف'' میں لائٹ ایسّے کے لئے انشائیہ کا لفظ ہی استعمال ہوتا رہا اور خوش قسمتی سے یہ مقبول بھی ہوگیا۔''(2)

دوسری جگہ لکھتے ہیں کہ ''بھارت کے کسی رسالے میں انشائیہ کا لفظ پڑھا اور مجھے اتنا اچھا لگا کہ میں نے میرزا ادیب صاحب سے جو ان دنوں ''ادب لطیف'' کے مدیر تھے،اس نام کو پرنسل ایسّے کے لیے مختص کرنے کی تجویز پیش کردی جسے انھوں نے فوراً قبول کرلیا۔''(3)

اس اقتباس اور انشائیہ کے سلسلے میں موجود ان کی تحریروں سے یہ نتیجہ اخذ کیا جاتا ہے،کہ لفظ انشائیہ کے موجد اور اس کی ترویج و اشاعت میں انہیں ید طولی حاصل ہے،ان کے معاونین انہیں ہی اردو انشائیہ کا باوا آدم تصور کرتے ہیں۔یہ بات کہاں تک درست اور مناسب ہے آگے کے صفحات میں اس تعلق سے گفتگو کی جائے گی۔نیاز فتح پوری ڈاکٹر ظہیر الدین مدنی کی کتاب ''اردو اسیز'' میں ''اعتراف وتعارف'' نام سے ایک تحریر رقم کی ہے اس میں ایسّے کے سلسلے میں وہ لکھتے ہیں:

”Essay ایک خالی منہج اور اسلوب کے مقالے کو کہتے ہیں، جس کی صراحت ہمارے فاضل دوست نے اپنے مقدمے میں کی ہے، لیکن یہ سوال پھر بھی اپنی جگہ قائم رہتا ہے، کہ اس کا ترجمہ اردو میں کیا ہونا چاہئے یہ ایک قسم کی Sohloquey ہے زیادہ تر Subjective قسم کی جسے ہم (Self Communication) بھی کہہ سکتے ہیں، یہ ایک خاص قسم کے فکر و تصور کا نتیجہ ہے جس میں تجزیہ، جذبات، نفسیاتی مطالعہ، منطقی استدلال، فلسفیانہ تفکر، متصوفانہ استقراء اور انشاء عالیہ کا جمالیاتی اسلوب سب کچھ پایا جاتا ہے۔“(4)

”وزیر آغا ایسّے کے لغوی معانی اور اس سے کیا مفہوم مغربی ادباء نے سمجھا ہے اس سلسلے میں لکھتے ہیں ”ایسّے کا لغوی مفہوم ”کوشش“ ہے رابرٹ لنڈ نے اس کوشش کی جہت کو واضح کرتے ہوئے کہا ہے کہ یہ انسانی فطرت کے کسی نیم تاریک گوشے کو منور کرنے کی ایک سعی ہے، بنیادی طور پر اس کا مقصد روشنی کی تحصیل ہے، لیکن یہ روشنی کسی فلاسفر کا پھیلا ہوا نور نہیں بلکہ ایک خوش باش انسان کا اظہار ذات ہے۔“(5)

مغرب میں انشائیہ کا تصور ایسّے کے ذریعہ سمجھا جاتا تھا اور یہ صنف اسی نام سے مشہور و مقبول تھی۔ مشرق میں اس وقت اس صنف مغرب کا کوئی خاص نام نہیں تھا، بلکہ ادباء اور مقالہ نگاران کی تحریروں میں ہمیں جگہ جگہ اس کا عکس نظر آتا ہے یہ صنف سے ہوتی ہوئی ہمارے یہاں کیسے پہونچی، لہٰذا مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس کی ہیئت اور شکل و صورت مغرب میں کیا تھی، اس کا ذکر پہلے کر دیا جائے:

”وزیر آغا لکھتے ہیں“ کون نہیں جانتا کہ انشائیہ کی ابتدا مونٹین نے کی، مونٹین غیر افسانوی نثر کو تخلیقی سطح پر لانے کا آرزومند تھا، تاکہ وہ انکشاف ذات کا ذریعہ بن سکے نیز کاروباری سطح سے اوپر اٹھ کر ادبی سطح پر آجائے، اس نے اپنے اس نادر تجربے کے ثمر کو Essay کا نام دیا یہ تحریر کا ایسا نمونہ تھا، جس کی مثال پہلے کہیں موجود نہیں تھی۔“(6)

رام لال نابھوی مغرب میں ایسّے کی بود و باش کس طرح پروان چڑھی لکھتے ہیں:

''خالص ایسے کی ابتدا فرانس میں مونٹین نے کی''اس نے اسے باقاعدہ ایک صنف کی شکل دی، اپنے انشائیوں میں شخصیت کے اظہار پر زور دیا، مونٹین نے اپنی معرکۃ الآراء کتاب ایسیز لکھی، انگلستان میں بیکن نے مونٹین کے سترہ سال بعد انگریزی میں ایسے لکھے، انگریزی میں ایسے کا لفظ فرانسیسی لفظ رسائی سے ماخوذ ہے، چنانچہ فرانس میں ایسے کا موجد مونٹین اور انگلستان میں ایسے کا موجد فرانس بیکن کو تسلیم کیا جاتا ہے، سرٹامس براؤن، ایڈیسن گولڈ سمتھ ہزلٹ، اسٹیل، چارلس لیمب، اسٹی ونسن میکالے، اسکن وغیرہ کے نام بھی اہمیت کے حامل ہیں۔''(7)

اس طرح مغرب میں یہ فن اپنی بلندیوں کو عبور کرتا ہوا آگے بڑھ رہا تھا، لارڈ بیکن ان ایسوں کو ''پریشان خیال، تصور کرتا تھا، اور اس کی علمیت اپنی جگہ مسلم تھی، لیکن اس کے بعد، ایڈیسن اور ڈرائیڈن نے اس صنف کو مزید وسعت دی، مغرب کے دانشوروں اور مدبرین نے اس دور کے ایسّے کی تعریف اور اس کی خصوصیات اپنے اپنے لحاظ سے کی ہے۔

رام لال نابھوی اپنی کتاب ''آم کے آم'' میں تمام مدبرین مغرب کی تعریفات کو یکجا کر کے پیش کیا ہے:

جانسن، کے نزدیک، ایسّے ذہن کی ایک آزاد ترنگ ہے۔ جس میں ایک مخصوص بے ربطی ہوتی ہے۔

روسیورن کے لفظوں میں، ایسے کسی وقتی اہمیت کے موضوع پر ہلکی گپ شپ ہے،

جی، پی، پرسٹلے، ایسے کو جبلی شخصیت کا پر خلوص اظہار اور فن پر بات چیت کا نام دیتا ہے۔

مورٹن کے نزدیک، ایسّے نثر کا ایک چھوٹا سا ٹکڑا ہے جس میں مصنف دنیا کے کسی موضوع کے باب میں اپنی ذات کا انکشاف کرتا ہے۔

رابرٹ لنڈ کا قول ہے کہ ہم انشائیہ نگار سے صرف اتنا چاہتے ہیں کہ وہ اپنی طرز تحریر سے خوش کرے اور اپنے موضوع کو اختصار کے ساتھ کسی قدر نئی روشنی میں پیش کرے۔

سینٹ بیور کے خیال میں یہ ایک مشکل فن ہے، وہ انشائیہ کو فرحت کا ذریعہ سمجھتا ہے''(8)

مغرب میں میکالے ایک اہم انشائیہ نگار تصور کیا جاتا تھا اس کے انشائیوں کے سلسلے میں ڈاکٹر شریف

احمد لکھتے ہیں:

''میکالے وکٹوریائی عہد کا ہم انشائیہ نگار ہے اس کے انشائیوں میں لطف وتاثیر کے ساتھ ساتھ خطابت کا جوش بھی ہے وہ پہلا انشائیہ نگار ہے جس نے انگریزی میں باقاعدہ تاریخی انشائیوں کی داغ بیل ڈالی (شرر پر میکالے کا بھی خاصہ اثر ہے) میکالے نے اگرانگریزی انشائیہ پرتاریخ کا رنگ چڑھایا تو رسکن ہیومن اورآرنلڈ نے اقتصادیات، مذہبیات اور انتقادات سے انشائیہ کو قریب کر دیا، کارلائل نے میکالے کے تاریخی رنگ کو اور گہرا کر دیا، کارلائل کا اثر نہ صرف شرر پر بلکہ ان کے بزرگ معاصر شبلی پر بھی خاصا گہرا ہے'' (9)

اردو انشائیہ دوسرے اصناف کی طرح وسیع اور مختلف النوع ہے، نثری ادب کا ایک خاص اسلوب نگارش ہے اس کی روشنی یک رنگ نہیں ہوتی بلکہ مختلف الاقسام لطافتوں کو اپنے اندر شامل کیے ہوئے ہوتی ہے۔ انشائیہ آپ کا ہمدم اور دوست ہوتا ہے وہ چائے کی چسکی اور ڈائنگ ہال میں آپ سے محو گفتگو رہتا ہے، ساتھ ہی تفریح طبع کا سامان بھی فراہم کرتا ہے شوخی وظرافت اور طنز وتعریض کا حسن بھی اپنے اندر سموئے ہونے کے ساتھ ساتھ آپ کے پسند و ناپسند کا خیال بھی نہیں رکھتا بلکہ اس کا انداز بیان بے تکلفانہ اور غیر سنجیدہ ہوتا ہے وہ آپ کے سامنے اپنی علمیت اور قابلیت کا اظہار نہیں کرتا اور نہ ہی اپنے پیش نگاہ کسی مقصدیت کو رکھتا ہے بلکہ شوخی وظرافت اور شگفتہ بیانی وخوش کلامی کے ذریعے آپ کو لطف اندوز کرتا ہوا آگے بڑھ جاتا ہے وہ گپ باز ہونے کے ساتھ ساتھ غیر سنجیدہ اور شب وروز ہمارے نظروں سے اوجھل رہتا ہے۔ ان کا رحقائق پر کوئی تامل نہیں کرتا اور ساتھ ہی ساتھ وہ زندگی کے ہر شعبے میں قدم رکھ سکتا ہے اس کے لیے کوئی حدود وقیود متعین نہیں ہے بلکہ وہ آزاد منش اور خودمختار ہے، اس کے اوپر کسی قسم پابندیاں عائد نہیں ہیں۔

پہلے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ انشائیہ کے معانی ومفاہیم اور دیگر ناقدین ادب اردو نے اس کی کیا تعریفیں کی ہیں مندرجہ ذیل کے سطور میں پیش کر دیا جائے، انشائیہ (عربی صفت) انشا سے منسوب ہے نحو کی اصطلاح میں وہ جملہ جس میں سچ اور جھوٹ کا احتمال نہ ہو۔

انشاء (عربی مونث) اس کے معانی عبارت لکھنا، طرز تحریر، کوئی بات پیدا کرنا، وہ کتاب

جس میں خط و کتابت کے قواعد اور خطوط ہوں۔(10)

مختلف ادباء نے انشائیہ کی کیا تعریف پیش کی ہے۔ڈاکٹر آدم اس کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''سید صفی مرتضیٰ: انشائیہ کو ایسی فلسفیانہ شگفتگی کا حامل ہونا چاہئے جو پڑھنے والوں کے ذھن پر استدلال کے ذریعہ نہیں، بلکہ محض خوشگوار استعجاب اور بے ترتیب مفکرانہ انداز بیان کے ذریعے اپنا تاثر قائم کرے۔

عبدالماجد دریابادی: انشائیہ کی امتیازی خصوصیت حسن انشاء ہے یہ اس کے نام ہی سے ظاہر ہے انشائیہ وہ ہے جس میں مغز و مضمون کے اصل توجہ حسن عبارت پر ہو'

اصغر علی گونڈوی: ادب لطیف کا اصل مفہوم اس طرز انشاء سے ہے جو وسعت علم، احساس شعریت و حکیمانہ نزاکت خیال کے باہمی امتزاج سے پیدا ہوتا ہے۔

عبادت بریلوی، انشائیہ کا موضوع عام طور پر علمی اور ادبی نہیں ہوتا، معلومات کا فراہم کرنا اس کا مقصد نہیں، اس کی نوعیت ذاتی اور انفرادی ہے ایک داخلی آہنگ بھی اس کے اندر پایا جاتا ہے جس کی حدیں غنائیت سے جا ملتی ہیں۔''(11)

رام لعل نابھوی اپنی کتاب آم کے آم میں اردو کے مختلف ادباء کے نزدیک انشائیہ کسے کہتے ہیں، ان کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''مولانا صلاح الدین کے نزدیک انشائیہ کہتے ہیں انہیں پڑھ کر ناظر کی کیفیت اس بچے کی سی ہوجاتی ہے، جو اسکول میں دیر سے پہنچا ہوا اور جس نے گھر کا کام بھی نہ کیا ہو، لیکن اس کے ہاتھ میں بید پڑنے کے بجائے الٹے برفی اور قلاقند کے دو بڑے بڑے لفافے دیئے جائیں''۔

''نیاز فتح پوری لکھتے ہیں، انشائیہ نگاری دیگر اصناف ادب کے مقابلے میں آسان بھی ہے اور مشکل بھی آسان اس لیے کہ وہ صرف ایک ذہنی اپج ہے اور مشکل اس لیے کہ ہر ذہنی اپج انشائیہ نہیں بن سکتی اس لیے محض فکر کافی نہیں بلکہ ذکر بھی درکار ہے اور یہ ذکر

آسان نہیں اس کی اولین شرط عملی نفسیات کی مہارت ہے، اور ادب میں اگر یہ خاص اسلوب اختیار کر لیتی ہے جس میں فلسفہ، تنقید اور ادب کے تمام شعبے (مع طنز و تعریض مزاج) ایک دوسرے سے نظر آتے ہیں۔

احتشام حسین کے نزدیک ، انشائیہ ایک ادب پارہ قرار پائے گا جو زندگی کے مختلف مسائل اور اشیا کے متعلق ایک تخلیقی ذہن کے استعجاب، خوش گوار اور لطیف ردعمل، تناسبات اور تناقضات کا ذکر شگفتہ انداز میں پیش کرتا ہے اور منطق یا استدلال کا باقاعدہ التزام کیے بغیر پڑھنے والے کے ذہن کو متاثر کرتا ہے۔

ڈاکٹر سید حسنین کے نزدیک، انشائیہ پڑھنے کے بعد ہم کوئی گم کردہ شئے پا لیتے ہیں، ایسی شئی جو روزانہ کی سادہ وسپاٹ زندگی میں آنکھوں سے روپوش رہتی ہے، جو زندگی کے ٹھوس اور ناقابل ان کار حقیقتوں میں اوجھل رہتی ہے۔

ڈاکٹر وزیر آغاز نے غیر رسمی طریق کار، عدم تکمیل، اختصار، شگفتگی، اسلوب اور انکشاف ذات کو انشائیہ کے خارجی اور ہیتی عوامل قرار دیا ہے، ایک اچھے انشائیے کی پہچان یہ ہے کہ آپ اس کے مطالعے کے بعد کتاب کو چند لمحوں کے لیے بند کر دیں گے اور انشائیہ میں بکھرے ہوئے بہت سے اشارات کا سہارا لے کر خود ہی سوچتے اور محظوظ ہوتے چلے جائیں گے بکھرے چند لمحات کے لئے دنیاوی تفکر سے نجات دیتا ہے، اور ہم تھوڑی دیر کے لیے اس کی جمالیاتی موجوں میں کھو کر اپنے غم کو بھلا دیتے ہیں۔

نظیر صدیقی کے نزدیک انشائیہ وہ صنف ہے، جس میں حکمت سے لے کر حماقت تک اور حماقت سے لے کر حکمت تک کہ ساری منزلیں طے کی جاتی ہیں، یہ وہ صنف ادب ہے جس میں بے معنی باتوں میں معنی تلاش کیئے جاتے ہیں اور بامعنی باتوں کی مہلت اور مجہولیت اجاگر کی جاتی ہے۔

ڈاکٹر انور سدید کے الفاظ اگر مستعار لیے جائیں تو یوں کہا جائے گا، انشائیہ نگار اس انبوہ

میں شریک ہے جو پگڈنڈی پر چلتے چلتے کیچڑ میں لتھڑ گیا ہے لیکن زہر خند یا ہنسی کو جنم دینے کے بجائے انشائیہ نگار اس کیچڑ سے اکتساب سرور کر رہا ہے اور اپنے ساتھیوں کو ایسی شگفتہ باتیں بتا رہا ہے جو اسے مٹی کی سوندھی سوندھی خوشبو سونگھنے، زمیں کا لمس سے آشنا ہونے اور کیچڑ کا ذائقہ چکھنے سے پہلے معلوم نہیں تھی۔'' (12)

اس طرح انشائیہ مغربی ادب میں روز افزوں ترقی کے منازل طے کرتا ہوا آگے بڑھ رہا تھا کبھی، اسٹیونس ارسکن، پیٹر، چیٹرٹن، گارڈنر، رابرٹ لنڈ، کارلائل، جانس، جیروم، ڈی کوئنسی، ہکسلے ہربرٹ وغیرہ نے اس صنف کو انیسویں صدی میں نکھار پر کھڑا کر دیا، بیسویں صدی آتے آتے یہ فن عروج پر پہونچ گیا، جواد باء انگریزی تاریخ نگاری میں مصروف تھے، وہ اس کی مقبولیت اور عروج کو دیکھتے ہوئے فن انشائیہ کی جانب منتقل ہو گئے، جیسے ہنیری فلیڈنگ سیموئل جانسن، گولڈ اسمتھ وغیرہ کے نام قابل ذکر ہیں، یہ صنف مزید ترقی کے منازل طے کرتی ہوئی ہندوستان پہونچی یہاں پر اسکے چاہنے والوں کی کثیر تعداد موجود تھی، ان میں سے ہر ایک شخص کسی نہ کسی طرح سے ان سے متاثر نظر آتا ہے چاہے وہ سر سید، حالی، محمد حسین آزاد، نذیر احمد یا عبدالحلیم شرر ہوں، یہ تمام کے تمام لوگ کہیں نہ کہیں، ایڈیسن، سیموئل اور بیکن وغیرہ سے متاثر نظر آتے ہوئے دکھائی دیتے ہیں۔

یہ صنف کس طرح اردو ادب میں پروان چڑھی اس کی بھی ایک عجیب تاریخ اور داستان ہے کچھ لوگ اس کی ابتدا ملاوجہی اور کچھ آزادی کے بعد سے تسلیم کرتے ہیں۔

انشائیہ کی تاریخ انگریزی اور فرانسیسی ادب میں بہت قدیم ہے لیکن ہمارے ادب میں اس صنف کا وجود کب ہوا اس کا ذکر تفصیل کے ساتھ پیش نگاہ تحریر میں کیا جائے گا۔ ڈاکٹر وحید قریشی کی کتاب ''اردو کا بہترین انشائی ادب'' یہ انتہائی اہم اور قابل قدر ہے ان میں قدیم وجدید انشائی قلمکاروں کی نگارشات تاریخی اور تنقیدی انداز میں بیان کیا ہے۔ وہ اس کتاب میں انشائی ادب کی تاریخ کی ابتدا اور اس کا آغاز فسانۂ عجائب (1824) کو تصور کرتے ہیں۔ اور اس کی حمایت میں مختلف دلائل وغیرہ پیش بھی کرتے ہیں، لیکن انہیں معلوم ہونا چاہئے کہ اس کتاب کا مصنف مرزا رجب علی بیگ سرور ہیں جو بنیادی طور پر داستان گو ہیں

اور انہیں اردو کا پہلا انشائیہ نگار تسلیم کرنا یہ کہاں کی سچائی اور دیانت داری ہے' اسی طرح جمیل آذر اردو کا پہلا انشائیہ نگار وزیر آغاز کو تسلیم کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''ڈاکٹر وزیر آغاز پہلے ادیب ہیں جنھوں نے انشائیہ کے عناصر ترکیبی اور اس روح کو دریافت کیا جو انگریزی کے بلند پایہ انشائیوں کے اندر برقی رو کی طرح جاری وساری ہے انھوں نے ان مقتضیات کو اردو انشائیہ کا جزو لاینفک بنا کر نہ صرف انشائیہ لکھے بلکہ اپنے تنقیدی مضامین میں لکھ کر اس صنف ادب کے واضح نقوش کی نشان دہی بھی کی 1961ء میں اردو انشائیوں کا پہلا مجموعہ ''خیال پارے'' شائع ہوا اس کی اشاعت کے ساتھ ہی اردو ادب میں جدید انشائیہ کی باقاعدہ تحریک کا آغاز ہو گیا۔''(13)

اسی طرح انور سدید بھی اردو کا پہلا انشائیہ نگار ڈاکٹر وزیر آغاز کو تسلیم کرتے ہیں اور اردو انشائیہ کی نمود اول جنگ آزادی کے بعد تصور کرتے ہیں۔ اور کہتے ہیں کہ سرسید سے پہلے اور بعد میں انشائیہ کا کوئی واضح تصور موجود نہیں تھا اور اس دور میں انشائیہ کے فنی امتیازی نقوش وغیرہ مرتب کرنے کا کوئی عام چلن نہیں تھا بلکہ اسے مخصوص اصطلاح کی حیثیت 1961ء میں حاصل ہوئی اور وہ بھی ڈاکٹر وزیر آغاز کے ذریعے۔

ڈاکٹر سلیم اختر کی کتاب ''انشائیہ کی بنیاد'' کے نام سے معروف جس میں، انھوں نے وزیر آغاز کو پہلا انشائیہ نگار ہونے پر طعن و تشنیع کیا ہے اور پہلا انشائیہ نگار ہونے کے دعویٰ پر اعتراض کیا ہے۔

ان کے علاوہ دیگر باشندگان سرگودھا اور آس پاس کے ادباء وزیر آغاز ہی کو پہلا انشائیہ نگار تسلیم کرتے ہیں۔ اس میں سچائی کس قدر موجود ہے یہ ہر اردو ادب کے ادنی طالب علم کو معلوم ہے۔ ڈاکٹر جاوید وششٹ ، ملا وجہی کو اردو کا پہلا انشائیہ نگار تصور کرتے ہیں اور ان کی کتاب ''سب رس'' کو انشائیہ کی خشت اول شمار کرتے ہیں اور اس میں 61 انشائیہ پیش کرتے ہیں ''سب رس'' کو اردو انشائیہ کی پہلی کتاب اور ملا وجہی کو پہلا اردو انشائیہ نگار سمجھنا یہ کسی مضحکہ سے کم نہیں ہے جب کی ہر ایک شخص کو معلوم ہے کہ سب رس ایک داستانوی کتاب ہے اور اس کے اندر صوفیانہ تمثیل موجود ہیں۔ اس کے سلسلے میں یہی بات سچ ہے نیز یہ اردو کی عہد طفولیت کی کتاب تسلیم کی جاتی ہے۔

ڈاکٹر سید محمد حسنین نے اپنی کتاب انشاء اور انشائیے میں ڈاکٹر سلیم اختر کے متعدد اقوال پیش کیے ہیں ان میں سے کچھ کو مندرجہ ذیل میں بطور نمونہ پیش کیا جا رہا ہے۔ لکھتے ہیں:

''آج کل ڈاکٹر وزیر آغا زبردستی ہی صنف انشائیہ کے موجد بنے بیٹھے ہیں اور ان کے قصیدہ نگار بھی ان کی خوش نودی کی خاطر تاریخ ادب کے حقائق کو مسخ کرنے کی خاطر اپنے قلم سے گرد اڑا رہے ہیں''۔

مزید لکھتے ہیں:

''پاکستان میں انشائیہ کی تنقید اور اس سے جنم لینے والے مباحث اسی لیے تو بے ثمر رہتے ہیں کہ ان سب کا واحد مقصد ہر جا و بے جا طریقہ سے ڈاکٹر وزیر آغا کو تمام انشائیوں کا ہادی اور راہ نما ثابت کرنا ہوتا ہے اور اس ضمن میں اس حد تک غلو برتا جاتا ہے کہ جن بے چاروں کو اوراق کے نقاد انشائیہ نگار تسلیم کرتے ہیں تو ان کی خصوصیات بھی وزیر آغا کی عطا قرار پاتی ہیں۔''(14)

ڈاکٹر سلیم اختر سرسید کو انشائیہ نگار تسلیم کرتے ہیں اور ساتھ ہی اس بات کا اعتراف کرتے ہیں کہ ان کا مقصد ادب میں افادی ادب تھا لیکن اس کے باوجود وہ سرسید کو انشائیہ نگاری کا استاد اول تسلیم کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''سرسید نے شعوری طور پر اس صنف کو اردو میں متعارف کرایا اور ان انگریز اہل قلم کے نام بھی دیئے جن سے وہ متاثر ہوتے تھے مگر اس کے باوجود انھوں نے اس صنف کو اپنے مخصوص قومی مقاصد کی خاطر استعمال کرنے میں کسی قسم کی جھجک محسوس نہ کی بالفاظ دیگر، صنف کا تصور تو مستعار تھا مگر انھوں نے اپنی تحریروں کو ایڈیسن یا اسٹیل کا چربہ بنایا اور کہتے ہیں میں سمجھتا ہوں ہمارے انشائیہ کی انفرادیت بھی اسی میں مضمر ہے اس نے ماحول کے زیر اثر روح کی ترجمانی کی اور یوں اپنا تشخص برقرار رکھا۔''(15)

ڈاکٹر رفیعہ شبنم عابدی، انشاء کی ابتدا کے سلسلے میں رقم طراز ہیں:

''اردو ادب کے ابتدائی مراحل میں انشائیے کی صنف با قاعدہ طور پر تو نہیں ملتی لیکن یہ تعجب خیز امر ہے کہ جس دور میں مونتین اور بیکن انگریزی اور فرانسیسی میں انشائیے لکھ رہے تھے اسی دور میں ملا وجہی نے قطب شاہی سلطنت کے دوران ''سب رس'' جیسی شاہکار تخلیق تحریر کی اور ہر چند کی اس کا قصہ تمثیلی ہے لیکن ہوتا ہے کہ صوفیانہ تحریروں اقوال، ملفوظات داستانوی مثنویوں کے اس عہد میں ملا وجہی نے ''سب رس'' میں ایسے نثر پارے کیوں کر تحریر کئے، جن میں انشائیے کی تمام خوبیاں ملی ہے اسلوب کی تازہ کاری شگفتگی وسادگی انکشاف ذات وکائنات الفاظ کی غنائیت وموسقیت ان سب کو دیکھتے ہوئے کہا جا سکتا ہے کہ اردو میں انشائیے کی صنف اپنے قدیم دور ہی سے موجود تھی۔ اور ملا وجہی کو اردو کا پہلا انشائیہ نگار تسلیم کیا جا سکتا ہے۔'' (16)

لیکن دیگر ناقدین ادب انشائیہ کی رمق اور اسکے عکس کو قدماء کی تحریروں میں ہی تلاش کرتے ہیں اور ان کی اکثر وبیشتر تحریروں میں اس قسم کی رمق انہیں نظر آتی ہیں اس لیے وہ انشائیہ کی ابتداء سرسید اور ان کے رفقاء سے تسلیم کرتے ہیں اگر چہ اس دور میں اس صنف کا مخصوص نام وجود میں نہیں آیا تھا، لیکن بہر حال اس کی ابتداء بہت پہلے ہو چکی تھی۔

ڈاکٹر سید محمد حسین انشائیہ کے سلسلے میں لکھتے ہیں کہ ''عہد آزاد اردو انشائیہ کی صبح کاذب ہے اور عہد رشید صبح صادق'' (17)

اور جیسا کہ مذکورہ بالا صفحات میں بیان کیا گیا ہے کہ سب سے پہلی کتاب صنف انشائیہ میں ڈاکٹر وزیر آغا کی منظر عام پر شائع ہو کر آئی۔

ڈاکٹر حسنین اس کی تردید کرتے ہوئے لکھتے ہیں ''کہ تاریخ اردو ادب میں پہلی کتاب جو ''انشائیہ'' کے مجموعے سے نامزد ہو کر منظر عام پر آئی ''ترنگ'' ہے اس کے مصنف سید شاہ علی اکبر (ولادت پھلواری شریف پٹنہ 1919 وفات کراچی 1962) قاصد تھے ترنگ کو مکتبۂ خیال (سبزی باغ بان کی پورنیہ) نے 1944 میں شائع کیا۔'' (18)

لیکن پاکستانی قلم کار ڈاکٹر وزیر آغا ہی کو پہلا انشائیہ نگار تسلیم کتے ہیں وہ ان کے اس مجموعے کو انشائیہ تسلیم ہی نہیں کرتے بلکہ کہتے ہیں کہ اس میں انشائیہ کے رموز اور اس کی شرطین نہیں پائی جاتی ہیں۔

لیکن سچی بات یہی ہے کہ سرسید نے پہلی بار دانستہ اور شعوری طور پر اس صنف کو مستقل طور پر لکھا، اس کے بعد محمد حسین آزاد نے اس کی اصل جڑوں تک رسائی کی اس لیے کہ وہ انگریزی کے خزانوں تک اپنی رسائی اسٹیل وایڈیشن کے انشائیوں کے ذریعے کر چکے تھے شبلی کے یہاں انشائیہ کی کوئی رمق دیکھنے کو نہیں ملتی وہ مقالات میں اپنا ثانی نہیں رکھتے تھے لیکن اس کے بعد حالی کے یہاں کچھ انشائیے مل جاتے ہیں۔انشائیہ کی ابتدا سرسید سے ہی ہوگئی تھی جیسا کہ ڈاکٹر عبارت بریلوی ''انشائیہ سرسید کے عہد میں'' مطبوعہ نئی قدریں شمارہ 5-4 میں ذکر کیا ہے۔

ڈاکٹر سلیم اختر لکھتے ہیں:

> ''ڈاکٹر عبادت بریلوی دوٹوک الفاظ میں یہ اعلان کرتے ہیں سرسید اردو ادب کے سب سے پہلے انشائیہ نگار ہیں انھوں نے ''تہذیب الاخلاق'' نکالا اور تہذیب الاخلاق اردو انشائیہ نگاری میں سنگ میل کی حیثیت رکھتا ہے وہ مزید رقمطراز ہیں ''سرسید کے رفقا میں محسن الملک وقار الملک اور حالی نے بھی بعض ایسے مضامین لکھے ہیں جن کو انشائیہ کے تحت شمار کیا جاتا ہے۔''(19)

اگر ایمان داری اور تعصب کے عینک کو اتار کر دیکھیں تو معلوم ہوگا کہ سرسید اور آزاد کے بعد اگر کسی نے اردو ادب میں انشائیہ نگاری کو پورے انہماک اور فنی اصولوں کے ساتھ رواداری کا برتاؤ کیا ہے تو سب سے اوپر عبدالحلیم شرر کا نام دیکھنے کو ملے گا لیکن انہیں وہ مقام نہیں عطا کیا گیا جو ان کا حق تھا مندرجہ ذیل میں شرر کی انشائیہ نگاری کے تعلق سے ذکر کیا جائے گا کہ شرر نے اپنی تحریروں میں کس قدر اس صنف کے اصولوں کی پاسداری کی ہے۔

عبدالحلیم شرر اپنے رسالہ دلگداز میں بے شمار انشائیے رقم کیے ہیں اسی طرح شرر کے مضامین جو کتابی شکل میں عاشقانہ اور شاعرانہ نام سے اکٹھا کیے گئے ہیں اس میں شرر کے بے شمار انشائیوں کا تذکرہ کیا گیا

ہے شرر کے انشائیوں کا ذکر ذیل کی تحریروں میں تفصیل کے ساتھ بیان کیا جائے گا۔

ڈاکٹر سید ظہیر الدین مدنی، شرر کے انشائیہ نگاری کے سلسلے میں لکھتے ہیں:

''اس دور کے ایسے نگاروں میں شرر کا نام سرفہرست ہے شرر کو انگریزی ادب سے استفادے کا موقع ملا تھا اگلے وقتوں کے بزرگوں کے کارنامے بھی ان کے سامنے تھے۔ شرر نے علمی ادبی مقالے بھی لکھے مگر ان کے اسینز اور مقالوں کے طرز ادا میں نمایاں فرق پایا جاتا ہے۔ اگر ان کا عالمانہ اور ناصحانہ انداز اسینز میں بھی ملتا ہے مگر اسلوب بیان بے ساختہ پن اور شگفتگی نے ایسے کی روح قائم رکھی ہے شرر کے اسینز کے مطالعے سے اہم بات یہ واضح ہوتی ہے کہ انھوں نے اپنے تجربوں اور مشاہدوں کی روشنی میں اپنے تاثرات کو قلم برداشتہ لکھا ہے درس عبرت دینے کے لئے عموماً مناظر قدرت کا سہارا لیا ہے شرر کے اسینز، آدھی رات لالہ خودرو، باغ نسیم سحر، ایک چھوٹے ذرے کی سرگذشت، بزم قدرت اس بیان کی تصدیق کرتے ہیں۔''(20)

رشید حسن خان جنہوں نے شرر کی کتاب ''ہندوستان میں مشرقی تمدن کا آخری نمونہ یعنی گذشتہ لکھنؤ'' کی ابتدا سے پہلے شرر کی زندگی کا مکمل خاکہ ''تعارف'' کے عنوان سے بہت ہی سلیس اور پرمغز انداز میں بیان کیا ہے جہاں انھوں نے شرر کی زندگی کے متعلق اور ان کی خدمات کے تعلق سے بہت ساری باتوں کا ذکر کیا ہے وہیں وہ شرر کی انشائیہ نگاری کے تعلق سے رقم کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''شرر کا دوسرا قابل قدر اور قابل ذکر کارنامہ انشائیہ نگاری ہے وہ اردو کے اولین انشائیہ نگاروں میں سے ہیں موضوعات کا تنوع، عبارت کی شستگی، مختصر جملے اور تصنع سے معرّا اسلوب ان کی خصوصیات ہیں اگرچہ کہیں کہیں فارسی عربی کے کچھ بوجھل لفظ آجاتے ہیں لیکن ایسا کم ہے خیالات میں شگفتگی ہے ناول نگاری نے جزئیات کی تصویرکشی کا رنگ چمکا دیا تھا، ان عناصر کی بنا پر ان کے انشائیے، خاصے دل چسپ ہیں۔''(21)

شرر نے بے شمار انشائیے لکھے ہیں لیکن جس وقت وہ لکھ رہے تھے انہیں شاید اس بات کا اندازہ نہیں تھا

کہ وہ اردو میں ایک نئی صنف کو پروان چڑھا رہے ہیں یہ بات واضح اور روشن ہے کہ جب بھی انشائیہ کی تاریخ کا ذکر ہوگا بغیر شرر کے ذکر کے اس کی تاریخ ادھوری تسلیم کی جائے گی۔ شرر اپنی انہیں تحریروں اور شگفتہ بیانیوں نیز متنوع موضوعات پر خامہ فرسائی کی وجہ سے پورے ملک میں معروف ومشہور ہوئے تھے اور اس میں ان کے انشائیہ نما مضامین نے انہیں مزید شہرت عطا کی۔

شرر کے مضامین کو کئی جلدوں میں مرتب کیا گیا ہے ان میں انشائیوں کی تعداد تقریبا سیکڑوں ہیں ان میں کچھ تاریخی لحاظ سے، اور کچھ جغرافیائی اور مختلف موضوعات پر مشتمل ہیں، ان میں سے اکثر وبیشتر انشائیوں کا تجزیاتی مطالعہ ذیل کے سطور میں پیش کیا جائے گا اور اس میں یہ دیکھنے کی کوشش کی جائے گی کی شرر نے انشائیوں کے بنیادی اصول وضوابط کی اشاعت 1887 میں کی اس میں ان کے مضامین شاعرانہ وعاشقانہ کی بہترین مثال ہیں اور ہم ان کے اس انداز بیان کو دلگداز کا پہلا انشائیہ کہہ سکتے ہیں جس طرح ان کی تحریریں ہیں اس میں انشائیہ کی رمق اور شگفتی دیکھنے کو ملتی ہے۔

شرر اس کی ابتدا اس انداز میں کرتے ہیں:

''وہ وقت بھی کس قیامت کا وقت ہوتا ہے جب بچپن دل پر کچھ اثر پڑ جاتا ہے ہاں اتنا ہے کہ اس کے لیے دل بھی نرم چاہئے مگر ہم تو جانتے ہیں کہ چاہے کیسا ہی سخت سے سخت دل ہو اثر کرنے والے جملے بیتاب ہی کر دیتے ہیں، ناز وانداز نے تغافل شعاری کے بڑے بڑے سامان کیے لیکن ہجراں نصیبوں کی آہ وزاری کی جگر خراش صدائیں سن کر سنگ دلوں سے ضبط نہ ہو سکا، کشش محبت بے کرنے والوں کو اپنے طرف متوجہ کر ہی لیتی ہے کسی نوجوان بیوہ کی حسرت مند آزوواس وقت سنیئے جب وہ آدھی رات کو عزواقربا سے چھپا کر دبی زبان سے نالہ وفریاد کررہی ہو تو معلوم ہو کہ دل کسی اثر قبول کرنے والی چیز ہے یا یہ بھی نہیں اس یتیم بچے کا بلک بلک کے رونا دیکھیئے جو کسی ایسی بیوہ کی گود میں چلا جاتا ہو جس سے ننھے معصوم کی مایوسانہ صورت نہ دیکھی جاتی ہو۔''(22)

ان چند سطروں کو بطور نمونہ پیش کیا گیا ہے جبکہ شرر نے اپنی قوم کے دل سخت اور سنگین ہو جانے پر پانچ

صفحات پر مشتمل اس انشائیہ کو لکھا ہے وہ اپنے اس انشائیہ نما اپیل کو اس پیرا گراف پر ختم کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''قومی اغراض قوم سے بیان کرنے کے لئے اسوقت صدہا اخبار جاری ہیں بلکہ بعض اخبارات بڑی محنت وجانکاری سے اپنا فرض ادا کر رہے ہیں ایسے وقت میں ایک اور پرچے کا نکال دینا کسی حیثیت سے مفید نہیں ہوسکتا مگر دلگداز اس غرض سے شائع کیا گیا ہے کہ اپنے مواد اور دل دہلا دینے والے الفاظ سے اگر قوم کے دلوں پر فتح بنا سکے تو اپنا قومی مرثیہ آپ ہی پڑھے اور آپ ہی روئے اور اس بہانے اپنے دل کا بخار نکال ڈالا کرے۔''(23)

شرر نے دلگداز میں اپنے قوم کی اصلاح اور ان کے مرثیہ کی جو بات کہی ہے تقریبا وہ شرر کی ہر تحریر میں دیکھنے کو ملتی ہے ان کی اکثر وبیشتر تحریریں قوم کی اصلاح پر منحصر ہیں، لیکن آخر شرر بھی کیا کر سکتے تھے، وہ دور ہی ایسا تھا جہاں سرسید سے لے کر حالی شبلی اور ان کے تمام رفقاء اپنی قوم کی اصلاح ہی کرتے نظر آرہے تھے تو بھلا شرر اس سے کیسے بچ سکتے تھے اور یہ ان لوگوں کے لئے لمحہ فکریہ بھی ہے جو شرر کو مولوی ٹائپ ادیب کہا کرتے تھے کیا ان کی نظریں حالی سرسید، شبلی، ذکاء اللہ، چراغ دہلوی، اور سرسید کے تمام رفقا جو اس وقت لکھ رہے تھے کیا وہ اپنے قوم کا مرثیہ اور ان کی اصلاح اور تبلیغ کا بیڑا نہیں اٹھا رکھے تھے تو پھر آخر شرر ہی کو کیوں لوگ دشنام طرازی کا شکار بناتے ہوئے نظر آتے ہیں؟

رسالہ دلگداز کی ابتدا ہی شرر انشائیہ، امید سے کرتے ہیں اور یہ انشائیہ تقریبا ساڑھے پانچ صفحات پر مشتمل ہے، شرر اس کی شروعات اس انداز میں کرتے ہیں:

''سچ تو یوں ہے کہ اس ذرا سی امید کا سہارا بڑے بڑے نازک وقتوں میں کام آتا ہے انصاف سے پوچھئے تو امید ہی ہمیں دنیا میں لے آئی، اور یہ امید ہی اس دنیا سے لے بھی جائے گی باغ ہستی کی بہار اور دنیا کی دلچسپیوں کا ایسا لالچ نہیں دلایا گیا تھا، کہ کنج عدم سے ہم چل نہ کھڑے ہوتے اور گلزار جناں کے دلفریب حالات ہم سے کچھ کم نہیں

بیان کیے جاتے ہیں، کہ قصد کرتے کرتے ایک روز وہاں کا ارادہ نہ کر دیں حسن دنیاوی کی دید کا لپکا اور یہاں کہ مہ وشوں کے وصل کی امید عالم عناصر میں کھینچ لائی تو حوروں کے جمال جہاں آراء کے دیکھنے کا شوق اور ان کی ہمکناری کی وہاں بھی ضرور لے جائیے گی، بس یہ ایک امید ہے کہ ادھر ادھر حیران وسرگرداں لیے پھرتی ہے ورنہ تو ہم اپنی جگہ سے جنش کرنے والے بھی نہ تھے، نہیں حیرانی کا ہے کی غور کیجئے تو امید نے ہمیں ایک اچھے دھندے سے لگا دیا ہے واقعی یوں بیکار بیٹھے بیٹھے جی اکتا جاتا'' اے بجھے ہوئے دلوں کے حوصلے بڑھانے والی اور بڑی بڑی مایوسیوں کی حالت میں کچھ اطمینان دلانے والی امید! تو بڑے کام کی چیز ہے''(24)

انشائیہ کا اختتام اس انداز میں کرتے ہیں:

''اے مسلمانوں کے ہاتھ کی زبردست تلوار امید! تیرا بڑا سہارا ہے قوم کے پھرا بھرنے کا اب کوئی سامان نظر نہیں آتا ہماری حالت روز بروز بدتر ہوتی جاتی ہے ہم لحظہ بلحظہ گرتے جاتے ہیں تو ترقی کی ساری آرزوئیں خاک میں ملائی جاتی ہے مگر ہم جانتے ہیں کہ اس کا ساتھ دیتی ہے جو میرا ساتھ دیتا ہے اے خدا تو ہمارے قومی بھائیوں کو سمجھ دے کہ وہ امید کا ساتھ دیں۔''(25)

شرر کے ابتدائی انشائیوں میں رنگینی اور صناعی زیادہ دیکھنے کو ملتی ہے اس کی سب سے اہم وجہ یہ ہے کہ وہ لکھنوی نثر کے پیروکار ہونے کے ساتھ ساتھ کلکتہ کے مٹیا برج کی رنگین فضاؤں کے پروردہ تھے۔

اگر شرر سے پہلے سرسید کی تحریروں کا مطالعہ کیا جائے تو ان میں سرسید اور آزاد کے صنف انشائیہ کا عکس نظر آتا ہے شرر کے انشائیوں میں ابتدا ہی سے حسن وعشق کو داخلہ ملا ہوا تھا موضوع کچھ بھی ان کے ابتدائی انشائیوں میں یہ مسائل کثرت سے دیکھنے کو ملتے ہیں نمونے کے طور پر مندرجہ ذیل میں چند اقتباسات پیش کیا جا رہا ہے، اس سے ہم اندازہ لگا سکتے ہیں کہ شرر کے ابتدائی انشائیوں میں حسن وعشق کے مسائل کثیر تعداد موجود ہیں چاہے کسی بھی چیز کا ذکر ہو شرر اس میں حسن وعشق کی آمیزش کر ہی دیتے ہیں، مثلاً ان کا

ایک انشائیہ ’’چاندنی رات‘‘ اس کا اقتباس ملاحظہ فرمائیں:

’’بیداری شب ہجراں خمار اس غضب کا تھا کہ سر شام ہی سے وصلت نصیبوں کی آنکھ لگ گئی پہلوے یار عجب خود رفتگی کا مقام تھا کہ پر آرزو ہاتھ گلوے مصفّا میں پڑے تو پھر دین و دنیا کہ مطلق خبر نہ رہی۔ رات کا گزرنا کچھ انہیں لوگوں کو خوب معلوم ہوتا ہے جو بیقراری میں کروٹیں بدلا کرتے ہیں جن کو گھڑیاں گنتے گذرتی ہے جس طرح ان کے ہم پہلو نکھر کے آئے تھے، اسی طرح آج چاندنی پر بھی غضب کا نکھار تھا مگر محو روئے جانان خود رفتگی کے ہاتھوں ایسے بکے ہوئے تھے، کہ اس روشن رات کا کچھ بھی لطف نہ اٹھا سکے، عیش وعشرت کی زندگی کسی کو یاد نہ رہی، یوں ہی باتیں کرتے کرتے گذر جائے گی، اسی طرح وہ لوگ جن کی تمناؤں نے کسی حور وش مہمان کو ان کی نگاہ کے سامنے لاکر بٹھا دیا تھا جوش سرور میں ایسے محو عشرت ہو لیئے کہ یہ بھی نہ معلوم ہوا، کہ مہمان شب کی کیسی خاطر کی گئی، وہ کیا جانیں رات کیسی تھی، اور چاندنی کس بلا کی تھی، اور ٹھنڈی ہوا کے جھونکے کس طرح چھینٹے دے دے کر انہیں ہوشیار کر رہے تھے یہ چانی رات معلوم ہوئی تو انہیں لوگوں کو جن کی حرتیں رات کے بڑھنے اور گھڑیوں کے گذرنے کے ساتھ ساتھ بڑھتی جاتی تھیں مگر افسوس انھوں نے نہ دیکھا تو کیا خاک لطف اٹھایا؟ یہی ہوا کہ درد جگر بڑھتا گیا اور دل کی الجھن ترقی کرتی گئی۔‘‘ (26)

ان کا ایک اور انشائیہ ’’کل‘‘ کا اقتباس پیش خدمت ہے:

’’کوئی آئے گا، بس یہ ایک مختصر مشغلہ خدا جانے آرزومندوں کو کیا کچھ تسکین دلا دیا کرتا ہے بظاہر دیکھئے تو بہت تھوڑی مدت ہے مگر حسینوں کی بیوفائیوں نے ایسا بدنام کر دیا کہ آج تک کبھی پوری نہ ہوئی دنیا سے سدھار جانے والوں کی جماعت میں بہت کم ایسے نکلیں گے جو کل کے سوا کوئی پرسوں کی بھی امید دل میں لے گئے ہوں ہائے یہ کتنے بڑے ستم کی بات ہے کہ کل کی پیش پا افتادہ وسعت بھی کبھی پوری ہونے کو نہ آئی‘‘ (27)

زمانے کا تھیٹر انشائیہ کی شروعات اس طرح کرتے ہیں:

''عام خیال کی سیر اور دماغی دلچسپیاں غریبوں ہی کی قسمت میں لکھ دی گئی ہیں، یہ مسلم ہے کہ امراء کے حوصلے بڑھے رہتے ہیں، مگر کنج تنہائی میں بیٹھ کر باغ خیال کی نیرنگیاں دیکھنا انھیں دلوں کے حصے میں ہے، جو دنیاوی منتشر خیالات سے خالی ہیں، نشیب وفراز عالم میں غربا ہی ٹھوکریں کھاتے ہیں، اور تجربہ کاری کی منزلیں طے کرنا انھیں تہہ دستوں کی قسمت میں ہے، یہ ہماری تھوڑی دیر کی سیر ہے، جو بے فکری اور امارت کی ہزار سیروں سے زیادہ نتیجہ خیز اور عبرت انگیز ہے، اس اسٹیج پر ہم نے جو خیالی صورتیں دیکھی ہیں، وہ ان پیاری اور بھولی صورتوں سے بدرجہا زیادہ دلفریب ہیں جو ہمارے ہم مشرب تھیٹروں میں دیکھا کرتے ہیں، اس ڈرامے سے لطف اٹھا کر جو جواہر ہم نے اپنے ذہن کے خزانے میں جمع کر لیے ہیں، وہ ان پری رخوں کے دلربا چہروں سے کہیں بڑھے چڑھے ہیں جو ہمارے عشرت پسند دوستوں کے دلوں میں بسے ہوتے ہیں۔'' (28)

ایک انشائیہ قیاس نیل کے نام سے ہے: شرر نیل کا جغرافیائی نقشہ پیش کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''مصر ایک طرف وادی تہیہ سے دوسری جانب دشت سوڈان سے اور تیسری سمت ریگزار طرابلس سے گھرا ہوا ہے غرض کہ بالکل صحرا و جبال کے آغوش میں ہے بارش اس قدر کم ہوتی ہے کہ زراعت اور پیداوار کے لئے بالکل ناکافی ہے صرف ایک دریائے نیل نے جنوبی دشت سوڈان سے بہتا ہوا آ کے بحیرۂ روم میں گرا ہے اس بیابانی زمین کو دنیوی جنت بنا دیتی ہے نیل ہی مصر کی کل کائنات ہے یہ دریا نہ ہوتا تو مصر بھی ایک دشت بے گیاہ ہوتا جس میں اہرام کی جگہ ریگ رواں کے تودے اور دولتمند زمینداروں کے بدلے بدوی خانہ بدوش پانی کی تلاش میں ٹھوکریں کھاتے نظر آتے دریائے نیل کی سب سے بڑی برکت اس کی خصوصیت ہے کہ گرمیوں میں وہ بڑھنا شروع ہو جاتا ہے اور یہاں تک بڑھتے بڑھتے چادر آب زمین پر کوسوں اور منزلوں تک پھیل جاتی ہے اور

جب زمین اچھی طرح پانی پی کے سیراب ہو لیتی ہے تو دریا اترنے لگتا ہے میدان کھل جاتے ہیں اور ہر طرف ہرے ہرے کھیت لہلہا اٹھتے ہیں۔'' (29)

اسی طرح ان کا انشائیہ سودا وطن ،شام غربت، جوش، کامیابی، نہیں، شہر کی رات ،انتظار، زمانہ، سادگی، دہات کی زندگی، آہ، رات، رسالہ دلگداز کے ابتدائی سال میں شرر نے اتنے انشائیہ لکھے۔

ان کے انشائیوں کی تعداد میں روز افزوں اضافہ ہوتا چلا جارہا تھا۔

شرر کے ابتدائی انشائیوں میں حسن وعشق کی آمیزش زیادہ تعداد میں موجود ہے جتنے بھی مذکورہ بالا سطور میں اقتباس کا ذکر کیا گیا ہے اسمیں مضمون کچھ بھی ہو شرر اسکے اندر عشق و عاشقی سے متعلق کچھ نہ کچھ ضرور پیش کر دیتے ہیں ایسا لگتا ہے کہ شرر اس کے خمیر سے خاصا متاثر تھے، چاہے وہ انتظار، تیر نظر، بوئے وفا، شہر کی رات امید وآرزو، عمر رفتہ، ناکامی وغیرہ ان جیسے بہت سے انشایئے موجود ہیں جس میں عشق کا خمیر نظر آتا ہے، شرر کے اکثر و بیشتر انشایئے دلگداز میں شائع ہوئے ان کا ذکر شمارے کے سن کے ساتھ کیا جارہا ہے ان کے علاوہ اور بہت سارے انشایئے دوسرے پرچوں میں شائع ہوئے۔

1887 کے جنوری کے شمارے میں ،امید، فروری میں، چاندنی رات ،کل، اپریل زمانے کا تھپیڑ مئی، باغ آرزو، سوادوطن، شام غربت، جون صر، جوش، جولائی، کامیابی، امید نمایش، اگست نہیں، شہر کی رات، ستمبر، انتظار، زمانہ، اکتوبر، سادگی، آسمان، نومبر، دہات کی زندگی، آہ ،افلاس اور زنا، دسمبر، رات، 1888 کے شمارے میں شرر کا انشائیہ، فروری، غربت کا چراغ، جھلملاتا ہوا تاہ، مئی ،بیخودی، جون، ہاں، جولائی، دمشق، لالہ خودرو، تیر نظر، اکتوبر، مسافران عدم، نومبر، بوئے وفا، دشت وحشت۔

1889 میں رسالہ دلگداز کے انشایئے، فروری، عمر رفتہ ،افسردہ دلی، مارچ، پھول، اپریل، تدبیر، اگست، آدہی رات، اکتوبر، انجام، دسمبر، صبح چمن، 1890 کا دلگداز اپریل، دنیا، مئی شمع سحر، جون، برسات جولائی رنج والم، اگست، غریب کا جھونپڑا، ستمبر، اندھیری رات، اکتوبر، رخصت بہار، 1891 ،فروری دہلی مرحوم، دہلی اور اسکا اگلا دربار، اپریل، بادسحر، مئی 1891 سے دسمبر 1892 تک دلگداز کی اشاعت بند رہی جنوری 1893 سے اس کی اشاعت دوبارہ شروع ہوتی ہے۔

1893،مئی ناکامی۔

1893 اکتوبر سے فروری1897 تک دلگداز کی اشاعت بندرہی مارچ1897 سے دلگداز کی اشاعت پھرشروع ہوئی۔

1897جولائی آہ اور واہ۔

1898مارچ سے دسمبر تک اشاعت بندرہی جنوری1900 سے اشاعت پھر سے شروع ہوئی،

1900ءمیں دلگداز کے انشائیے

جولائی 1 شفق 1 اگست،امیدوآرزو۔

1901ءمارچ ہوا،شادی وغم،مئی ہم۔

جون 1901 سے مئی 1904 تک دلگداز کی اشاعت بند رہی، جون1904 سے پھر اس کی اشاعت،شروع ہوئی۔

1904 ، جولائی،خلوص،اگست،موسم خریف،نومبر،زمانہ یاس،1905 اپریل شمع خاموش،جون پیر فلک،غرورحسن،1906 جنوری فرشتہ، ندیایوں کا بہاؤ مارچ دہات کی زندگی، جون، خاموش آسمان، جولائی،خوب وزشت،اکتوبر،شمع حرم،دسمبر،عشاق سخن

1907،جنوری یادوطن،اپریل،دولت،ہم نشین،جون،آج،ہم تم،ہدف۔

جولائی1907 سے1908 تک اشاعت بندرہی،جولائی1908 سے بھر اشاعت شروع،

1908،اکتوبرموسیٰ ندی،صند،نومبر،وہ۔

جنوری1909 سے دسمبر 1909 تک اس کی اشاعت پھر بندرہی جنوری1910 سے اشاعت دو بارہ شروع ہوئی، پھرکبھی بندنہیں ہوئی۔

19010مارچ ذکرعیش بہ ازعیش اپریل،گریباں جولائی،خندہ روئی۔

1911ءفروری بے تعصبی دولت گفتار،جون ایثارنفس۔

1912،جولائی سرورایام،اگست،صبح۔

1913ء فروری خودنمائی، دسمبر گنگا کنارے کا پرانا برگد،

1914ء جنوری، مغرور جوتا۔

1915ء فروری رقص، مارچ عقل ونقل کا جھگڑا، جون بھول۔

1916ء جنوری قیاس نیل۔

1917ء، 1918

شرر کے ابتدائی انشائیے جن میں حسن وعشق کا ذکر بے شمار ملتا ہے لیکن دھیرے دھیرے وقت گزرتا گیا ان کے انشائیے ہشت پہلو نظر آنے لگے، تخیل کی وسعت، بیان کی ندرت اور بات سے بات پیدا کرنے کا ہنر اور خود مذاقی کے ساتھ ساتھ اس میں گہرائی وگیرائی کا عنصر نمایاں طور پر واضح ہونے لگا اپنے ہم عصروں سے آگے بڑھتے چلے گئے انشائیوں میں شرر کی منظر نگاری سر چڑھ کر بولتی ہے۔شرر کے انشائیہ کا کوئی موضوع خاص نہیں تھا بلکہ انھوں نے ہر قسم کے موضوعات پر خامہ فرسائی کی ہے فلسفہ، اخلاقیات، مذھبیات بلکہ متنوع موضوعات کو انھوں نے اپنے انشائیوں کا موضوع بنایا۔سنسکرت وغیرہ کے ادب پاروں سے بھی شرر نے اخذ وترجمہ کے ذریعے ہے انشائیہ کی صنف کو بام عروج پر پہونچایا جیسے کالیداس کے ''تیوسماروہ'' وغیرہ کو ''موسموں کی بہاریں'' کے نام سے ترجمہ کیا، اوراس ترجمے میں انشائیہ کے تمام پہلوؤں کو پیش نظر رکھا۔

''دلگداز کے موضوعات اس قدر وسیع اور متنوع ہیں، کہ ان پر بلاشبہ یہ قول صادق آتا ہے کہ دنیا کی ہر چیز انشائیہ کا موضوع بن سکتی ہے۔شرر جس وقت اودھ اخبار میں ملازمت کر رہے تھے اسی وقت سے انھوں نے انشائیہ کی شروعات کی، اور بہت سارے انشائیے تحریر کیے انشائیہ نگار کی نظر بڑی باریک بین ہوئی ہے وہ چیزوں کو کئی جہتوں اور طریقوں سے دیکھتا ہے۔اور بہترین انشائیہ وہی کہلاتا ہے جس میں خیالات منتشر ہوں، علمی مباحث وغیرہ کا ذکر نہ کیا جائے، قاری پڑھتے ہوئے محظوظ ہوتا چلا جائے تحریر کی سلیت برقرار نہ ہو، اختصار کے ساتھ بیان کیا جائے اسلوب بھی غیر منطقی ہونے کے ساتھ ساتھ رمزیت واشاریت بھی اس کے اندر پائی جاتی ہو اس میں ایک ہلکی سی مہک چمک اور ترنم وگل افشانی کو بیان کیا جاتا ہو۔

انشائیہ نگاری میں شرر کا اسلوب بیان سادہ سلیس اور رواں دواں ہے ان کا آزادانہ اسلوب نگارش جگہ

جگہ دیکھنے کوملتا ہےان کی تحریروں میں فارسی،عربی وانگریزی کے الفاظ کا بھی استعمال ہوتا ہے۔

ڈاکٹرسلیم اختر شرر کے اسلوب انشائیہ نگاری کے سلسلے میں لکھتے ہیں،اپنی کتاب میں ان کے کئی اقتباسات کا ذکر بھی کرتے ہیں،لیکن ان میں سے میں ایک اقتباس کا ذکر مندرجہ ذیل میں کیا جارہا ہے۔جس کا موضوع''لالۂ خودرو'' ہے:

> ''ہمارے باغ میں جن کا ہر ہر پھول بڑی تمناؤں سے دوچار روز کے لئے شگفتہ ہوا ہے لاکھ بہار کا موسم آئے،اور ہزار ظلم نباتات کے اصول برتے جائیں اصل تو یہ ہے کہ جب مقابلہ کیجئے تو یہی دل میں آتا ہے کہ سارے باغ کو لالۂ خودرو کے پاس دل فریب پھول پر قربان کردیجئے جو بے کسی کی کوشش کے خود بہ خود کسی صحرامیں اُگ آیا ہے''اس انشائیہ میں شرر کا انداز بیاں،شگفتہ،سلیس اور دلکش ہونے کے ساتھ ساتھ اپنے انشائیوں کا عمدہ نمونہ پیش کرتا ہے۔''عبدالحلیم شرر کے انشائیوں میں فکر کی جولہر زیریں سطح پر چلتی ہے ہ قاری کواسلوب میں گم نہیں ہونے دیتی بلکہ کچھ سوچنے پر مجبور کرتی ہے یہ گہرا تفکر نہیں ہوتا بلکہ پورا ہی پڑھتے پڑھتے اچانک ٹھٹھک جانے کی ایک کیفیت ہوتی ہےاس لیے ہووہ اسلامی نکتہ سمجھانے میں سرسید کے برعکس واشگاف نہیں ہوجاتے بلکہ انشائیہ کالطیف انداز برقرار رکھتے ہیں۔''(30)

اردوانشائیہ میں شرر کا مقام ومرتبہ:

اردوانشائیہ نگاری میں شرر کا مقام ان کے معاصرین سے کچھ کم نہیں ہے بلکہ اگر ہم سرسید کے انشائیوں کا مطالعہ کریں تو ہمیں ان کے انشائیوں میں اکثر وبیشتر مسلم قوم کی ترقی،فلاح وبہبوداوران کو بیدار کرنے والے اکثر مضامین دیکھنے کو ملتے ہیں۔اسی طرح محمد حسین آزاد کے انشائیوں کا مطالعہ کیا جائے تو آزاد کے اکثر انشائیے مغربی ادب سے مستعار لیے ہوئے معلوم ہوتے ہیں لیکن شرر کے یہاں کمیت اور کیفیت کے ساتھ ساتھ موضوعات کی متنوع شکلیں بھی موجود ہیں شرر انگریزی ادب سے اپنی لوکو روشن کیے ہوئے تھے دھیر دھیرے اس میں روشنی مزید بڑھتی چلی گئی اوراس قدرروشنی بڑھی کی پورے اردو دنیا کواپنے انشائیوں

سے منور کر دیا، ان کے بعض انشائیوں میں ان بزرگوں کا عکس نظر آتا ہے، اگر دیکھا جائے تو اس دور میں سرسید اور آزاد کے بعد اگر کسی نے انشائیہ نگاری کے ساتھ پوری توجہ اور فنی انہاک کے ساتھ متصف رہے تو شرر کا نام اس فہرست میں سب سے اوپر لکھا جائے گا شرر مختلف موضوعات پر انشائیے تحریر کیے۔

ڈاکٹر ظہرالدین شرر کے تعلق سے لکھے ہیں:

''ادب لطیف کی تاریخ میں شرر کو اس کا امام اور سجاد حیدر، نیاز فتح پوری اور خلیقی دہلوی وغیرہ کو اس قصر ادب کا ستون تصور کیا جاتا ہے۔''(31)

رام لال نابھوی اختر اور ینوری کا انشائیہ کے تعلق سے قول ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ ''حالی، شرر اور حسن نظامی نے اس طرف کافی توجہ کی تھی۔ اگر رفتار ترقی وہی رہتی جوان بزرگوں نے حاصل کی تھی تو اب تک اس صنف میں اردو کہاں سے کہا پہونچ جاتی''۔(32)

ڈاکٹر سید شاہ علی شرر کے انشائیوں کے تعلق سے لکھتے ہیں:

''شرر نے ناول نویسی کی دنیا میں اپنے تاریخی اور معاشرتی ناولوں کی جدت اور کثرت سے اس کے موضوعات میں تنوع پیدا کیا، اپنے پیش رو ناول نویسوں کے اہمیت میں اضافہ کیا اور ناول کو مقبول بنایا۔ اسی طرح ان کے انشائیوں کی رنگارنگی اور وسعت نے اردو انشائیہ کو چار چاند لگا دیئے اور اردو ادب کو ایک ایسے اسلوب سے آشنا کیا جو اس عہد کے انگریزی اسلوب کا جواب تھا ناول کے طرز ادا میں پلاٹ، منظر نگاری اور اس کے دیگر اجزائے ترکیبی سے جان پڑ جاتی ہے لیکن انشائیہ کے طرز بیان میں ناول اور افسانے کا سا لطف پیدا کر دینا شرر ہی کا حق تھا اردو انشائیہ میں شرر کا رول کافی وقیع ہے انھوں نے تقریباً ایک ہزار انشائیے سپرد قلم کیے ہیں ان کے اودھ پنچ اور دیگر پرچوں کے ابتدائی دور کے انشائیوں' اودھ اخبار کے ادارتی بورڈ کے زمانے کی تحریروں اور محشر مہذب اور پردہ عصمت کے مضامین سے قطع نظر صرف دلگداز کے انشائیے مختلف

عنوانات کے تحت کئی جلدوں میں شائع ہوئے۔''(33)

عبدالحلیم شرر کے انشائیوں کی ایک لمبی فہرست ہے، اپنے رسالہ دلگداز کے ذریعے اپنے قارئین کو تن تنہا قلم کی جولانی اور اس کی رفتار سے مستفید کرتے رہے، اگر دیگر رسالوں کو دیکھیں چاہے ''وہ تہذیب الاخلاق'' ہو یا پھر'' اودھ پنچ'' یا اس دور میں شائع ہونے والا رسالہ'' زمانہ'' ہو، ان تمام رسالوں میں پوری ایک ٹیم موجود رہتی تھی، جو مضامین انشائیہ اور دیگر موضوعات پر مل جل کر لکھتے تھے لیکن شرر دلگداز کے موضوعات کو بذات خود لکھ رہے تھے ان کی اسی جانفشانی اور محنت و لگن کو دیکھتے ہوئے ڈاکٹر سید شاہ علی لکھتے ہیں:

''جو کام سرسید نے شروع کیا تھا اسے شرر نے ایک نئی منزل پر پہنچا دیا شرر کے ناولوں کی مقبولیت نے ان کے انشائیوں کو نمایاں نہیں ہونے دیا ورنہ اردو انشائیہ کے ارتقاء میں ان کا ایک اہم حصہ ہے۔ جسے انشائیہ کا کوئی نقاد یا متعلم نظر انداز نہیں کر سکتا۔''(34)

لیکن انشائیہ نگاری کے میدان میں جو شہرت دوم شرر کو ملنی چاہئے تھی وہ ان کو نصیب نہیں ہوئی، ان کے انشائیے میں تازگی اور خیال آفرینی کی عمدہ مثالیں دیکھنے کو ملتی ہیں، انگریزی بندشوں کا استعمال اپنے انشائیوں میں شرر بہت ہی خوبصورت انداز میں پیش کرتے ہیں۔ شرر کا شمار صف اول کے انشائیہ نگاروں میں کیا جاتا ہے اور ان کے انشائیے اپنے اندر مختلف وسعت و تنوع رکھنے کے ساتھ ساتھ رنگا رنگ بھی ہوتے ہیں، ان کے انشائیوں کے کچھ نمونے مذکورہ بالا اوراق میں پیش کر دیئے گئے ہیں۔

اردو میں مضمون نگاری:

کسی مخصوص یا متعین موضوع پر اپنے خیالات، تفکرات و جذبات کو تحریری شکل میں پیش کرنے کے عمل کو مضمون کہا جاتا ہے۔ اس میں موضوع کی قید نہیں ہوتی بلکہ آپ کسی بھی عنوانات کے تحت اپنے خیالات و تجربات و مشاہدات کو تحریری شکل میں دے سکتے ہیں، وہ مضمون کے ضمن میں تشکیل کیا جائے گا۔ اس کا راست تعلق زندگی کے کسی بھی شعبہ حیات کے مسائل سے ہو، اس کے اندر خشک اور واعظانہ پہلو نہ شامل ہو وہ مضمون کہلائے گا۔ یہ صنف انگریزی ادب سے ہوتی ہوئی اردو ادب میں داخل ہوئی، اس صنف میں مسائل پر گفتگو

کی جاتی ہے، چاہے اس تعلق سماجیات، سیاسیات واقتصادیات، یا تہذیبی قدروں سے ہو وہ مضمون میں کے ضمن میں شامل ہے۔اس کی ہئیت اس قدر ہو کہ قاری اس کے مطالعہ سے اکتاہٹ نہ محسوس کرنے لگے بلکہ ایک نشست میں اس کو پڑھ لے، مضمون میں مضمون نگاری کسی نقطے کا علمی طور سے اظہار کرتا ہے تاکہ قاری کو اس آرٹیکل اور موضوع سے متعلق چیزیں سمجھ میں آجائیں،جس کو مضمون نگار بیان کرنا چاہتا ہے۔مضمون نویسی کافن اردو زبان وادب میں بڑی تیزی سے ترقی کے منازل طے کیا ہے اور اپنی مقبولیت کا جال ہر خاص وعام میں پیدا کردیا ہے۔مضمون نگار جس موضوع پر اپنے خیالات کا اظہار کرنا چاہتا ہے، پہلے اس کے متعلق مواد اور تحریروں کا مطالعہ کرلے، تاکہ اس کی تحریر ٹھوس، پرتاثیر اور علمی ہو۔مضمون زیادہ طویل نہ ہو،مضمون سے کسی کی دل آزاری نہ ہو،الفاظ کے بجائے خیالات کے اظہار کو ترجیح دی جائے۔مناسب معلوم ہوتا ہے کہ سب سے پہلے مضمون کے لغوی معانی کیا ہیں اس کو سمجھ لیا جائے اور کن معانی وغیرہ میں اس کا استعمال ہوتا ہے۔

نوراللغات میں مضمون کہتے ہیں:

> مضمون (عربی) لغوی معنی،ضمن میں لیا ہوا، مذکر، مطلب معنی (فقرہ) اس شعر کا مضمون نہیں سمجھے، وہ عبارت یا تحریر جو کسی خاص بحث پر لکھی جائے، آرٹیکل، بات،نئی بات پیدا کرنے والا،نئی بات ذہن سے نکالنے والا
>
> اک بال سی کمر کے باندھیں گے لاکھ مضمون
> آئے جو طبع اپنی نازک خیالوں پر(35)

فیروزاللغات میں مضمون کے معنی ہیں:

> مضمون (ع)ضمن میں کیا ہوا، درمیان میں ڈالی ہوئی چیز،مطلب،معنی، بیان، جواب مضمون،اداریہ،بات،سخن (36)

اسی طرح لغات کشوری میں مضمون کے معانی ہیں،ضمن میں لیا ہوا،موضوع بیان، کسی موضوع پر تحریری یا تقریری اظہار خیال جمع مضامین(37)

ڈاکٹر جمیل جالبی،قومی انگریزی اردو لغت میں مضمون کے معانی لکھتے ہیں:

’’کاوش، کوشش، جہد، جواب مضمون، انشاء، تک وتاز، تگودو، جانفشانی، محنت، کسی کام کو انجام دینے کے لیے کی گئی کوشش، آزمائش، امتحان یا تجربہ مختصر ادب پارہ جس کا مقصد کسی خاص نکتے کے اثبات یا موضوع کی توضیح وتعبیر ہو(38)

ڈاکٹر سلام سندیلوی کے نزدیک مضمون:

’’ایک وسیع لفظ ہے، مضمون میں ہم زندگی کے ہر شعبہ کو پیش کر سکتے ہیں خاص طور سے علمی، معلوماتی، سیاسی، سماجی، اور مذہبی نظریات کو مضمون میں پیش کیا جاسکتا ہے(39)

دورِ جدید میں مضمون کسے کہا جاتا ہے، ڈاکٹر سید شاہ علی اس سلسلے میں رقم طراز ہیں:

’’دورِ جدید میں مضمون نگاری کو انگریزی نثر کی ایک مشہور صنف کی حیثیت حاصل ہے۔ اس کا تعلق معلوماتی ادب سے نہیں بلکہ اقتداری ادب سے ہے۔ معلوماتی ادب قاری کو وہ چیزیں عطا کرتا ہے، جس سے وہ نابلد ہے، لیکن مضمون نگاری معلومات میں اضافہ کرتے ہوئے بھی افادیت کی حامل ہے۔ وہ آرٹ کی ایک شکل ہے، مضمون کا پہلا کام ایک اچھی تصویر کی طرح سیرت زائی ہے، لہٰذا مضمون کی پہلی خصوصیت ایک آرٹ اور ادب کی شکل کی حیثیت سے نہیں بھلائی جانی چاہئے۔‘‘(40)

ڈاکٹر سلیم اختر مضمون کے سلسلے میں لکھتے ہیں:

’’مضمون کے ہر موضوع کا کوئی نہ کوئی مقصد ہے۔ جس سے اس کا دائرہ کار متعین ہوتا ہے۔‘‘**(41)**

ڈاکٹر سید محمد حسنین کے نزدیک مضمون:

’’ہر بات یا خیال جو نثر میں پیش کیا جائے عام زبان میں ’’مضمون‘‘ سے موسوم کر دیا جاتا ہے۔ بڑا گول سا لفظ ہے، اس میں ویسا ہی ابہام ہے جو لفظ کہانی میں ہے۔ لیکن اس میں قصے کی نوعیت بلاشبہ مختلف ہے، ان کا رنگ روپ وضع قطع مختلف ہے، لفظ کہانی کی طرح یہ بھی گول اور عامیانہ ہے اس کے دائرے میں بہت ساری باتوں کے سما جانے کی گنجائش ہے۔ مثلاً، عزیز واقربا کے نام کے خطوط، کسی موضوع پر سنجیدہ فکر آرائی

کسی اہم شخصیت کے حالات زندگی، روز ناموں یا رسالوں کے اڈیٹوریل، جلسوں کی رپورٹ، ڈائری کا ورق، کسی شخصیت کی فلمی تصویر، کسی موضوع پر پر لطف اظہار خیال، کسی پر لطف واقعہ کا دل چسپ اور مختصر بیان، کسی ادبی یا ثقافتی تقریب کا آنکھوں دیکھا حال، یہ تمام تحریریں مضمون سے موسوم ہو جاتی ہیں''۔(42)

کچھ لوگ مقالہ اور مضمون کو الگ الگ صنف شمار کرتے ہیں، لیکن ان کے درمیان تفریق کافی مشکل امر ہے تقریباً دونوں ایک ہی معانی میں استعمال ہوتے ہیں۔ دونوں سے یہی امید کی جاتی ہے کہ اپنی بات کو مدلل اور علمی انداز میں پیش کیا جائے۔ سید محمد حسنین مقالہ کی وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''مقالہ ادب کی وہ صنف ہے جس میں سنجیدگی، علمیت، متانت اور دیانت ہوتی ہے، مقالہ میں کسی سنجیدہ بات یا خیال پر روشنی ڈالی جاتی ہے، یہ حکمت وفلسفہ یا علم ودانش کے کسی پہلو یا رخ پر سیر حاصل بحث کرتا ہے۔ اس کے دائرے میں قلم کار کو علمی وسائنسی اور فاضلانہ وعالمانہ امور کو سمانے اور سجانے کا پورا موقع ہوتا ہے، یہ باتیں یا اس نوع کی تمام سنجیدہ وحکیمانہ باتیں بڑی اہم ہیں، ان سے ہماری شناسائی ضروری ہے ان کی خشکی، دشوار فہمی یا بے کیفی کے پیش نظر ہم ان باتوں کی قدر وقیمت سے ہرگز انکار نہیں کر سکتے اور علوم اور سائنس سے لاعلمی یا بے تعلقی ہماری ذہنی مفلسی کہی جائے گی، ایک تعلیم یافتہ شخص ان کے مطالعہ سے گریز نہیں کر سکتا۔''(43)

اردو نثر کی ابتدا دکن سے ہوتی ہے اور اس کے جو نمونے ابتدائی دور کے ملتے ہیں، ان کی آمیزش فارسی نما ہوتی ہے آٹھویں نوی صدی ہجری کی عبارت احسن مارہروی اپنی کتاب ''نمونۂ منشورات'' میں پیش کرتے ہیں:

''حضرت اپنی مبارک زبان سول حضرت بی بی عائشہ تے کہتے ہیں، کل اصحاباں ہور خاص اصحاب مجلس میں حاضر تھے''۔(44)

اس طرح کی عبارتیں اردو کی ابتدائی شکل میں پائی جاتی ہیں۔ اردو میں پہلی نثری کتاب محمد حسین آزاد، فضلی کی دہ مجلس کو مانتے ہیں۔

احسن مار ہروی لکھتے ہیں:

''وسائل تحقیقات کی قلت سمجھئے یا اپنی غفلت کہ اردو نثر کا پہلا مرقع کتابی شمس العلماء محمد حسین آزاد نے فضلی کی ترجمہ دہ مجلس کو سمجھا ہے اور اب تک جس کسی نے اردو کی تاریخ لکھی ہے۔اسی تحقیق کو مکمل جانا ہے۔''(45)

اردو نثر دکن سے ہوتی ہوئی شمالی ہندوستان کے اطراف واکناف میں دھیرے دھیرے ترقی کی منزلیں طے کرتی ہوئی اپنے آب وتاب کے ساتھ پورے ہندوستان پر چھا گئی۔اس زبان کا بول بالا ہوتا چلا گیا۔ اس زبان میں مختلف موضوعات سے متعلق مضامین لکھے جانے لگے۔لیکن اردو میں جدید مضمون نگاری کا فروغ کیسے ہوا،اس تعلق سے مندرجہ ذیل کے سطور میں بحث کی جائے گی۔

جدید مضمون نگاری کا باقاعدہ آغاز سرسید سے تسلیم کیا جاتا ہے،لیکن کچھ لوگ اس کی ابتدا فورٹ ولیم کالج،غالب کے خطوط اور دلی کالج وغیرہ میں جونثری خدمات ہوئیں اسے تسلیم کرتے ہیں،حقیقی معنوں میں اگر دیکھا جائے تو اس دور میں اردو نثر میں علمی ادبی مضامین کم لکھے گئے،ثریا حسین اس سے متعلق لکھتی ہیں:

''فورٹ ولیم کالج کی وساطت سے جو کچھ نثر میں لکھا گیا اسی کا بنیادی مقصد غیر اردو داں انگریز حکام کو اردو سے روشناس کرنا تھا،اس لیے وہاں سے یا تو مختلف علوم سے ترجمے یا پھر دیگر زبانوں کی منظوم داستانوں سے ماخوذ نیم طبع زاد کتابیں شائع ہوئیں ،کالج میں جو ادبی اصلاح عمل میں آئی اس کا تعلق زبان وبیان سے تھا نہ کہ موضوعات اور مباحث سے،وہاں کے ارباب قلم نے دقیق اور مشکل اسلوب سے گریز کیا۔سادہ وعام فہم زبان میں قصے کہانیاں لکھیں،غالب کے خطوط رنگیں اور مرصع زبان کے بجائے سلیس اور بے ساختہ عبارت لکھی اور سہل ممتنع کی داغ بیل ڈالی،انھوں نے اپنے قلبی واردات اور ذہنی افکار کائنات کے اسرار اور اپنے مشاہدات وتجربات کو سیدھے،سچے، بے تکلف مگر سحر آفریں طریقے پر بیان کیا،یہ خطوط نہ صرف ان کی ظاہری وباطنی زندگی کے ترجمان تھے،بلکہ ایسا مجلیٰ ومصفیٰ آئینہ جس میں ہر شخص اپنے خدوخال دیکھ سکتا اور

دل کی دھڑکن سن سکتا تھا، لیکن اس کے باوجود ان کا اسلوب اتنا قوی نہیں تھا، کہ عمیق، دقیق، اور علمی وفنی وموضوعات کا بارگراں اٹھا سکتا، اسی طرح دلّی کالج کے مصنفین نے اپنی تخلیقات سے علمی نثر کوفروغ دیا بالخصوص ماسٹر رام چندر نے ہر نوع کے مضامین لکھے، جو ان کے ذاتی اخبار، فوائد الناظرین' اور محبّ نامہ'' میں شائع ہوئے، جو ملک وقوم کی خاطر اور زمانے کے تقاضوں اور مطالبات کو سمجھ کر لکھے گئے تھے''۔(46)

لیکن کچھ لوگ ماسٹر رام چندکو اردو کا پہلا مضمون نگار تسلیم کرتے ہیں ان میں ڈاکٹر سیدہ جعفر اور خواجہ احمد فاروقی وغیرہ کے نام شامل ہیں۔ سیدہ جعفر ماسٹر رام چندر کو پہلا مضمون نگار تسلیم کرتی ہوئی لکھتی ہیں۔

''مضمون نگاری کے ارتقاء میں سرسید کے مضامین ایک توسیع ہیں آغاز نہیں، ماسٹر رام چندر اردو کے پہلے مضمون نگار ہیں جنھوں نے شعوری طور پر اردو ادب میں اس صنف کی ابتدا کی۔''(47)

خواجہ احمد فاروقی لکھتے ہیں:

''رام چندر نے سرسید سے پہلے مضمون نگاری اور صحافت، ذکاء اللہ سے پہلے تراجم وتاریخ اور حالی سے پہلے سیرت نگاری اور تنقید شروع کی، اور اس طرح ان کی حیثیت چراغ راہ کی سی تھی۔''(48)

ڈاکٹر ظہیر الدین مدنی لکھتے ہیں:

''رام چندر نے فوائد الناظرین اور محبّ ہند' ایسے دو رسالے بھی نکالے تھے۔ ان میں علمی ادبی بحثیں اور مقالے چھپتے تھے، یہ رسالے کئی سال تک ادبی خدمت انجام دینے کے بعد 1855,56 میں بند ہو گئے تھے۔'' (49)

یہ بات قابل یقین ہے کہ سرسید اس دور کی نثر سے ضرور مستفید ہوئے ہوں گے۔ اس دور کی نثری تخلیقات محدود تھیں۔ سرسید ایک مصلح تھے۔ اپنی رائے وخیالات وافکار کو مدلل انداز میں پیش کر کے دکھایا۔

سرسید جدید اردو مضامین کے بانی تسلیم کیے جاتے ہیں۔ وہ اپنے مضامین ایڈیسن سٹیل سے مستعار لئے ہوئے تھے۔ ان کے بہت سارے مضامین کا اردو میں ترجمہ بھی کیا۔ اردو مضمون نگاری میں انھیں کے طریقہ کار کو مشل راہ بنایا، سرسید نے اردو مضامین کو اپنے فلسفیانہ بیان اور منطقی دلائل کے ذریعہ مدلل اور آسان زبان میں پیش کیا ہے۔ ڈاکٹر سید عبداللہ سرسید کے مضامین کی وسعت اور اس کی ہمہ جہتی کے تعلق سے لکھتے ہیں:

''سرسید کے مضامین کا دائرہ بحث سب سے وسیع ہے انھوں نے عام اخلاقی مضامین (مثلا تعصب ہمدردی خوشامد بحث وتکرار اپنی مدد آپ کاہلی رسم ورواج وغیرہ کے علاوہ خالص دینی بحث واستدلال اور دیگر قومی وتعلیمی مسائل کے متعلق متعدد موضوعات پر قلم اٹھایا ہے ان کے مضامین کا مرکزی خیال یہ ہے کہ قومی ترقی کے لئے تہذیب ضروری ہے ان کے نزدیک تہذیب کے معنی ''وہ اندرونی تبدیلی ہے جو مرے کو اچھا کر دیتی ہے۔''(50)

ماسٹر رام چندر اگر چہ زمانی اعتبار سے سرسید احمد خان سے قدیم ہیں، انھوں نے کچھ مضامین بھی لکھے، جس میں مقصد قوم وملک کی بہتری کو پیش نگاہ رکھا گیا تھا، لیکن اس کے برعکس سرسید نے جو مضامین لکھے، وہ منطقی اور فلسفیانہ فکر اور شعوری طور پر اصلاح کا پہلو رکھتے ہیں، سرسید ہی نے مضمون نگاری کو بام اوج پر پہونچایا اور اس کو وہ مقام عطا کیا جو اس سے پہلے اسے حاصل نہیں تھا۔

ڈاکٹر سید عبداللہ، سرسید کے سلسلے میں لکھتے ہیں:

''سرسید اردو کے اولین مضمون نگار ہیں، اولین اس معنی میں کہ انھوں نے سب سے پہلے شعوری طور پر مضمون یا Essay کی صنف کو اختیار کیا اور براہ راست انگریزی زبان کے مضمون نگاروں سے اثر قبول کیا اور آنے والے مضمون نگاروں کے لیے شاہراہیں متعین کیں۔''(51)

اردو مضامین کی ترویج اور اس کی ترقی میں سرسید نے ''تہذیب الاخلاق'' 1872 کا اجرا کر کے چار چاند لگا دیا۔ اس کا مقصد جدید تعلیم اور سماجی زندگی میں اصلاح تھا، اس فن کو سرسید اور ان کے رفقاء کار آگے بڑھاتے رہے تھے۔ ان میں مولوی ذکاء اللہ، محمد حسین آزاد، مولانا شبلی نعمانی، وغیرہ کے نام قابل ذکر

ہیں، جنھوں نے مضمون نگاری اور انشا پردازی کا کمال دکھایا، اپنے مضامین کے موضوعات کو تاریخ فلسفہ اخلاق اور زندگی کے مختلف شعبۂ حیات کو بنایا، دھیرے دھیرے اردو میں لکھنے والوں کی ایک بڑی تعداد پیدا ہوگئی، جن میں محسن الملک، وقار الملک، چراغ علی، نذیر احمد، منشی سجاد حسین، رتن ناتھ سرشار، اور عبدالحلیم شرر وغیرہ کے نام قابل ذکر ہیں۔

مضمون نگاری کو فروغ دینے میں مجلّات وجرائد کا بہت بڑا ہاتھ رہا ہے جن میں ''تہذیب الاخلاق'' سیدالاخبار، اودھ پنچ، زمانہ اور ''دلگداز'' وغیرہ کے نام اہمیت کے حامل ہیں۔ شرر نے مضمون نگاری تو بہت پہلے شروع کر دی تھی، لیکن جب نول کشور سے منسلک ہوئے تو ان کے مضامین اخبارات ورسائل کی زینت بنے۔ جنوری 1887ء میں انھوں نے ''دلگداز'' کو جاری کیا، اس میں ہر قسم کے مضامین کو شامل کیا گیا، شرر نے اپنے نالوں کو بھی قسط وار شائع کیا ہے، جیسے انشائیہ آزاد نظم اور مضمون نویسی وغیرہ، ادب میں نئے اور جدید رجحانات کو شرر خاصا پسند کرتے تھے، بیسویں صدی کے اوائل میں شرر کا ایک مضمون معرکہ کی شکل میں آیا جس کا نام معرکہ چکبست و شرر تھا، یہ مضمون اپنے اندر معلومات کا ذخیرہ سموئے ہوئے تھا۔

مضمون نگاری کی صلاحیت وہبی ہوتی ہے، کسی کے اندر کچھ کم اور کسی کے اندر زیادہ موجود ہوتی ہے، کچھ لوگ مناظر قدرت کا مشاہدہ حسین وجمیل اور خوبصورت انداز میں پیش کر دیتے ہیں، ہر ایک اپنی صلاحیت اور لیاقت کے مطابق چیزوں کا نقشہ کھینچ دیتا ہے کسی بھی موضوع سے متعلق اگر گفتگو کرنی ہو تو اس کے لیے تین نہایت ہی اہم بنیادی اصول کو دھیان میں رکھنا ضروری ہے، تمہید، نفس مضمون، خاتمہ، یہ تینوں چیزیں کسی بھی مضمون کو ممتاز ہونے کے لئے ضروری ہیں۔

جس دور میں عبدالحلیم شرر نے مضمون نگاری کی ابتدا کی، اس عہد میں مضمون نگاروں کی ایک لمبی فہرست موجود تھی، جس کا بیان مذکورہ بالا سطور میں کیا گیا ہے، شرر کا عہد سرسید اور ان کے رفقاء کا عہد تھا، جسے اردو ادب اور جدید نثر و دیگر اصناف ادب کا عہد زریں تصور کیا جاتا ہے۔ جن میں شبلی، حالی، ذکاء اللہ، مولوی چراغ دہلوی، محسن الملک، وقار الملک اور ان کے علاوہ بہت سارے نام قابل ذکر ہیں، عبدالحلیم شرر بھی سرسید کی تحریر سے کافی متاثر تھے، سرسید کے اثرات شرر کی تحریروں میں جا بجا دیکھنے کو ملتا ہے۔ یہ دور جدید

اردو ادب کا عہد تھا، اس سے پہلے ادب میں یہ چیزیں موجود نہیں تھیں۔اس عہد میں بہت ساری اصناف وجود میں آئیں۔اگر اس عہد کے ادب کی تاریخ کا جائزہ لیا جائے، تو اس میں شرر کے بغیر اس عہد کی تاریخ نامکمل تصور کی جائے گی، اس وقت شرر اپنے مضامین سے شہرت دوام حاصل کر چکے تھے۔ ڈاکٹر سلام سندیلوی اس عہد کے تعلق سے لکھتے ہیں:

''یہ دور اختراع کا دور تھا اس دور میں پہلی بار مذہبی، اصلاحی، تاریخی تنقیدی اور تحقیقی مضامین کاوش سے لکھے گئے، اس سے پہلے اس قسم کی سنجیدہ نثر کا وجود اردو ادب میں نہ تھا اور اگر سچ پوچھئے تو اس سے پہلے اردو نثر ایک بھکارن تھی۔جس کے پاس چند پھٹے پرانے کپڑوں کے علاوہ اور کچھ نہ تھا۔''(52)

شرر کے مضامین اور ان کے رسالوں نے اردو ادب میں جو اضافہ کیا ہے، اس کے تعلق سے فیض احمد فیض لکھتے ہیں:

''موجود رسالوں کی تاریخ میں دو رسالوں کو سب سے زیادہ ممتاز جگہ ملنی چاہئے، ان میں پہلا مخزن ہے اور دوسرا ''دلگداز'' مخزن کو میں نے اس لیے ترجیح دی ہے کہ مخزن کے مضامین اور اس کے دیکھنے والوں کا حلقہ نسبتاً بہت وسیع ہے، کہ دلگداز کے مضامین محدود ہیں نظم کا حصہ تقریباً مفقود ہے اور اکثر حضرات جانتے ہیں کہ ایک عرصہ تک پہلے صفحہ سے آخری صفحہ تک رسالہ کے تمام مضامین مولانا شرر خود لکھتے تھے۔ یہ صرف ہمت اور الوالعزمی کی دلیل نہیں لکھنے والے کی قدرت اور مشق کا ثبوت بھی تھے اکثر نوجوانوں میں علم و ادب کا شوق انہیں دو رسالوں نے پیدا کیا اور مولانا شرر کی یہ خدمات فراموش نہیں کی جاسکتی، مولانا کے دلگداز والے مضامین کتابی شکل میں طبع ہو گئے ہیں آٹھ ضخیم جلدیں ہیں اور ہر نوعیت کے مضامین مثلاً حسن کی کرشمہ سازیاں یہ رومانی کہانیاں ہیں جنہیں خوشگوار اور شگفتہ طریقے سے پیش کیا گیا ہے، ہندوستان میں مشرقی تمدن کا نمونہ'' یہ ایک طویل مضمون ہے جس میں لکھنؤ کی معاشرت اور رسوم و رواج پر نہایت مفید اور

مفصل بحث کی گئی ہے۔عوج بن عنق ،حسان بن ثابت اور کئی ایک تاریخی مضامین ہیں پردہ نکاح وشادی، لطافت اور بہت سے اصلاحی مضامین ہیں جن میں سماج کی بری رسوم پر نہایت دلیری اور صاف گوئی سے بحث کی گئی ہے ان میں غالب کے خطوط کی طرح لکھنے والے کی شخصیت کا اظہار یا ظرافت کی چاشنی پائی جاتی ہے لیکن ان کے مطالعے سے ایک کامل چابک دست لکھنے والے کا تصور ضرور پیدا ہوتا ہے انہیں پڑھ کر کچھ لکھنے کی چاہت پیدا ہوتی ہے۔ان کے مضامین میں فطری مناظر کی خوبصورت تصویریں ہیں عشق ومحبت کی رنگین کہانیاں ہیں، تاریخ ومعاشرت کے متعلق بے شمار معلومات ہیں۔'' (53)

فیض نے اپنے اس مضمون میں شرر کی پوری ادبی زندگی کا نقشہ پیش کردیا ہے، کچھ لوگ شرر پر یہ الزام لگاتے ہیں، کہ ان کی اکثر تحریریں اصلاحی اور واعظانہ ہوا کرتی تھیں، اس کا جواب صرف یہی ہے کہ شرر نے جس دور میں آنکھیں کھولی وہ دور ہندوستان میں افراتفری کا ماحول تھا۔انگریزوں نے ہندوستان پر اپنا تسلط قائم کرکے قتل وغارت غاری اور ظلم وستم کی انتہا کردی تھی، ادھر سرسید اپنی قوم کے لئے دن رات ایک کئے ہوئے تھے۔اس وقت ان کے رفقائے کار افادی اور اصلاحی ادب لکھ رہے تھے، جس سے قوم کی تباہی اور بربادی کو دور کیا جاسکے اور ساتھ ہی ساتھ ان کو دور جدید کے علوم وفنون سے آراستہ کیا جائے، ادھر دہلی کے تخت وتاج کے ساتھ اودھ کی حکومت بھی انتزاع کی شکار ہوگئی تھی، یہ تمام مسائل اس وقت درپیش تھے تو آخر شرر کس تحریر کے ذریعہ اپنے ملک وقوم کی اصلاح کرتے۔

شرر کی مضمون نگاری اور ان کے زود بیان کے تعلق سے محمد یحییٰ تنہا لکھتے ہیں:

''ان کے مضامین زیادہ تر علمی خیالی اور فلسفیانہ مذاق کے ہوتے تھے، یہ مضامین مسلسل دوسال تک نکلتے رہے اور پھر ہر طرف ان کی ایسی دھوم مچ گئی کہ اسی وقت سے مولانا کے لٹریچر کا شہرہ ہوگیا، اور بڑے بڑے پرانے لکھنے والے چونک پڑے، اودھ اخبار کے فائل میں آج بھی وہ مضامین موجود ہیں اور بتا رہے ہیں، کہ محض ان مضمونوں کی وجہ

سے اس زمانہ کا اودھ اخبار کس قدر نمایاں امتیاز رکھتا تھا۔ روانی طبع کی یہ حالت تھی، کہ مولانا صرف چار پانچ روز میں بیٹھ کے اتنے مضمون لکھے دیتے کہ مہینے بھر تک اودھ اخبار میں شائع ہوتے رہتے۔''(54)

شرر مضمون نگاری میں ممتاز حیثیت کے مالک تھے۔ متنوع موضوعات پر خامہ فرسائی کرتے ہوئے مضامین کا ایک لامتناہی سلسلہ قائم کر دیا تھا۔ آپ نے تاریخی، تحقیقی، نفسیاتی طنزیہ ومزاحیہ، الغرض آپ کے مضامین ہر قسم کے موضوعات پر موجود ہیں، چاہے قوموں کے حالات وتذکروں کے تعلق سے ہو، یا سوانحی وتہذیبی، اصلاحی، ہر موضوعات پر قلم اٹھایا ہے۔ دلگداز کے اجزاء کے ایک سال بعد دلگداز کے مضامین کو ہر سال اکٹھا کر کے اس کو تواتر کے ساتھ چھاپتے تھے۔ بیچ کے چند سالوں میں انھوں نے نہیں شائع کیا تھا۔ 1926ء تک کے مضامین کو یکجا کر کے پانچ جلدوں میں دلگداز پریس لکھنؤ سے شائع کیا گیا تھا۔ ان جلدوں میں شرر کی ناولوں کو شامل نہیں کیا گیا ہے۔

1926ء میں سید مبارک علی شاہ گیلانی کی فرمائش پر شرر نے ان مضامین پر نظر ثانی کر کے اشاعت کے لیے دے دیا تھا، اس کے بعد سید مبارک اور مولوی فاضل مرنگ نے لاہور سے انہیں آٹھ ضخیم جلدوں میں شائع کروایا، جس کی تفصیل مندرجہ ذیل ہے۔

جلد اول، حصہ اوّل، شاعرانہ اور عاشقانہ مضامین، حصہ دوم، شاعرانہ وعاشقانہ مضامین، حصہ سوم، آغاز واختتام سال کے مضامین۔

جلد دوم، حصہ اول، تاریخی وجغرافیائی مضامین، حصہ دوم، مختلف ممالک، شہروں، قوموں کے حالات اور تذکرے، حصہ سوم، ہندوستان میں مشرقی تمدن کا آخری نمونہ،

جلد سوم، حصہ اول، سیر نسواں (دنیا کے مختلف ممالک کی مشہور عورتوں کے تذکرے)، حصہ دوم، سیر نسواں (دنیا کے مختلف ممالک کی مشہور عورتوں کا تذکرہ)، حصہ سوم، سیر رجال، (دنیا کے مشہور مردوں کے حالات)۔

جلد چہارم، ادب وتحقیق مسائل

جلد پنجم، اسلامی مضامین

جلد ششم، تاریخی واقعات پر خیال آرائی،

جلد ہفتم، نظم و ذرامہ

جلد ہشتم، مقالات شرر

جعفر رضا اپنی کتاب عبدالحلیم شرر (حیات اور کارنامے) میں شرر کے مضامین کی ان جلدوں کے تعلق سے لکھتے ہیں:

"جلد ہفتم کے علاوہ باقی سات جلدوں میں شرر کے مختلف النوع مضامین یکجا کیے گئے ہیں لیکن اس کے باوجود وثوق سے کہنا دشوار ہے کہ ان میں شرر کے تمام مضامین، انشائیے، رپورتاژ وغیرہ یکجا ہوگئے ہیں کیوں کی تلاش وجستجو میں مزید تخلیقات دستیاب ہوجاتی ہیں۔" (55)

مضامین شرر کو مختلف ناشرین کتب نے دوسرے ناموں سے بھی شائع کر دیا، جو قارئین شرر کو کافی الجھا دیتی ہیں۔ ان ناشرین میں سب سے نمایاں نام سید ظہور الحسن قومی پریس دہلی کا ہے۔ شرر کے اکثر و بیشتر مضامین کو سید مبارک نے آٹھ جلدوں میں اکٹھا کر دیا ہے۔ کچھ دوسری کتابیں قارئین کو شش و پنج میں مبتلا کرتی ہیں، اورانہیں ایسا معلوم ہوتا ہے، کہ یہ شرر کی دوسری کتابیں ہیں، ان کی فہرست مندرجہ ذیل ہے۔

سفر نامہ ہستی یعنی نیرنگ دنیا ،شاہکار شرر،صد پارۂ شرر،صد پارۂ دل،مشرق کے چاند،مغربی حوریں،مخدرات المعروف بہ مشاہیر عالم،سیر رجال،اسلامی سوانح عمریاں،گروہ مشاہیر (ناموران عالم)، جذبات شرر (مقالات شرر)، بیان کشف وکمالات، سیر رجال، سیر نسواں، مذکورہ بالا کتابیں جو ان ناموں سے شائع کی گئی ہیں، ان سب کا ذکر شرر کے مضامین کی آٹھوں جلدوں میں مذکور ہیں، تھوڑی بہت نام کی تبدیلی کے ساتھ ان کو شائع کیا گیا ہے۔

شرر کے تمام مضامین کو دیکھنے اوراس پر طائرانہ نظر ڈالنے سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے، کہ شرر نے جس طرح اپنے مضامین کی رنگا رنگی اور مختلف موضوعات کے ذریعہ اردو زبان میں مضامین تحریر کیے ہیں۔ وہ

ان کی عظمت کی واضح دلیل ہے۔مندرجہ ذیل میں ان مضامین کے تعلق سے گفتگو کی جائے گی ،جس کو آٹھ جلدوں میں یکجا کیا گیا ہے۔

شرر نے عاشقانہ وشاعرانہ نیز تاریخی وجغرائیائی اور دنیا کے مشہور مردوں اور عورتوں کے متعلق مضامین قلم بند کیے ہیں ان میں بعض مضامین سوانحی اور تاریخی ہیں جن کا ذکر سوانحی وتاریخی ابواب میں کیا گیا ہے۔

مضامین شرر کی پہلی جلد،شاعرانہ اور عاشقانہ مضامین پر مشتمل ہے۔اس کے حصہ اول میں 86 مضامین شامل ہیں۔شرر کا ہر مضمون بہتری اور اس کے حسن بیان کی خوبصورتی کا گواہ ہے۔اس جلد کے عنوانات کچھ اس طرح ہیں۔لندن میں خانۂ خدا، آثار سلف زمانے کی دلچسپاں،سواد وطن، باغ آرزو، شیخ مہر علی، اندھیری رات کا خواب،شام غربت، آخراب ہم کیا کریں زمانہ اور اسلام دہات کی رات افلاس اور زنا،شعر وسخن عمر دو روزہ، وغیرہ جیسے مضامین کا ذکر کیا گیا ہے۔اس جلد میں شرر کے بعض ان مضامین کا بھی ذکر کیا گیا ہے،جس کی ابتدا شرر کبھی اشعار سے کرتے ہیں اور کبھی عربی کے عنوان سے یا فارسی کے جملے یا شعر سے کرتے ہیں جیسے:

خوب تھا، جو کچھ کہ دیکھا، جو سنا، افسانہ تھا،

دل بیار ددست بکار بگاہائے ہشتم مژدہ نتواں دار دراہش،

من وخاکے کہ از نقش کف پائے نشاں دارد،

دم واپسیں، خیال خام پختن ہائے یاران عالمے دارد،

اِن من البیان لسحرا، والنجم اِذا ھویٰ۔ واِذالنجوم انکدرت،

پہلی اور دوسری جلد کے شاعرانہ وعاشقانہ مضامین میں اکثر وبیشتر مضامین انشائیہ سے متعلق ہیں، انداز بیان اس کے اندر کی شگفتگی اور تازگی انشائیہ کی یاد دلاتی ہے۔ یہ دونوں جلد 787 صفحات پر مشتمل ہیں۔اس میں کچھ وہ مضامین ہیں جوانگریزی زبان سے ترجمہ کیے گئے ہیں۔جیسے شہر کی رات گولڈ اسمتھ کے مضمون کا ترجمہ ہے اس کا ذکر شرر نے خود کیا ہے۔

مضامین شرر جلد اول کا حصہ دوم کے مضامین کچھ اس طرح ہیں۔

موسموں کی بہاریں، آنے والی گھڑی، شمع حرم، یادوطن، ذکر عیش از عیش، فرشتوں کی دلبری، کبوتر، بلبل، عقل ونقل کا جھگڑا وغیرہ قابل ذکر ہیں۔

جلد اول حصہ سوم کے مضامین آغاز واختتام سال کے مضامین پر مشتمل ہیں۔اس میں 1887 سے 1920 تک کے ہر سال کا آغاز اور اختتام کا ذکر کیا ہے۔اس مضمون میں شرر سال نو کا بہت ہی پر تپاک انداز سے استقبال کرتے ہیں۔اگر کوئی حادثہ یا واقعات در پیش آتے ہیں، اس کا بھی ذکر کرتے ہیں۔اس کے رخصت ہونے کو بھی بہت ہی خوبصورت اور افسردہ دلی کے طور پر پیش کرتے ہیں۔اس تعلق سے 39 مضامین ہیں اور یہ 189 صفحات پر مشتمل ہے۔

اس کا پہلا مضمون ''1887ء اور ہم'' دسمبر یہ مضمون پانچ صفحات پر مشتمل ہے۔

اس میں ملک کے حالات اور دلگداز کے تئیں پر امید اور اپنی ناول جو دلگداز میں شائع ہوا اس کو قارئین نے بہت ہی اچھے طریقے سے خیر مقدم کیا، اس کا بھی اظہار کرتے ہیں۔اپنے پریس کے تعلق سے بیان کرتے ہیں کہ ہمارے احباب کو کتابت کی دقت اور پڑھنے میں جو پریشانیاں آتی تھیں۔ان سب کا خاتمہ ہو گیا۔لوگ دلگداز میں مختلف قسم کے موضوعات کا مطالبہ کر رہے تھے اکثر لوگوں کے مطالبے تاریخی مضامین تھے۔شرر نے تمام قارئین کو یقین دلایا، کہ اس کے لیے ہمیں کتنی ہی محنت کرنی پڑے ہم کریں گے۔

1889ء کا خیر مقدم شرر کس انداز میں کرتے ہیں:

> ''اے 1889ء آ! اور خوشی سے آ! تو ہمارے لیے بہت سی امیدیں لایا ہے تو ہمارے حوصلے بڑھاتا ہوا آیا ہے تو ہمیں تسلی دیتے ہوئے آیا ہے، تو ہماری تکلیفیں دفع کرنے کا وعدہ کرتا ہے، آ۔ کہ ہم تیرے مشتاق ہیں۔اسلئے کہ جب تو ہماری دلدہی کرتا ہے تو تیری سانولی راتوں اور تیرے گورے دنوں میں ہمارے لیے بہت سی خوشیاں چھپی ہوتی ہوں گی ، تیری نورانی صحبتوں میں ہمارے لیے بہت کچھ سامان راحت جمع ہوگا اور تیری سہنانی شاموں کے دامن میں ہمارے لیے بہت کچھ سامان راحت جمع ہوگا تیری بہار کے موسم میں ہمارے جنون انگیز ولولے تجھ سے بہت سی خواہش کریں گے، اور تو ان کو پورا کرے

گا۔ پیارے 1889ء خوشی اور مسرت کے ساتھ آ۔اور ہماری آرزوئیں پوری کر۔(56)

اسی طرح 1890ء کا خیر مقدم کے عنوان سے مضمون تحریر کیا ہے۔اور 1890ء کا اختتام پانچ صفحات کے مضمون پر مشتمل ہے، دسمبر کے شمارہ میں ''یکے ہمی اُو دو دیگرے ہمی آید'' لب گور'' وغیرہ کے عنوان پر مشتمل ہے۔ان کے علاوہ شرر نے آغاز واختتام کے سال پر بہت سارے عناوین سے مضامین لکھے ہیں، کچھ ان کی اپنی ذاتی زندگی کے تجربات ومشاہدات پر مشتمل ہیں، کچھ اس عہد کے خارجی مسائل اور اس دور کی سیاست و دیگر حالات وغیرہ کا بیان ہے۔ الغرض شرر نے اس میں ہر قسم کے موضوعات کو جگہ دی ہے''1916ء کا کوچ'' کے عنوان سے ایک مضمون لکھا ہے،اس کا ذکر شرر اس انداز میں کرتے ہیں:

> ''او ظالم جانے والے! اور سال بھر تک جام خونین پلانے والے! اس قدر ہنگامے مچا کے ایسی عظیم الشان خوں ریزی کر کے لاکھوں نوجوان کو آغوش مرگ بنا سلا کے لاکھوں عورتوں کو بیوہ اور لاکھوں بچوں کو یتیم کرا کے، لاکھوں زمین کو انسانی خون سے سیراب کر کے تو یوں چھپ چھپاتے چلا جا تا ہے، کہ گویا تو نے کچھ کیا ہی نہیں؟''(57)

شرر اپنے اس عنوان سے متعلق مضامین میں ہر قسم کے موضوعات داخلی خارجی امور نیز اس دوران میں پیش آنے والے تمام مسائل کا بہت ہی اختصار اور خوبصورت انداز میں بیان کیا ہے۔

شرر کے مضامین کی دوسری جلد تین حصوں پر مشتمل ہے پہلا حصہ تاریخی وجغرافیائی مضامین پر، دوسرا حصہ مختلف ممالک کے شہروں اور قوموں کے حالات درج کئے گئے ہیں تیسرا حصہ لکھنؤ سے متعلق ہے جو ہندوستان میں مشرقی تمدن کا آخری نمونہ پر مشتمل ہے۔

تاریخی وجغرافیائی سے متعلق عنوان، دمشق، اسپین، اہل عرب، دارالخلافت قرطبہ،قوم کرد، ترکان آل عثمان، طرابلس الغرب، سوئٹزر لینڈ، جاپانیوں کی قومی کہانیاں، خونی پٹے، مامون رشید اور مساجد کرۂ ارض، مراکش کا زوال، قدیم ہندو راجہ کی عدالت گستری وغیرہ قابل ذکر ہیں۔ یہ حصہ 408 صفحات پر مشتمل ہے۔

اس حصے میں شرر نے ہر ملک کے حالات وہاں کے اقوام کا ذکر، ان کے احوال وکوائف کو شرر نے اپنے خوبصورت لب ولہجہ میں پیش کیا ہے۔قوم کرد اور ترکان آل عثمان کا بہت ہی تفصیل کے ساتھ ذکر کیا ہے۔ یہ

مضمون کئی قسطوں پر مشتمل ہے۔

حصہ دوم، تاریخی وجغرافی، مضامین پر مشتمل ہے اس میں کچھ طویل اور مختصر مضامین ہیں۔

حصہ دوم کا پہلا مضمون، مسیحیت کے مبتدع فرقے کے عنوان سے ہے اس کے بعد ''نفطہ یا گریک فائر، ایک ہندو دربار میں مسلمان ایلچی، دریائے نیل کا منبع ''ایک پاکدامن کھتّرانی، محمود غزنوی کی حرص وطمع، فلینڈرس کی ایک کہانی، مسجد ایا صوفیہ، آل عثمان میں پہلی سلطانہ مسیحیہ'، ہندوستان کے بان کے یورپ کے بان کے نائٹ ٹمپلرز، کوریا، مقیاس نیل، ہمارا سفر پالن پور، انسانی بہمیت کا ایک نیا نمونہ، ملک چین ایک ہزار سال پیشتر، ایک زنانی خانقاہ اسلام میں، شہر واسط اس کا بانی، قدیم سیّاحان ہندوستان، مدینہ طیبہ کے یہود کی ابتدا، ایک اگلا مسلمان سیّاح ہند، چن گوئین سکندر اعظم اور ہندوستان کا ایک علمی دربار، مدینہ منورہ، یہ جلد 266 صفحات پر مشتمل ہے۔

شرر کا پہلا مضمون بہت وسیع ہے اس مضمون میں شرر نے عیسائیوں کے جتنے نئے نئے فرقے ایجاد ہوئے ان کا ذکر تفصیل کے ساتھ کیا ہے۔ اس میں دوسرا مضمون نفطہ یا گریک فائر ہے، شرر کا یہ مختصر مضمون ہے، اس میں انھوں نے اس چیز کا ذکر کیا ہے کہ جب دنیا میں لوگ توپ اور بندوق وغیرہ کی ایجادات سے ناواقف تھے، تو کس طرح آتش بازی کرتے تھے، اور آتش فشاں کا جب یہ طریقہ معلوم ہوا تو دشمنوں پر اس سے آگ برساتے تھے۔ اس کے ایجادات میں موجود چیزوں کے بارے میں شرر لکھتے ہیں:

> ''وہ ایک مرکب چیز تھی، جوراکھ، رال، گندھگ اور دیگر مشتعل اجزا کو ترکیب دے کر بنائی جاتی تھی، اسے قالینچوس نام کا ایک مسیحا کیمیا گر نے شہنشاہ قسطنطنیہ قسطنطین پوگوناطوس کے عہد میں ایجاد کیا تھا۔ اس شہنشاہ کا عہد 668ء مطابق 48ھ سے شروع ہوتا ہے۔ جب کہ دمشق میں سریر خلافت اسلامی پر حضرت معاویہ رونق افروز تھے، اس سے صاف ظاہر ہے، کہ اس کی ایجاد اس زمانے میں ہوئی جب عربوں نے پہلے پہل قسطنطنیہ پر حملہ کیا مسلمانوں میں اس کا موجد ابن ماجس بتایا جاتا ہے جس نے اسے خود ایجاد کر کے اس کا نام نفطہ ''قرار دیا''(58)

شرر نے تمام مضامین کو اس کی تاریخی حقیقت تاریخی وجغرافی مضامین کو پیش نگاہ رکھ کر مکمل کیا ہے، انداز بیان مدلل اور سلیس ہے۔ ''محمود غزنوی کی حرص وطمع'' کے مضمون میں شرر محمود کی بخیلی کے ایک واقعہ کا ذکر خوبصورت انداز میں کرتے ہیں:

''محمود غزنوی بخیل وحریص مشہور ہے اسکے بخل کی زیادہ شہرت فردوسی طوسی اور شاہنامہ کی تصنیف کے واقعہ سے ہوتی ہے محمود کے کہنے پر فردوسی نے شاہنامہ تصنیف کیا، اور محمود نے وعدہ کیا تھا کہ ہر شعر پر ایک اشرفی انعام دوں گا۔ جب وہ مکمل ہو کے دربار میں پیش ہوا تو محمود کو موعودہ رقم بہت زیادہ معلوم ہوئی اس نے بجائے اشرفیوں کے روپیہ (نقرئی سکہ) دینا تجویز کیا جس پر بگڑ کے فردوسی چلا گیا، محمود کی ہجو کہی اور اپنے وطن طوس میں جا کے بیٹھ گیا بعد میں محمود پچھتایا اور حکم دیا، کہ جتنے شعر ہیں اتنی ہی اشرفیاں بھیج دی جائیں یہ رقم طوس اس وقت پہونچی ہے سلطانی سفیر نے دیکھا لوگ فردوسی کا جنازہ لیے آتے ہیں کف افسوس ملنے لگا، اور ارادہ کیا اس کی اکیلی وارث لڑکی کے حوالے کر دے لیکن دھن کی پکی اور وضع کی سچی لڑکی نے لینے سے انکار کر دیا، اور کہا جس رقم کی حسرت کیں مرے والد مر گئے، اسے میں نہ لوں گی آخر اس سے طوس میں ایک پل بنوا دیا گیا،،۔(59)

جلد دوم کا حصہ سوم ہندوستان میں مشرقی تمدن کا آخری نمونہ ہے۔

شرر نے اس میں لکھنؤ کے تمام احوال کو تفصیل کے ساتھ بیان کیا ہے، یہ جلد پوری لکھنؤ کے احوال پر مشتمل ہے اور رشید حسن خاں کی مرتب کتاب پر ''ہندوستان میں مشرقی تمدن کا آخری نمونہ یعنی گذشتہ لکھنؤ تحریر کیا ہوا ہے، جس کو مکتبہ جامعہ نے 2000 میں شائع کیا ہے۔ اس کتاب کے تعارف میں رشید حسن خان اس کی ابتدا اس انداز میں کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''آصف الدولہ اور واجد علی شاہ کے زمانے کا لکھنؤ! تصور کے ساتھ ہی رنگ ونور کی بے شمار پرچھائیاں آنکھوں کے سامنے رقص کرنے لگتی ہیں اور یہ عالم اس وقت ہے جب کہ

نفاست وتہذیب اور عیش وعشرت کی طلسماتی دنیا کا حال ہم نے کتابوں میں پڑھا ہے۔
لیکن جن لوگوں نے اس عالم رنگ ونور اور اس فردوس تہذیب وتمدن کی آخری بہاروں
کو اپنی آنکھوں سے دیکھا ہو، اس دنیا کے آداب کو سمجھا اور برتا ہو پھر اس بہار پر خزاں
آتے بھی انھی آنکھوں سے دیکھی ہو ان کے تاثرات کیا ہوں گے، مولانا شرر کی کتاب
''گذشتہ لکھنؤ'' انھیں تاثرات کی کہانی ہے۔''(60)

شرر کے بعد شہر لکھنؤ پر بہت ساری کتابیں رقم کی گئیں لیکن جو شہرت دوام اور مقبولیت شرر کے گذشتہ لکھنؤ کے حق میں آئی وہ شاید بعد کے کسی ادیب کے حق میں نہ آئی ہو، شرر کا طرز بیان اور تہذیب وتمدن کی منظر کشی جس انداز میں کی ہے، وہ قابل تعریف ہے رام بابو سکسینہ گذشتہ لکھنؤ کے متعلق لکھتے ہیں:

''مولانا کے مضامین جو دلگداز میں چھپے ہیں...... یہ کتابیں نہایت دلچسپ اور پڑھنے
کے لائق ہیں مگر علی الخصوص وہ جلد جس میں قدیم لکھنؤ کے حالات جو ہندوستان میں
مشرقی تمدن کا آخری نمونہ،، کے نام سے دلگداز میں چھپتے رہے دیکھنے کے لائق ہیں،
ان لوگوں کے لیے جو لکھنؤ کی پرانی تاریخ اور دلچسپیوں کے جویا ہیں نہایت مفید اور پراثر
معلومات ہیں۔''(61)

مضامین شرر جلد سوم: سیر نسواں کے عنوان سے ہے اس کے حصہ اول میں شرر نے ان عورتوں کے خاکہ کو پیش کیا ہے جس کی اپنے دور میں کسی نہ کسی حیثیت سے ان کی اہمیت مسلم تھی۔ اس جلد میں شرر نے 32 عورتوں کے احوال کا ذکر کیا ہے۔ وہ تمام عورتیں اپنے اپنے میدانوں کی ماہرین تھیں، ان میں سے کچھ شاعرہ، ادیبہ اور کچھ ایسی بھی ہیں، جنھوں نے اسلام کے سلسلے میں اپنی خدمات کو ثابت کیا ہے، ان میں کچھ ایسی بھی ہیں، جن کا تعلق مغرب اور یورپین ممالک سے ہے۔ اس میں ایک ''حسن کی کرشمہ سازیوں'' کے عنوان سے ہے۔ دلگداز میں اسی عنوان کے تحت شرر نے تقریباً (35) مضامین رقم کیے ہیں:

اس جلد میں پہلا مضمون ''لیلائے آخیلہ'' کے عنوان سے لکھا گیا ہے۔ اس سلسلے میں شرر لکھتے ہیں:

''ایک نامی گرامی شہسوار عرب عبداللہ بن الرجال کی بیٹی اور دور اولین اسلام کی ایک

نہایت ہی پر اثر اور نازک خیال شاعرہ گزری ہے جو مشہور و مستند شاعر عرب نوبۃ بن حمیر
کی پاکدامن وحور خصال معشوقہ تھی۔‘‘(62)

شرر نے اس مضمون میں اس کی وجہ تسمیہ، زندگی کے احوال، عشق کی صداقت و پاکدامنی کے پہلوؤں کو اپنے سلیس اور شگفتہ انداز بیان میں ذکر کیا ہے، اس کے بعد، زبّاء ملکہ عرب، شرر اس عورت کے سلسلے میں لکھتے ہیں:

’’زبّاء ایک بڑی مشہور و معروف ہوشیار ملکہ گزری ہے......زبّاء کو اگر چہ اردو میں جگہ نہیں ملی، مگر عربی لٹریچر میں اس کا نام بہت مشہور ہے، ان کی زبان کے بہت سے جملے اس وقت تک ضرب المثل ہیں، یہ عراق سے متصل دریائے فرات کے درمیان میں واقع ایک جگہ ہے جسکو الجزیزہ کہتے ہیں یہ اسی علاقہ کی حکمراں تھیں۔‘‘(63)

ان کی حکومت وسلطنت اور زندگی کے احوال کو شرر نے تفصیل سے بیان کیا ہے انداز بیان میں رنگا رنگی ہے جسے خوبصورت انداز میں پیش کرنے کی حتی المقدار کوشش کی ہے، تاکہ قاری بغیر پورے مضمون کو پڑھے نہ رہ سکے، حسن کی کرشمہ سازیاں،، اس عنوان کے تیئں شرر نے بہت ساری عورتوں کے احوال واطوار نیز ان کے سوانحی خاکہ کو پیش کیا ہے، اس ضمن میں شرر لکھتے ہیں:

’’غالباً دینا کا کوئی حصہ اور کوئی ملک نہ ہوگا جہاں عورت اور مرد کے تعلقات نئے نئے کرشمے دکھاتے ہوں۔ بیشک دنیا کہ تاریخ اس سے بڑھی ہوئی ہے، کہ زبردست تاجداروں اور نامور پہلوانوں نے اپنے زور بازو اور اپنی شمشیر خارا شگاف سے بڑی بڑی سرکش قوموں کو مغلوب ومقہور کردیا مگر انہیں کے سلسلے میں بہت سے ایسے واقعات بھی نظر آتے ہیں جس میں عورتوں نے اپنے حسن عالمگیر کی قوت اور اپنے دلربائی کے اسلحے، اپنی نظر کے تیروں اور گیسوؤں کی کمندوں سے ان مشہور ومعروف ناموروں کو بھی مغلوب ومقہور کردیا جو بڑی سخت اور سرکش قوموں کو اپنا غلام نما اور تابع فرمان بنا چکے تھے، دلگداز میں اس قسم کی حسین عورتوں کے حالات کا ایک سلسلہ شروع کرتے ہیں جس

سے ناظرین پر روشن ہوگا کہ دنیا میں حسن زاہد فریب نے کیسے کیسے کرشمے دکھائے ہیں
اور کیسی کیسی فتحیں حاصل کی ہیں‘‘۔(64)

شرر کے اس اقتباس سے معلوم ہوتا ہے کہ تاریخ ایسی عورتوں سے بھری پڑی ہے جنھوں نے دنیا میں ایسے ایسے کام انجام دیئے، جو بڑے بڑے سورما انجام نہیں دے سکتے، ان کے کمال فن اوران کی بہادری وغیرہ کے قصوں سے تاریخ بھری پڑی ہے۔اسی لیے کہا جاتا ہے کہ کامیاب مرد کے پیچھے کسی عورت کا ہاتھ ہوتا ہے‘‘ یہ مثل ہمارے ہندستان میں بہت مشہورومعروف ہے،شرراسی لیے مختلف قسم کی عورتوں کے سوانحی احوال کا تذکرہ اپنے رسالہ میں کرتے رہتے تھے۔

اس کے بعد، زلیخا (ملک مصر میں) بلقیس، ان دونوں عورتوں کے احوال قرآن میں مذکور ہیں،قلوپطرہ (کلو پیٹرا) اسیر۔اسرائیلیہ ، رامیس (ملکہ بابل) جون آف آرک (فرانس کی مظلوم حامیہ وطن) اُمِّ سلمہ زوجۂ سفّاح،کیتھرائن ملکۂ روس (اول)،نوّار زوجۂ فرزدق، ہند بنت نعمان،سجاح، (یہ وہ عورت ہے جس نے نبوت کا دعوی پیش کیا ہے) اولغا، (ملکۂ روس) میڈم ڈی اسٹائل، یہ خاتون فرانس کی ایک منفرد اور صاحب اثر عالمہ وفاضلہ اور مصنفہ گراں پایہ تھی، دہیائے کاہنہ،ستُّ الملک، (ملکہ مصر) ام جعفر، (عبداللہ بن عرفطہ کی صاحبزادی تھیں) قیصرۂ تھیوڈورا، بوادیقیا اور قارطس مانڈوا،ثبینہ محبوبۂ جمیل،لطیفۂ حدّانیہ،عمارہ (عہداولین کی ایک پاکدامن خاتون) عتبہ (بنی عباس کی ایک کنیز) سلامۃ القُس (دمشق کے گرجے کی پری جمال) اسباسیا یونانیہ،حمیدبنت نعمان بن بشیر۔

شرر نے اس سوانح میں عرب کی عورتوں، اور دیگر ملکاؤں، وغیرہ کا ذکر کیا ہے ان میں اکثر وبیشتر ان حسین وجمیل عورتوں کا ذکر کیا ہے، جو اپنے حسن وجمال کی پیکر صفت پیری معلوم ہوتی تھیں،مختلف مذاہب اور دیگر ممالک کی عورتوں کا ذکر یہ بہت جانفشانی اور کدوکاوش کا عمل ہے،شرر نے کتنی محنت اور جستجو کے ذریعے ان تمام عورتوں کے احوال وآثار کوخوب صورت اسلوب بیان میں پیش کیا ہے۔

مضامین شرر جلد سوم، سیرنسواں، حصہ دوم، یہ کتاب 162 صفحات پر مشتمل ہے اس میں 28 عورتوں کے احوال بیان کیے گئے ہیں، ان میں کچھ طویل ومختصر مضامین ہیں ان کی تفصیل یہ ہے۔راخیل، زبیدہ

خاتون، ماریہ دولان فلپّون، عفراء بنت مہاصر، ماء السماء (جاہلیت عرب کی حسین وصاحب جمال خاتون) اُمّ جعفر بنت عبداللہ بن عرفظہ، عاتکہ بنت معاویہ بن ابی سفیان، ایڈلین (نامور مغنیہ یورپ) دکن کی کافر ماجرا مہہ جبیں پر تھال نمبر 1 ، دیدون (ملکہ سور) ارشد امیہ (یونان کی ایک بہادر خاتون) مہ جبیں رُوم لقریطیہ، ننیوں لانکلون (یہ فرانسیسی عورت تھی) ہائی پے شیا، علیہ بنت مہدی، خرقاء، عائشہ بنت طلحہ (تین قسطوں میں یہ مضمون ہے۔) ریّا بنت الفطریق السلمی دارمیہ جو نیہ، جنفیاف، قریدہ، ظریفہ بنت صفوان، ام حکیم بنت قازظ، پوپ جان نمر 1 ، (یہ بھی تین قسطوں پر مشتمل ہے۔) یہ دنیا کی معروف مشہور عورتوں پر مشتمل تھا۔

مضامین شرر جلد سوم کا حصہ سوم یہ دنیا کے مختلف مردوں کے احوال وکوائف پر مشتمل ہے۔ یہ کتاب 534 صفحات پر مشتمل ہے اس میں سب سے پہلا مضمون ''مجنون عامری'' کے سلسلے میں لکھا گیا ہے۔ شرر نے ان کے حالات وواقعات کو تاریخ کی روشنی میں پیش کیا ہے۔ اس کے بعد حاتم تائی، کا ذکر ہے۔ جن کی جودوسخا اور فیاضی کی مثال کے لئے ہم اپنی روزمرہ کی زندگی میں ان کے نام کا استعمال کرتے رہتے ہیں۔ محمد بن تومرت المہدی المغربی، سعید بن مسجح، ابو الصلت امیہ بن عبدالعزیز، افلاطون الٰہی، ارسطوطالیس، سقراط فیثا غورس، جالینوس، غوریوں کی حیرتناک ابتدا، ابن القراقر ثلمخانی، عمر عیّار، اخفش، یہ فن نحو وصرف کے با کمال استاد میں شمار ہوتے ہیں) امیر عبدالقادر مغربی، مقنّع خراسانی، لقمان، عروہ بن حزام، نادر شاہ افشار، علی بیگ، اسکندر اعظم، الپ ارسلان، ابوالاسود دولی، ابن المعتز محمود ایاز، میر علی شیر، عبداللہ بن ابوبکر، محمد علی پاشا، شبلی نعمانی، سمسون، ہرقل، رستم تہمتن، حاجی ریاض الدین احمد، عمرو بن سعید (خلافت بنوامیہ کا بانی) ابو مسلم خراسانی، ابوعبداللہ شیعی (بانی دولت بنی فاطمہ مصر) غزال شاعر اندلس، اس کا نام یحییٰ بن الحکم البکری الجیانی) تھا۔ مقفع اور مبرقع، ہے نی بال، ابودلامہ، نابغہ ذبیانی (جاہلیت عرب کا ممتاز اور مستند ترین شاعر اور استادِ سخن) حسان بن ثابت (شاعر اسلام) عوج بن عنق، ابوالعتاہیہ، شرر اپنے ان تمام مضامین میں چاہے وہ عورتوں سے متعلق ہوں یا مردوں کے احوال ہوں ایسے نادر اور اہم شخصیات کا ذکر عربی اور دیگر زبانوں کے مطالعہ کے بعد اردو زبان وادب میں پیش کیا ہے۔ اردو میں ایک نادر اور انوکھا اضافہ ہونے کے ساتھ ساتھ اردوداں طبقہ کے لئے ایک علمی ذخائیر سے کم نہیں ہے جنھیں اردو کا طالب علم نہیں جان سکتا تھا شرر نے

ان کیلئے آسانی پیدا کردی، کہ وہ ان شخصیات کی بارے میں ان کے مضامین کا مطالعہ کرکے ڈھیر ساری معلومات کا اضافہ کرسکتے ہیں، اس کے ذریعہ اردو زبان و زبان کا دائرہ کا بھی وسعت پذیر ہو رہا تھا۔

اسلام سے پہلے اور بعد میں جو بھی شخصیتیں مقبول تھیں، ان کے کارنامے دنیا کے سامنے عیاں تھے، شرر نے ان کا تذکرہ اردو زبان میں بڑی زیرکی اور چابکدستی سے پیش کر دیا ہے۔

شرر اخیر میں ابو العتاہیہ اسلام کی دوسری صدی کا مشہور، عرب کا نامور اور اخلاقی شاعر تھا۔ اس کے الفاظ کی خوبی و روانی اس قدر موثر و عبرت خیز تھی کہ اس کی شاعری سن کر اچھے اچھے لوگوں کے آنکھ سے آنسو جاری ہو جاتا تھا، یہ ایک غلام تھا، ابو العتاہیہ یہ اس کی کنیت تھی، اس کی بود و باش کوفہ میں ہوئی تھی، ابتدا میں یہ ہجڑوں کی صحبت میں رہتا تھا، اس کے بعد چند روز کے بعد کوفے ہی میں کمھاری کا پیشہ شروع کیا، اور برتن بنانے لگا، اس کے بعد کام وغیرہ چھوڑ کر شاعری کرنے لگا، اس فن میں اس قدر شہرت حاصل کی، کہ تمام معاصرین اس سے بہت پیچھے ہو گئے، شرر اس کی شاعری کی غنائیت اور اس کی موثر اندازی کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''ہارون رشید کو ملاحوں کا نغمہ بہت پسند تھا، جو دجلے میں کشتیاں چلاتے وقت گایا کرتے، لیکن ان کی لے اور دھن تو پسند تھی جن اشعار کو وہ گاتے وہ ایسے بیہودہ اور مبتذل تھے، کہ ان سے تکلیف ہوتی چانچہ اس نے اپنے شعرا کو حکم دیا کہ ان لوگوں کی دھن اور لے میں کچھ اشعار کہہ دیں کسی سے کہا یہ کام تو سوا ابو العتاہیہ کے اور کسی نے نہ ہو سکے گا، مگر وہ قید خانے میں تھا رشید نے قید خانے ہی میں اس سے یہ فرمائش کردی، ابو العتاہیہ کو بڑا غصہ آیا، شعر کی تو فرمائش کردی مگر اس کی توفیق نہ ہوئی کہ مجھے آزادی دی جائے، جھنجھلا کے کہا، اچھا ایسے شعر کہوں گا کہ رشید کو بجائے دلچسپی اور لطف کے بے انتہا صدمہ ہو چانچہ سولہ سترہ اشعار کہہ کر ملاحوں کو دیے اور ان کو خوب یاد کرا دیئے اس کے بعد رشید ایک دن بجرے پر سوار ہو کے سیر دیا کو نکلا تو ان ملاحوں نے وہ شعر اپنی لے میں گانا شروع کیے رشید کی نسبت کہتے ہیں، کہ نہایت سخت دل آدمی تھا چاہے کیسی ہی مصیبت پیش آئے آنکھوں سے آنسو نہ نکلتے، یہ نغمہ جو سنا تو دل پر قیامت کا اثر ہوا تھوڑی

ہی دیر میں آنکھوں سے سیل اشک جاری ہو گیا اور ایسی بے تابی اور بیقراری سے رونے
لگا کہ لوگوں کو اندیشہ ہوا کہ اسکو کوئی صدمہ نہ پہونچ جائے، چانچہ فضل بن ربیع جو بجیرے
پر ساتھ تھا ملاحوں کو اشارہ کیا کہ گانا موقوف کرو جب انھوں نے وہ نغمہ موقوف کیا تو رشید
کو سکون ہوا اور ابوالعتاہیہ کے کلام کے اثر پر تمام لوگوں کو تعجب ہوا،، (65)

مضامین شرر جلد چہارم ادب و تحقیق مسائل ، کے عنوان سے لکھا گیا ہے۔ اس میں کل 48 مضامین شامل ہیں۔

یہ جلد 268 صفحات پر مشتمل ہے یہ شرر کے وہ مضامین ہیں، جو مختلف رسائل و جرائد میں شائع ہوئے ہیں ان سب کو اکٹھا کر کے ایک جامع مضامین کی مکمل کتابی شکل دے دی گئی، اس میں شرر کے تحقیقی وادبی مضامین کو جگہ دی گئی ہے اس جلد کا پہلا مضمون ،فلسفۂ تصوف اور اسلام، کے عنوان سے قائم کیا گیا ہے۔
شرر کو اس لیے اس قسم کے مضامین لکھنے کی ضرورت پڑی، کہ لوگ فلسفہ و منطق وغیرہ کے ذریعے دین سے بیزاری اختیار کر رہے تھے شرر لکھتے ہیں:

''اگر چہ تقلیدی طرز پر اس عہد سے پیشتر کے علما بھی فلسفیانہ مباحث پر نظر ڈالا کرتے
تھے، مگر تعلیم کے لئے جو طریقہ مغربی یورپین سر رشتۂ تعلیم نے ایجاد کیا ہے اس کا لازمی
اور حکمی اثر ہے، کہ انسان اپنے عالم خیال میں بالکل آزاد ہو کے مذہب اور فلسفے پر غائر
نظر ڈالتا ہے اور یہ دونوں کے درمیان عمدہ فیصلہ کرنے والا بن جاتا ہے، اسی کا اثر ہے
کہ بہ نسبت عربی تعلیم کے انگریزی تعلیم نے زیادہ دہریئے پیدا کیے، آگے مزید لکھتے
ہیں ہم مذہب کے احکام کو اعتقاداً ضرور مانتے ہیں مگر ہم نے فلسفے کی طرف سے آنکھیں
بند بھی نہیں کر لی ہیں ہم خود بھی پسند کرتے ہیں کہ فلسفیانہ اصول کا مذہب سے مقابلہ کیا
جائے۔'' (66)

اس کے بعد شرر نے فلسفہ کے مختلف فرقوں کا ذکر کیا ہے، ایک جو نظام عالم کو معقولی دلائل کے ساتھ وابستہ کرتے ہیں اور دوسرے نتائج عقلی کو چھوڑ کر صرف روحانیات کی طرف مائل ہوتے ہیں عربی فلسفہ کی

اصلاح میں پہلے کو مشائین اور دوسرے کو اشراقیین کہتے ہیں۔تصوف کیا چیز ہے؟ شرر اس کے تعلق سے لکھتے ہیں:

''تصوف صرف ان اثروں کا نام ہے جو واقف کار صوفیہ کی بتائی ہوئی ریاضتوں سے دل میں پڑ جاتے ہیں جنہیں وجدانیات کہنا چاہیے انسان ان سے لطف اور بدمزگی حاصل کر لیتا ہے مگر زبان سے نہیں ادا کرسکتا کہ اصل میں کیا چیز ہیں جیسے نور اور سرور ان کی کیفیت کسی سے پوچھے تو بیان نہیں کرسکتا، مگر ہاں دل ہی میں لطف اٹھا سکتا ہے،،(67)

شرر نے فلسفہ تصوف کے سلسلے مں تفصیل کے ساتھ گفتگو کی ہے، یہ مضمون 1893ء اگست میں لکھا تھا، اس کے بعد دوسرا مضمون ''سکّہ اسلام میں، اس مضمون میں شرر نے سکوں کی ایجاد پر گفتگو کی ہے کہ سکہ کا زواج کب اور کیسے ہوا اس کی پوری تفصیل اس مضمون میں بیان کی گئی ہے۔

اس کے بعد ایک مضمون عربی سے فارسی واردو کے تعلقات ستمبر 1893ء میں شرر نے تحریر کیا ہے۔شرر نے اس مضمون کو اس لیے لکھا کہ کچھ لوگ کہتے ہیں کہ فارسی اور اردو زبان میں سے عربی کے الفاظ نکال دیئے جائیں اور یہ کوشش انگریزی زبان میں بھی چل رہی ہے اس لیے کہ اس میں بھی لاطینی (رومی) الفاظ کافی تعداد میں موجود ہیں۔

اس کا مطلب شرر لکھتے ہیں:

''ایران وہندوستان کو کسی زمانے میں اسلام کی غلامی نصیب ہوئی تھی جو لوگ ان الفاظ کو نکالنا چاہتے ہیں غالباً ان کا بھی یہی خیال ہے کہ اپنی زبان کو عربی یا دوسرے الفاظ میں یوں کہا جائے کہ اسلام کی قید سے آزاد کرنا چاہتے ہیں۔اور شاید ایسی کوشش ہمارے خیال سے بڑی مشکل سے کامیاب ہوسکیں گی،،(68)

اس کے بعد ایران میں لوگوں نے اس طرح کی کوشش کی۔فردوسی نے اپنی شاہنامہ کے ذریعہ یہ پہل کرنے کی جسارت کی وہ اس میں کتنا کامیاب ہوئے اس کا مطالعہ کرنے والے ہی اس پر تبصرہ کرسکتے ہیں شرر نے ان تمام کوششوں کا ذکر کیا ہے جو ان لوگوں کی طرف سے کی گئی اس کے بعد عربی زبان کی اہمیت کو

اجاگر کیا ہے۔ اس کے بعد ''جناب شہر بانو'' شرر کا وہ مضمون جس پر بہت ہنگامہ آرائی کیا گیا یہ مضمون ''خاندان نبوت'' کے متعلق تھا'' اس مضمون کو لکھنے کی وجہ سے شرر پر تکفیر یت کے فتوے تک دے ڈالے گئے۔ شرر لکھتے ہیں:

''سنتے ہیں ہماری تکفیر کے لیے فتوے لیے گئے مگر کسی نے اتنی عنایت نہ کی کہ ان فتووں کو ہمارے پاس بھی بھیج دیا ہو، تا کہ یہ دیکھتے کہ ہماری خطا کیا ہے؟ اور کون کون صاحب ہیں جو ہماری تکفیر فرماتے ہیں؟

لاؤ تو قتل نامہ مرا میں بھی دیکھ لوں
کس کس کی مہر ہے سر محضر لگی ہوئی

(69)

ان کتابوں کے ایڈیشن وصفحات کو بھی شرر نے درج کیا ہے، شرر نے جو بھی باتیں لکھی ہیں ان سب کا حوالہ دیا ہے۔ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے کچھ واقعات کو بھی بطور مثال بیان کیا ہے۔ ان کے علاوہ اور دیگر مضامین مندرجہ ذیل ہیں اسلام اور تھیٹر،، عنقاء،، گریک فائر یا نفطہ،''ریش مقدس'' ''ختنہ'' مسلمانوں اور عیسائیوں میں امتیاز لباس ''انہار بحر'' ''کہانت'' معراج'' ''توحید'' ''موسیقی'' ''ہندوؤں کے علوم'' چیچک کا ٹیکہ اور لیڈی مانٹیگو'' ''عربی رسم الخط'' ''رقص'' رحم اللہ من ہدانی الی عیونی'' سچا عاشق کون ہے؟ مرد یا عورت؟ ''زبان اردو کی شامت'' کیا واقعی انسان سب سے افضل ہے؟'' چلتے پھرتے باغ ومکان'' ''حمّام کی تاریخ'' ''رقص موریق'' دنیا میں ناول نویسی کی ابتدا'' ''دہلی اور لکھنؤ کی اردو'' ''گلستاں'' العادۃ کالطبیعۃ الثانیہ (ماخوذ از ایڈیسن) ''خط پیکانی'' ''تاج'' ''دنیا وآخرت'' علامات اوقاف،، ریختی گوئی،، ''بدقسمت زبان اردو'' ''اردو لٹریچر'' اردو اور ہندی'' ''مصحف عثمانی'' ''ہمارا لٹریچر''۔

شرر کے اسلوب میں انگریزی عربی اور فارسی وغیرہ کے الفاظ کثیر تعداد میں موجود ہیں، شرر کے اکثر وبیشتر مضامین ناصحانہ اور خطیبانہ پہلو اپنے اندر رکھتے ہیں، ان مضامین کے مطالعہ سے شرر کی وسعت نظر، علمی لیاقت، اور مضمون نگاری کے فن پر انھیں کس طرح دسترس حاصل تھی، اس کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔ شرر

ایک تجربہ کار اور منجھے ہوئے مضمون نویس تھے۔

جلد پنجم اصلاحی مضامین کے مجموعہ پر مشتمل ہے، یہ مجموعہ 176 صفحات کا ہے اس کے اکثر و بیشتر مضامین اصلاح قوم ملت، اندر اتحاد و اتفاق اور بھائی چارے وغیرہ کی دعوت دیتے ہیں۔ اس جلد کا پہلا مضمون ''ہمارے ریفارمر'' کے عنوان سے لکھا گیا ہے۔

شرر اس مضمون میں ریفامر کے لغوی معانی اور اس کے تعلق سے لمبی بحث کی ہے، دین اسلام کے اندر ہر صدی میں ایک ریفارمر کی ضرورت ہوتی ہے اس کا بھی ذکر کیا ہے۔ قرآن وسنت کے تئیں اس دور میں تساہلی اور تغافلی جس قدر برتی جا رہی تھی، اس لیے اس دور کے حقیقی ریفارمر سند الوقت کے محدث اپنے استاد محترم علامہ سید نذیر حسین محدث دہلوی کو تسلیم کیا ہے۔

اس کے بعد کئی سارے مضامین ذکر کیے گئے ہیں۔ دین اسلام قدیم مسیحیوں کی ضعیف الاعتقادی، ریاست حیدر آباد اور معلم نسواں، ''علم کیمیا'' ہندو مسلمان کا اتحاد ''علم کی خوبیاں'' اسلام میں حرمت خمر کا نیا سبب'' '' مقتدایان بے مقتدا'' ندوۃ العلماء اور علامہ شبلی'' مسلمان لڑکیوں کا نصاب تعلیم'' ہمارے مذہبی جھگڑے'' ہم اور ہمارے خیالات'' اس جیسے کئی مضامین اس جلد میں شامل ہیں۔ اصلاحی مضامین شرر کے یہاں کثرت سے ملتے ہیں، اس لئے کہ وہ سرسید احمد خان سے کافی متاثر تھے، سرسید کا مقصد قوم ملک کی اصلاح تھی، اسی کاز کو شرر بھی آگے لے کر بڑھ رہے تھے۔

جلد ششم: تاریخی واقعات پر خیال آرائی، اس میں کئی عنوانات اور موضوعات شامل ہیں یہ جلد 309 صفحات پر مشتمل ہے۔ اس جلد میں اموی' عباسی' ہندوستانی' رومی' یونانی اور دیگر عربی واسلامی تاریخوں سے استفادہ کیا گیا ہے۔ شرر نے اپنے کسی بھی مضامین میں اگر عربی تاریخ کا ذکر کیا ہے تو وہ مستند اور معتبر تاریخیں ہیں۔ اس کا پہلا مضمون اس شعر سے شروع ہوتا ہے۔

بیدرد ہیں جو درد کسی کا نہیں رکھتے
ایسے بھی ہیں یارب کہ تمنا نہیں رکھتے

اس مضمون میں یہ حقیقت دیکھانے کی کوشش کی گئی ہے، کہ کوئی دل آرزو اور تمناؤں سے خالی نہیں ہوتا

ہے،اس مضمون کا اختتام قوم کی درد بھری داستان سے کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''قوم سے زیادہ کون ہمدردی کے قابل ہوگا،مگر افسوس کی اس کی جانب سے سب بے پرواہ ہیں، ہر موقع پر کسی نہ کسی کو ترس آجاتا ہے مگر قوم کی حالت روز بروز گرتی جاتی ہے کوئی دو آنسو بہانے والا نہیں خدا ہماری قوم کو دل دردمند دے۔،،(70)

اس کے بعد زمانے کی دلچسپیاں،ایک اگلا اسلامی بہادر،''بیان پر درد ہے،گزری ہوئی اگلی کہانی ہے،، جاہلیت کا شجاعانہ عشق''اگلی فیاضیاں'' خاتون عرب کی عقلت،،سکندر کا تابوت،،وغیرہ جیسے مضامین شامل ہیں۔

ڈاکٹر شاہ شرر کے ان مضامین پر خیال آرائی کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

''کولمبس کی دریافت کے ضمن میں سفر کی برکتوں کا اظہار کیا ہے اور بیرونی الارض کا حوالہ دیا ہے جہاں آرا بنت شاہ جہاں کے مزار پر کندہ حسرت ناک شعر کو نقل کر کے اس کی سابقہ عظمت اور موجودہ حالت کا مقابلہ کیا ہے۔اگر ضیافتوں کی مثالیں پیش کی ہیں جاہلیت کا شجاعانہ عشق بہت ہی پر اثر مضمون ہے اس سے عربوں میں حددرجہ شرافت وغیرت کا احساس ہوتا ہے عربوں کے وفائے عہد اور عورتوں کے پارسائی کی بھی مثال دی ہیں،سی پنوں کا افسانہ نہایت دردناک پیرائے میں لکھا ہے اس کے علاوہ زمانے اتفاقات قسمت کی ستم ظریفوں، زندگی کی ناپائداری، اوالعزمی، ایثارنفس وغیرہ کی مثالیں دی ہیں اور ان کی وضاحت کی ہے۔،،(71)

اس کے بعد پہلی صدی کا ایک مرتد، ایثار نفس،وطن اور ابنائے وطن، ہارون رشید کے دربار میں ہندوستانی تحفہ اور اس جیسے کئی مضامین اس جلد کی زینت بنے،شرر نے اپنی انھیں تحریروں کے ذریعے اس فن کو جلا بخشی۔

جلد ہفتم:نظم ڈرامہ پر مشتمل ہے یہ کتاب 176 صفحات پر مشتمل ہے اس جلد میں شرر کی شعری کاوشوں اور ان کے ڈامے کو یکجا کیا گیا ہے۔اس جلد کی پہلی نظم کا عنوان ''شب وصل'' ہے دوسری ''شب غم'' ہے اور اسی طرح ایک نظم''زمانہ اور اسلام'' کے نام سے تحریر کی گئی ہے۔

اس میں ایک مضمون ''بلینک ورس یا نظم غیر مقفیٰ'' کے نام سے لکھی گئی ہے ڈرامے کے چھ مناظر کو بیان کیا گیا ہے اور اس میں نظم معریٰ کا استعمال بہت اچھے انداز میں کیا گیا ہے۔اس مجموعہ میں ''بنی اسرائیل کی مختصر تاریخ اسیر بابل'' کا ذکر ہے اور ''نیچرل شاعری'' میں شرر نے اپنے خیالات کا اظہار موثر انداز میں پیش کیا ہے۔

مضامین شرر جلد ہشتم: یہ جلد 167 صفحات پر مشتمل ہے۔

اس جلد میں ''گم شدگان سلف'' اور گور غریباں'' جیسے مضامین نظم کے پیرائے میں لکھے گئے ہیں۔اسی طرح ''گرمیوں کی رت'' پر کھارت یا برسات'' ''حریف کی رت'' اور کالی داس کے مضامین وغیرہ کا ترجمہ پیش کیا گیا ہے۔اس سے جہاں شرر کے شعروشاعری کی فہم فراست کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے، وہیں دوسری جانب انھیں مختلف النوع مضامین لکھنے پر دسترس بھی حاصل تھی، آپ خداداد صلاحیتوں سے ہمکنار تھے موضوع کی مناسبت سے اپنے اسلوب بیان کا انتخاب بھی آپ کرلیا کرتے تھے۔

مضمون نگاری میں شرر کا مقام:

شرر کی مضمون نگاری اصلاحی اور مقصدی پہلو اپنے اندر موجزن رکھتی تھی، ان کے مضامین اخلاقیات و ادبیات اور تعلیم و تعلم پر اکثر و بیشتر محیط ہوئے تھے۔ان کے مضامین کی سادگی، سنجیدگی، قناعت پسندی، رنگینی و سگفتگی امتیازی شان رکھتے تھے کبھی ان کے اصل کاز کی شان کو مجروح نہیں ہونے دیتے، شرر ایک صحیح العقیدہ مسلمان تھے، حق کی خاطر زمانے کی تکالیف اور حوادث کو سینہ سپر ہو کر مقابلہ کرتے تھے، وہیں وہ ایک سچے محبّ وطن بھی اپنے مضامین میں نظر آتے تھے، ساتھ ہی ساتھ بین المذاہب کے اندر اتفاق واتحاد کے لئے ہمیشہ سرگرداں بھی نظر آتے تھے۔ان کے مضامین خیر القرون کی باوقار شخصیت سے پر ہیں تو وہیں وہ دوسری جانب رامائن اور دیگر مذاہب پر بھی اپنی بیش بہا تحریریں چھوڑی ہیں، شرر ہمیشہ حقیقت نگاری پر یقین رکھتے تھے، وہ اپنے کسی بھی مضامین میں جھوٹ اور اس سے متعلقات کا سہارا نہیں لیتے، تاریخ نگاری کے واقعات کو من وعن بیان کر دیتے تھے۔ان کا انداز بیان تبلیغ کے ساتھ ساتھ عام فہم، سادہ اور سلیس تھا۔ عام قاری کی سمجھ سے بالاتر نہیں ہوتا بلکہ معمولی قاری ان کی تحریر کو بآسانی سمجھ سکتا ہے۔ان کی تحریروں میں

اس قدر دلچسپی اور دلکشی موجود ہوتی ہے کہ قاری اس سے محو ہو جاتا ہے۔

ان میں فارسی عربی انگریزی کے جملے کثیر تعداد میں پائے جاتے ہیں، ان کا استعمال شرر بڑے تکلفانہ انداز سے کرتے ہیں، زبان سادہ اور عام فہم ہوتی ہے، ان کے مضامین مایوس اور افسردہ دل قوم کے اندر نئی روح اور نئی زندگی پھونکنے کا کام کرتے ہیں۔ شرر کے مضامین کا مطالعہ کرنے کے بعد اس بات کا اندازہ لگایا جاتا ہے کہ ان کے مضامین مختلف قسم کے عناوین پر مشتمل نظر آتے ہیں، ان کے کچھ مضامین تو ایسے ہیں جو بالکل اپنے اندر اصلاحی پہلو رکھتے ہیں ان کا مقصد اصلاح اور تبلیغ ہے۔ ساتھ ہی ساتھ ان کے مضامین افسردہ دلوں کے لئے مژدۂ پیغام ہیں۔ وہ اپنے مضامین میں ہر قسم کے خیالات عمدگی اور سادگی کے ساتھ پیش کر دیتے ہیں۔ ان سے علم و ادب اور انشاء کو ہی صرف فائدہ نہیں ہوتا بلکہ اخلاق و عادات اور خصائل حمیدہ کا پروان چڑھتا ہے۔ تصنع بناوٹ اور تک بندی اور بھاری بھرکم الفاظ سے ان کی تحریریں معریٰ نظر آتی ہیں۔

شرر کے کچھ مضامین جن کے اندر تاریخی پہلو نمایاں طور پر موجود ہوتا ہے۔ جس سے ان کی مورخانہ اہمیت کا اظہار ہوتا ہے۔ کچھ مضامین ایسے ہیں، جہاں شرر ایک ادیب اور انشایہ پرداز کی شکل میں نمایاں ہوتے ہیں، کچھ مضامین شاعرانہ و عاشقانہ اور تحقیقی پہلو اپنے اندر رکھتے ہیں غرض یہ کہ شرر نے اردو اصناف کے تقریبا ہر صنف میں اپنی گراں قدر خدمات انجام دیں ہیں مضامین نگاری کی تاریخ نگاری میں شرر کی اہمیت روز روشن کی طرح عیاں ہے، بغیر شرر کے ذکر کے مضمون نگاری کی تاریخ مکمل نہیں ہو سکتی، شرر کی بے شمار خدمات سے اردو ادب ہمیشہ ان کا محسن و ممنون ہوگا۔ یحییٰ تنہا لکھتے ہیں:

> ''آپ کے مضامین انشاء پردازی کے نمونے ہیں خیالات عمدہ ہیں اور ان کو اچھی زبان میں ادا کیا ہے۔''(72)

حوالہ جات: باب چہارم

(1) ظہیر الدین، ڈاکٹر اردو اسیز، مکتبہ جامعہ لمیٹڈ نئی دہلی سن اشاعت فروری 1976ء ص 19-20

(2) وزیر آغا، ڈاکٹر، انشائیہ کے خدوخال، مکتبہ جامعہ لمیٹڈ دہلی، 1991ء ص 18

(3) ” ” ” ” ” ” ص 84

(4) ظہیر الدین ڈاکٹر، اردو اسیز، مکتبہ جامعہ لمیٹڈ نئی دہلی ص 13-14

(5) وزیر آغا، ڈاکٹر، انشائیہ کے خدوخال، مکتبہ جامعہ لمیٹڈ نئی دہلی۔ص 19

(6) ” ” ” ” ” ” ص 24

(7) نا بھوی، رام لعل، آم کے آم، جے، کے آفسیٹ پریس دہلی، 1983ء ص 16

(8) ” ” ” ” ” ” ص 16

(9) شریف احمد، ڈاکٹر، عبدالحلیم شرر، شخصیت اور فن، گوہر پبلیکیشنز چاندنی چوک دہلی 1989ء ص 207

(10) فیروز احمد مولوی، فیروز اللغات، دار الکتاب دیوبند یوپی 1988ء ص 90

(11) آدم شیخ، ڈاکٹر، رائیٹرا امپوریم پرایئویٹ لمیٹڈ، مہتہ روڈ ممبئی، 1965ء ص 18,19

(12) نا بھوی، رام لعل، آم کے آم، جے کے آفسیٹ پریس دہلی 1983ء ص 19-21

(13) محمد، حسنین، سید، انشائیہ اور انشائیے، ایجوکیشنل بک ہاؤس علی گڑھ اکست 1958ء ص 54

(14) ” ” ” ” ” ” ” ص 65-66

(15) ” ” ” ” ” ” ” ص 70-71

(16) عابدی، رفیعہ شبنم، ڈاکٹر، ملاوجہی اور انشائیہ، حسن پبلی کیشن ممبئی، 1989ء ص 104-105

(17) محمد، حسنین، سید، انشائیہ اور انشائیے، ایجوکیشنل بک ہاؤس علی گڑھ اکست 1958ء ص 76

(18) ” ” ” ” ” ” ” ” ص 86

(19) سلیم، اختر، ڈاکٹر، اردو ادب کی مختصر ترین تاریخ عاکف بکڈپو دریا گنج دہلی، 2003ء ص 318

(20) مدنی،ظہیرالدین،ڈاکٹر،اردو اسینز،مکتبہ جامعہ لمیٹڈ،نئی دہلی،39

(21) شرر،عبدالحلیم،ہندوستان میں مشرقی تمدن کا آخری نمونہ،یعنی گذشتہ لکھنؤ مکتبہ جامعہ لمیٹڈ،31-30

(22) شرر عبدالحلیم،دلگداز جنوری 1887 جلد نمبر 1 لکھنؤ ص 1

(23) ,, ,, ,, ,, ,, ص5

(24) ,, ,, ,, ,, امید ,, ص6

(25) ,, ,, ,, ,, ص11

(26) ,, ,, ,, فروری،''چاندنی رات'' ص5-4

(27) ,, ,, ,, ''کل''

(28) ,, ,, ''اپریل''زمانے کا تھپیڑ،ص 7-6

(29) ,, ,, مضامین شرر،تاریخی وجغرافیائی،مقیاس نیل،108

(30) سلیم،اختر،ڈاکٹر،انشائیہ کی بنیاد سنگ میل پبلیکیز،لاہور،1989ء ص110

(31) ظہیرالدین،اردو اسیز،مکتبہ جامعہ لمیٹڈ نئی دہلی۔ص39

(32) نابھوی،رام لعل،آم کے آم،جے کے آفسیٹ پریس دہلی، ص26

(33) شاہ علی سید،ڈاکٹر،ادب اور تنقید مکتبہ اسلوب کراچی،1961 ص69

(34) ,, ,, ,, ,, ,, ص100

(35) نیر،نورالحسن،نوراللغات جلد چہارم،اشاعت العلوم پریس فرنگی محلی لکھنؤ 1931ء ص584

(36) فیروزالدین مولوی،فیروزاللغات اردو جامع،راولپنڈی کراچی،لمیٹڈ،2010ء،ص1957

(37) حسین تصدق،سید،لغات کشوری منشی نول کشور لکھنؤ فروری 1907ء ص590

(38) جالبی جمیل،ڈاکٹر،قومی انگریزی اردو لغت،مقتدرہ قومی زبان اسلام آباد 1992ء ص686

(39) سلام،سندیلوی،ڈاکٹر،ادب کا تنقیدی مطالعہ،میری لائبریری لاہور،1964ء ص204

(40) علی شاہ،سید،ڈاکٹر، ادب اور تنقید،مکتبہ اسلوب کراچی،1961ء ص12-11

(41) سلیم اختر، ڈاکٹر، ادب اور لاشعور، مکتبہ عالیہ لاہور، 1976ء ص295

(42) محمد حسین، سید، انشائیہ اور انشائیے، ایجوکیشنل بک ہاؤس علی گڑھ 1958ء ص14-13

(43) ” ” ” ” ” ” ” ص16

(44) مارہروی، احسن، تاریخ نثر اردو، نمونہ منشورات، قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان دہلی 2011ء، ص16

(45) ” ” ” ” ” ” ” ” ص15

(46) حسین ثریا، سرسید احمد خاں اور ان کا عہد، ایجوکیشنل بک ہاؤس علی گڑھ، 2006ء ص85-286

(47) جعفرہ، سیدہ، ڈاکٹر، ماسٹر رام چندر اور اردو نثر میں ان کا حصہ، ابوالکلام آزاد اورینٹل ریسرچ انسی ٹیوٹ، حیدرآباد 1960ء ص52

(48) مرتب حسینی انور کمال ماسٹر رام چندر فن اور تنقید، ص28

(49) ظہیرالدین، ڈاکٹر، اردو اسینز، مکتبہ جامعہ لمیٹڈ نئی دہلی فروری 1974ء ص28

(50) عبداللہ، سید، ڈاکٹر وجہی سے عبدالحق تک، سنگ میل پبلی کیشنز لاہور، 1996ء ص72

(51) عبداللہ سید، ڈاکٹر، سرسید احمد خاں اور ان کے نام ور رفقاء مکینہ کاروان لاہور 1960ء ص46

(52) سلام، سندیلوی، ڈاکٹر، ادبی اشارے، ص12

(53) فیض احمد فیض، میزان، کوہ نور آرٹ پریس عبدالعلی روڈ کلکتہ 1982ء ص89-186

(54) تنہا محمد یحیٰ، سیر المصنفین، دارالاشاعت، غازی آباد دہلی 1924ء ص587

(55) جعفر رضا پروفیسر، عبدالحلیم شرر، حیات اور کارنامے ص104

(56) شرر، عبدالحلیم، دلگداز 1889 جنوری، ص5

(57) ” ” آغاز و اختتام سال کے مضامین مرکنٹائل پریس لاہور، سن مذکور نہیں ہے۔ ص131

(58) ” ” تاریخی و جغرافیائی مضامین مرکنٹائل پریس لاہور، ص14

(59) ” ” ” ” ” ” ” ص44

(60) مشرقی تمدن کا آخری نمونہ یعنی گذشتہ لکھنؤ، مکتبہ جامعہ لمیٹڈ دہلی ص5

(61) سکسینہ، رام بابو، تاریخ ادب اردو، علمی بک ہاؤس لاہور 1990ء ص 497

(62) شرر، عبدالحلیم، مضامین شرر جلد سوم، سیر نواں حصہ اول، مرکنٹائل پریس لاہور، ص 1

(63) " " " " " " " ص 1

(64) " " " " " " " ص 20

(65) شرر، عبدالحلیم، مضامین شرر جلد سوم، دنیا کے مختلف مردوں کے احوال وکوائف مرکنٹائل پریس لاہور ص 34-533

(66) " " مضامین شرر جلد چہارم، ادب و تحقیق مسائل ۔۔ص 2-1

(67) " " " " " " " ص 3

(68) " " " " " " " ص 17

(69) " " " " " " " ص 21

(70) " " مضامین شرر جلد ششم تاریخی واقعات پر خیال آرائی مرکنٹائل پریس لاہور، ص 88

(71) شاہ علی، سعید، ڈاکٹر، ادب اور تنقید، مکینہ اسلوب کراچی، 1980ء

(72) تنہا، محمد یحییٰ، سیر المصنفین، دارالاشاعت غازی آباد دہلی، 1924ء ص 600

باب پنجم

عبدالحلیم شرر کی صحافت نگاری

ہندوستان میں صحافت کی ابتدا تقریباً اٹھارویں صدی کے نصف الآخر یا ربع اخیر میں ہوئی، کلکتہ سے جیمس آگٹس ہکی نے 29 جنوری 1780 انگریزی زبان میں ہفت روزہ ’’ہکیز گزٹ‘‘ شائع کیا تھا، اس کے بعد دھیرے دھیرے صحافت نے کروٹ لی اور فارسی زبان میں بھی کئی اخبارات نکلنے لگے۔ اس لیے کہ اس وقت ہندوستان کی سرکاری زبان تقریباً فارسی ہی تھی۔ کئی سالوں تک فارسی زبان کو سرکاری سرپرستی حاصل رہی یہاں تک کہ دیسی ریاستوں اور ایسٹ انڈیا کمپنی کے گورنر جنرلوں کے مابین بھی فارسی میں خط وکتابت ہوتی رہتی تھی۔ اس کی ضرورت واہمیت کے پیش نظر انھوں نے اتالیق مقرر کر رکھے تھے جو فارسی زبان میں مراسلات اور خط وکتابت کا جواب دیتے تھے۔ اس کی سب سے اچھی مثال یہی ہے کہ فورٹ ولیم کالج کا قیام ہی اسی لیے کیا گیا تھا کہ انگریزوں کو فارسی اور دیگر علاقائی زبان سکھائی جائے۔

ڈاکٹر طاہر مسعود لکھتے ہیں:

> ’’انگریزی مصنف فرانس گلیڈون پہلا صحافی تھا جس نے اپنے اخبار کلکتہ گزٹ 1886 کے ابتدائی شماروں میں ایک کالم فارسی زبان کا شروع کیا اس کالم کی مستقل سرخی ’’خلاصۂ اخبار دربار معلّٰی بہ دار الخلافت شاہجہاں آباد‘‘ ہوا کرتی تھی، کالم کے سامنے انگریزی ترجمہ بھی درج کر دیا جاتا۔‘‘(1)

1801 میں ایک سہ ماہی ادبی وعلمی مجلّہ ’’ہندوستانی انٹلی جنس فارسی میں نکلا، اس کے مدیر ٹامس ہولنگ بیری تھے، اس میں حافظ شیرازی، شیخ سعدی ابونصیر الدین وغیرہ کی فارسی شاعری کو پیش کیا جاتا تھا، اور ساتھ ہی ساتھ انگریزی زبان میں اس کا ترجمہ بھی پیش کر دیا جاتا تھا۔ اس کی اصل وجہ یہی تھی کہ فارسی سرکاری، عدالتی، دفتری کاروباری تعلیمی وعلمی زبان تھی اور پڑھا لکھا طبقہ فارسی زبان ہی بولتا اور لکھتا تھا، دھیرے دھیرے فارسی کا اثر ورسوخ ختم ہوتا چلا گیا، مغل سلطنت زوال آمادہ ہوگئی، اردو زبان اپنا اثر ورسوخ وسیع کرتی چلی گئی، اردو کا پہلا اخبار کلکتہ ہی سے جاری ہوا جسکا نام ’جام جہاں نما‘ تھا۔

امداد صابری اردو کے پہلے اخبار کے سلسلے میں لکھتے ہیں:

''کلکتہ منتقلی جنرل مورخہ 1882ء کے کامل نے ایک حتمی فیصلہ کر دیا کہ اردو کا پہلا اخبار ''جام جہاں نما'' تھا جس کی پیدائش اردو کے روپ میں 27 مارچ 1822ء کو ہوئی ابتدا میں اس کے پرچے اردو میں نکلے بعد میں فارسی میں نکلنے لگے اور دوبارہ اردو کا ضمیمہ 23 مئی 1823ء کو نکلنا شروع ہوا۔'' (2)

بعض لوگ ''جام جہاں نما'' کو اردو کا پہلا اخبار تسلیم نہیں کرتے اس پر بڑی لمبی بحثیں ہو چکی ہیں کچھ لوگ دہلی اردو اخبار جس کو محمد حسین آزاد کے والد محترم مولوی باقر نے شروع کیا تھا اس کو اردو کا پہلا اخبار مانتے ہیں اور کچھ لوگ راجہ رام موہن رائے کا ''مراۃ الاخبار'' اور ''شمس الاخبار'' کو اردو کا پہلا اخبار تسلیم کرتے ہیں۔ لیکن یہ دونوں اخبار فارسی زبان میں نکلتے تھے، نیز بھی انہیں ''جام جہاں نما'' پر اولیت حاصل نہیں ہے، یہ اس کے بعد نکلنا شروع ہوئے۔ ''جام جہاں نما'' کو ہری دت رائے نے جاری کیا تھا، یہ کلکتہ کے ایک ممتاز دانشور عالم صحافی تھے، اور دانشور اور اس اخبار کے مدیر اوّل سدا سکھ لعل کو مقرر کیا گیا تھا۔

جب اٹھاوی صدی میں مغلیہ سلطنت کا زوال شروع ہو گیا اور وہ مکمل طریقے سے ٹوٹ کر بکھر گئی تو دھیرے دھیرے فارسی کا اثر ورسوخ اور وقار بتدریج گھٹنے لگا اور اس سے اردو زبان کو خاصا فائدہ ہوا اور اس کی وسعت روز افزوں ملک گیر سطح پر ہونے لگی تیزی سے اس زبان نے پورے ہندوستان پر اپنا سکہ جمالیا صوفیائے کرام اور دربارے معلیٰ میں بھی اسے جگہ مل گئی، جب انگریزوں کا مکمل طریقہ سے ملک پر اختیار ہو گیا، تو گونر جنرل نے انگریز سرکاری ملازمین کو مقامی زبان سے واقفیت حاصل کرنے کی ہدایت دی، ہندوستانی زبان (اردو) کی ترویج واشاعت کا ایک اہم ستون کلکتہ کا فورٹ ولیم کالج بھی ہے جسکو 6 مئی 1800ء میں اسی مقاصد کے لئے قائم کیا گیا۔ اردو زبان وادب اور تراجم وغیرہ کے ابواب میں اس کالج کے قیام سے کافی ترقی ہوئی ڈاکٹر مسعود طاہر لکھتے ہیں:

کہ ''فورٹ ولیم کالج نے کم وبیش بیس سال تک اردو کی نثری تصانیف پیش کیں اس مدت میں ہندوستانی مصنفوں نے اردو کی 88 کتابیں تصنیف، تالیف اور ترجمہ کیں

جن میں 35 کتابیں شائع ہوئیں اور یہ عرصہ 1801 سے 1820 تک کا ہے ان کتابوں نے اردو نثر کے اسلوب پر دوررس اثرات مرتب کئے......فورٹ ولیم کالج نے جس سال اپنی علمی وادبی سرگرمیاں موقوف کیں اس کے ٹھیک دوسال بعد اردو زبان کا پہلا اخبار جام جہاں نما، فورٹ ولیم کالج ہی کے شہر کلکتہ سے نکلا، یہ اخبار زبان وبیان کے اعتبار سے اسی نثری اسلوب کا نمائندہ تھا جسے کالج سے وابستہ مصنفین نے اپنی تصنیفات میں وضع کیا تھا اردو کو بول چال کی زبان سے اٹھا کر اسے تحریری کی زبان کی حیثیت سے رواج دینے اور اس کا اعتبار ووقار قائم کرنے میں اردو صحافت ہی نے مغال اور موثر کردار ادا کیا۔،، (3)

اردو صحافت انیسویں صدی ڈاکٹر طاہر مسعو ''جام جہاں نما'' ابتدائی دور کے لحاظ سے اس کی نثر سلیس رواں دواں اور عام فہم تھی اس میں جگہ جگہ ادبی حسن کا امتزاج بھی پایا جارہا ہے، ساتھ ہی ساتھ صحافت کے بنیادی مقاصد یعنی اطلاع دینا اور تعلیم وتفریح پر مکمل طریقے سے کھرا اترنا ہے اس دور میں وسائل کا فقدان کے باوجود بھی اردو اخبار اپنے قاری کی جانب سے امید افزا نظر آتا ہے۔جس دور میں خبروں کی حصولیابی مشکل سے ہو پاتی تھی یہ اپنی محنت شاقہ سے اپنی ذمہ داریوں کو بحسن وخوبی نبھارہا تھا۔اس کے اسلوب وبیان کا ایک نمونہ بطور مثال پیش کیا جارہا ہے:

''آج تک بنارس کی صبح اور اودھ کی شام خاص وعام کے زبان زد تھی اس سب سے کہ بنارس میں صبح دم گنگا کے کنارے ایسی پیری پیکروں کی بھیڑ ہوتی ہے کہ ہفت اقلیم کے سیاح ان کے دیکھنے سے حیران ہوتے ہیں اور اودھ میں شام کے وقت شفق کی سرخی اور دور کے فاصلے سے پہاڑوں کی سیاہی اور دریا کے کنارے سبزی ایسی لطافت دکھلاتی ہے کہ بیان نہیں ہوسکتا۔'' (4)

اس خوبصورت عبارت اور سلیس زبان کو دیکھ کر اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ اردو میں کس طرح ادبی صحافت پروان چڑھ رہی تھی ''جام جہاں نما'' کے بند ہونے کے بعد کسی کو یہ ہمت اور جسارت نہیں ہورہی تھی، کہ کسی

اخبار کی اشاعت کی جائے اس لیے کہ یہ اخبار اپنے اصول اور زبان و بیان وغیرہ کی وجہ سے کافی مقبول ہو چکا تھا، اب بازار میں اس کے ہم پلہ اخبار ہی اس کی ہمسری حاصل کر سکتا تھا، لیکن اس کے بعد اردو صحافت دھیرے دھیرے پروان چڑھتی رہی پھر شمالی ہند میں اردو صحافت کی بنیاد دہلی کالج کے تعلیم یافتہ و روشن خیال، مولوی باقر نے ڈالی، 1837 میں انھوں نے ایک رسالہ جاری کیا۔ ''دہلی اردو اخبار'' کے نام سے۔ گر بچن چندن لکھتے ہیں:

> ''اردو پریس مشرق سے شمال کی طرف 1837 میں آیا شمالی ہند کے پہلے اردو اخبار ''دہلی اردو اخبار'' کے مدیر مولوی باقر کو انگریزوں نے 1857 میں حکومت کے خلاف تحریری جہاد کی پاداش میں گولی مار کر شہید کر دیا انہوں نے نہایت خاموشی سے ایسی روایت شروع کی جو کہ آزادی کی حصولیابی (اگست 1947) تک برقرار رہی۔''(5)

یہ اخبار چار سال تک تن تنہا اردو صحافت کی خدمت کرتا رہا۔ اس کے بعد شمالی ہند میں جو اخبار وجود میں آیا اس کا نام ''سید الاخبار'' تھا۔ سرسید احمد خان 1841ء میں خود تحریری کام کیا کرتے تھے۔ یہ معتدل قسم کا اخبار تھا، اور جلد ہی بند ہو گیا تھا، اس کو بڑے بھائی سید محمد نکالتے تھے، رئیس الدین فریدی غدر سے پہلے نکالنے والے اخباروں کے سلسلے میں لکھتے ہیں:

> ''غدر سے پہلے دہلی سے نکلنے والا ''دہلی اردو اخبار'' اردو کا سب سے بااثر، عمدہ اور دلیر اخبار تھا جسے علامہ محمد حسین آزاد کے والد مولوی محمد باقر نے جاری کیا تھا جو غدر کے بعد انگریزوں کی مخالفت اور جہاد آزادی کی حمایت کرنے کی پاداش میں شہید کر دیئے گئے اور حق کی راہ میں جان دینے والے پہلے اخبار نویس ہوئے اس اخبار میں علامہ محمد حسین آزاد بھی اپنے والد کی قلمی مدد کیا کرتے تھے اس لیے وہ بھی گرفت میں آنے والے تھے مگر بچ گئے دہلی کا اس زمانے کا ایک اور اردو اخبار ''صادق الاخبار'' بھی بڑا اجری اور بے باک اخبار تھا۔''(6)

یہی وہ اخبارات ہیں جنھوں نے وہ شمع روشن کی جو پھر کبھی بھی نہیں بجھ سکیں بلکہ ہمیشہ ہمیش کے لئے

سورج کی طرح اپنے کرنوں سے پورے برصغیر کو روشن کرتی چلی گئی، اس کے بعد بے شمار اخبارات ورسائل ہندوستان کے اطراف واکناف سے جاری وساری ہوئے، اردوادب کے ساتھ ساتھ ان اخباروں کے ذریعہ صحافتی ادب بھی پروان چڑھنے لگا، دھیرے دھیرے یہ زبان پورے ہندوستان میں رائج فارسی اوردیگر علاقائی زبانوں وغیرہ کو پیچھے چھوڑتی ہوئی اپنی بلندیوں تک پہونچ گئی، لیکن جب انگریزوں کی سرپرستی اس زبان کو حاصل ہوئی تو یہ مزید پلی بڑھی، جیسا کہ پہلے ذکر کیا جاچکا ہے کہ فورٹ ولیم کا قیام اسی لیے عمل میں لایا گیا کہ افسران اردو اور ہندوستان کی دوسری مقامی زبان وغیرہ کو سیکھ سکیں، پھر اس کے بعد کمپنی اور اس کے افسران نے بھی اردو صحافت میں بڑھ چڑھ کر حاصل لیا۔

ڈاکٹر طاہر لکھتے ہیں:

''انگریز افسروں کی سرپرستی کا یہ دوستانہ رویہ آنے والے برسوں میں بھی باقی رہا۔ ماسٹر رام چندر نے جب دہلی کالج سے فوائدالناظرین 1846 اور ''محبّ وطن'' 1847 جاری کیا تو ان کی مدد دہلی کے چند انگریز افسران نے کی اور وہی ان کے خریدار بھی رہے، دہلی کے مجسٹریٹ سرجان لارنس، سول سرجن ڈاکٹر راس، دہلی کے جج مسٹر گبن ان رسالوں کے متعدد نسخے خریدتے تھے'' محبّ ہند فوائدالناظرین وقرآن السعدین یہ تینوں یوروپین خریداروں کے بل پر چل رہے تھے۔ دیسی خریداروں کی تعداد نہ برابر تھی۔''(7)

اس کے بعد جب غدر کا واقعہ رونما ہوا تو اردو صحافت کا رخ کافی تبدیل ہوگیا اور بہت سے اخبار ورسائل اس طوفان کی نذر ہوگئے یا ان میں تالے ڈال دیئے گئے۔ مطبع خانوں کو آگ کے حوالے کر کے بہت سارے صحافیوں کو موت کے گھاٹ اتار دیا گیا تھا۔ لیکن اس کے باوجود صحافت کا جو سلسلہ شروع ہوا جو کبھی رکا نہیں۔ کئی اخبار چپکے چپکے نکلتے رہے اور کئی ایسے بھی تھے جو منظر عام پر شائع ہورہے تھے۔ انھیں میں ایک اخبار لاہور کا ''کوہ نور'' تھا جو بند نہیں ہوا بلکہ اس وقت بھی جاری وساری رہا۔ اسی طرح اردو گائڈ کے نام سے ایک اخبار مولوی کبیرالدین نے شائع کیا جو انگریزوں کی خوشامد پر مشتمل تھا۔ اس کے بعد سرسید احمد خان نے میدان صحافت میں قدم رکھا۔ ان کا مقصد مسلم اقوام کے اندر بیداری اور انہیں جدید علوم وفنون نیز

انگریزی زبان پر دسترس اور حالات کی نزاکت کو سمجھتے ہوئے انگریزوں سے گہری وابستگی کی طرف دعوت دینا اور مسلم قوم کو پرانے وفرسودہ خیالات کو چھوڑنے پر آمادہ کرنا تھا۔

سرسید کی صحافت اپنے اندر ایک مقصدی پہلو موجزن رکھتی تھی۔سرسید نے سائنٹفک سوسائٹی علی گڑھ کے زیر سایہ ایک اخبار''سائنٹفک سوسائٹی''یا''علی گڑھ گزٹ''(ہفتہ واری) کے نام سے 30مارچ1866 کو جاری کیا۔اس کے بعد ایک رسالہ تہذیب الاخلاق نام سے جاری کیا۔قوم نے اخبار کو ہاتھوں ہاتھ لیا اور رسالے کی شدید طور پر مخالفت بھی کی گئی بلکہ اس کے پاداش میں آپ کو ملحد و کافر تک گردانا گیا۔لیکن سرسید اس کے باوجود اپنے مقصدی و اصلاحی مشن کو آگے بڑھاتے رہے۔آپ کا رسالہ مسلسل جاری رہا لیکن جب قوم کی مخالفت اور ان کے احتجاج پر زور ہونے لگا تو''تہذیب الاخلاق''کو گزٹ ہی میں ضم کر دیا۔اس اخبار میں ہر طرح کی خبر شائع ہوتی تھیں مثلاً بین الاقوامی،سیاسی،سماجی اور تعلیم وتعلم کے سلسلے میں خبریں نمایاں اہمیت کے ساتھ شائع ہوتی تھیں۔یہ اخبار اپنے اندر جامعیت، زبان و بیان کی جدت اور معروضیت وغیرہ کو ملحوظ خاطر رکھتا تھا۔اس زمانے میں اردو اخبار ورسائل کے بڑے اشاعتی مراکز دہلی، لکھنؤ آگرہ، علی گڑھ، لاہور میرٹھ وغیرہ کے نام کافی اہمیت کے حامل ہیں۔

یہاں سے اردو کے مختلف اخبار ورسائل تسلسل کے ساتھ شائع ہورہے تھے جیسے''نورالابصار''اودھ اخبار، نجم الاخبار، کوہِ نور،، روزانہ اخبار وغیرہ قابل ذکر ہیں۔اسی دوران مسلم اقوام کی حالت بے بسی، لاچاری کو دیکھتے ہوئے جنوری 1887 میں مولوی عبدالحلیم شرر نے بھی ایک ماہنامہ رسالہ''دلگداز''کے نام سے جاری کیا، وہ دور بڑا ہی پرفتن اور افراتفری کا تھا۔صحافت کی دنیا بدل چکی تھی لوگوں کا لب ولہجہ اور تیور سخت ہو چکا تھا کچھ لوگ اپنی اسی طرز صحافت کی وجہ سے پابند سلاسل کو بہ چشم خوشی گلے لگا لیا۔اس دور کو صحافت کا عہد زریں شمار کیا جاسکتا ہے۔جہاں مختلف انواع واقسام کے رسائل وجرائد، روز نامے، ہفتہ واری وماہواری مسلسل شائع ہورہے تھے۔شرر پہلے ہی سے ایک تاریخ دان اور مضمون نگار کی حیثیت سے ''اودھ اخبار''کے ذریعہ اپنے قارئین میں دھاک بٹھا چکے تھے۔شرر دلگداز سے پہلے ایک ہفت روزہ رسالہ ''محشر''اپنے دوست عبدالباسط کے نام سے 1881ء میں''اودھ اخبار''میں ملازمت کرتے ہوئے جاری

کرر کھا تھا۔قبل اس کے کہ رسالہ دلگداز کی صحافتی معیار پر تذکرہ کیا جائے اس سے پہلے رسالے کی اشاعتی سر گزشت پر بحث زیادہ ضروری ہے۔شرر نے کس طرح اپنے اس رسالے کا اجزاء کیا پہلے باب میں اس کی تفصیل بیان کی گئی ہے۔لیکن یہاں بھی بطور تذکیر دوبارہ اختصار کے ساتھ اس کا اعادہ کرنا زیادہ مناسب معلوم ہورہا ہے۔

جس وقت منشی نول کشور نے شرر کو اودھ اخبار کا نمائندہ بنا کر حیدرآباد روانہ کیا تھا۔شرر اس فیصلے سے خوش نہیں تھے اس لیے کہ ان کا رسالہ محشر جس کو وہ اپنے دوست عبدالباسط کے نام سے شائع کررہے تھے۔ان کے لکھنؤ چھوڑتے ہی وہ اپنی آخری سانسیں لینے لگا۔شرر کچھ ماہ حیدرآباد رہ کر واپس آئے اور وہاں سے آتے ہی اودھ اخبار کی ملازمت سے استعفیٰ دے دیا۔حیدرآباد میں ایک اخبار کے مالک نے ایڈیٹر کے لئے انتخاب کیا تھا۔منشی نول کشور کو شرر کا یہ رویہ بالکل پسند نہیں آیا انھوں نے بادل نخواستہ استعفے کو قبول کیا۔ لیکن شرر کے حساب وکتاب میں کافی تاخیر کردی جس کی وجہ سے وہاں کی بھی نوکری چلی گئی۔اب شرر کافی پریشان ہوگئے اس لئے کہ اس وقت وہ بالکل بے روزگار ہو چکے تھے۔تب ان کے دوست منشی نثار حسین نے انہیں ایک ناول لکھنے کے لئے آمادہ کیا۔وہ اس پر راضی ہوگئے شرر کا یہ پہلا معاشرتی ناول تھا جو خاص وعام میں بہت مقبول ہوا۔اسی درمیان منشی صاحب کے ایک دوست سے ملاقات ہوئی جن کا نام بشیر الدین تھا انھوں نے شرر کو ایک رسالہ نکالنے پر آمادہ کیا اور خریدار وغیرہ بنوانے کی خود ذمہ داری قبول کی۔فوراً کئی لوگوں کے پیسے بھی جمع کروادیئے۔منشی نثار نے دلگداز کا اشتہار دینے کی ذمہ داری لے لی چنانچہ پیام یار میں دلگداز کا پہلا اشتہار شائع ہوا۔اس سے شرر کی ہمت وحوصلہ افزائی ہوئی،ہم کہہ سکتے ہیں کہ دلگداز کے اجراء میں ان تینوں بزرگوں کا خاصہ حصہ تھا۔

دلگداز کا پہلا شمارہ جنوری 1887 میں منظر عام پر آیا۔یہ رسالہ اپنے ابتدائی سال ہی میں اتنے خریدار بنا لیا کہ اگلے سال یعنی 1888ء میں اس کی مقبولیت اور خریداروں کی تعداد اس قدر بڑھی کہ شرر نے ''دلگداز پریس'' قائم کرلیا۔دلگداز ترقی کے منازل طے کررہا تھا۔لیکن شرر کی غفلت یا یہ کہی کہ بار بار حیدر آباد کے سفر نے رسالہ و مدیر دونوں کو کافی پریشان کیا۔اشاعت کی مالی پریشانیوں کی وجہ سے پانچویں سال

دلگداز کو بند کرنا پڑا۔ بعدازیں شرر نے تلاش معاش کے لئے حیدرآباد کا سفر کیا۔تقریباً ڈیڑھ سال دلگداز کی اشاعت بند رہی۔ اسی طرح سفر انگلستان پر جانے کے بعد بھی بند رہا۔ اسی طرح جب مارچ 1897 میں ''سکینہ بنت حسین'' پر مضمون لکھا تو لوگ سراپا احتجاج بن گئے جس کی وجہ سے اشاعت روکنی پڑی۔ 1900ء میں پھر دوبارہ لکھنؤ سے جاری کیا گیا۔ 1901ء میں تاریخ کے لئے سولہ صفحات کا اضافہ کیا گیا۔ ایک بار پھر سفر حیدرآباد کی وجہ سے تقریباً تین سال تک اس کی اشاعت بند رہی۔ جون 1906 میں پھر سے اشاعت شروع ہوئی اور جون 1907 تک جاری رہی۔ اس کے بعد پھر مزید 8 صفحات سوانح کے لئے مختص کیا گیا۔ اس کے بعد یہ رسالہ 56 صفحات پر مشتمل ہوگیا۔ شرر کے اہل خانہ یعنی ان کے بیٹے فاروق کی وفات اور دوسری پریشانیوں کی وجہ سے تقریباً ایک سال تک بند رہا۔

1910ء میں جب دلگداز کی اشاعت دوبارہ شروع ہوئی تو پھر کبھی بند نہیں ہوئی۔ گردش ایام نے شرر کے دلگداز کو خاصہ پریشان کیا، کئی بار بند ہوا پھر جاری ہوا جس کی وجہ سے دوسرے رسائل مزید آگے بڑھ گئے جیسے حسرت موہانی کا ''اردوئے معلیٰ'' دیانرائن نگم کا ''زمانہ'' نیاز فتح پوری کا ''نگار'' عبدالقادر کا ''مخزن'' اور سید سلیمان ندوی کا ''معارف'' یہ وہ پرچے ہیں جو تسلسل کے ساتھ جاری وساری تھے شرر کا ''دلگداز'' دسمبر 1926ء تک شرر کی ماتحتی میں آٹھ سال کی ادارت پر مشتمل ہوکر مسلسل شائع ہوتا رہا۔ ان کی وفات کے بعد ان کی صاحبزادے محمد صدیق حسین نے 1933 دسمبر دلگداز تقریباً 48 سال کا طویل سفر طے کرتا ہوا آگے بڑھا۔

دلگداز اردو کا وہ رسالہ ہے جس نے اردو دنیا کے بیش قیمتی سرمائے کو پیش کیا اس میں مختلف عناوین کے تحت مختلف مضامین شائع ہوئے اور ساتھ ہی ساتھ تاریخی اور معاشرتی ناولوں کا ایک ضخیم حصہ اس رسالہ میں شائع ہوا۔ سوانح تاریخ انشائیہ اور شعر وشاعری الغرض تمام اصناف کو دلگداز نے اپنے اندر سموئے ہوئے ہے۔ انھیں کے ذریعہ اردو ادب اور صحافتی ادب کو پروان چڑھاتا رہا ہے۔

شرر نے تقریباً دو سے پانچ صفحات کو نئی کتابوں کے تبصرہ کے لئے خاص کر رکھا تھا۔

اس وقت کی جو بھی اہم کتابیں ہوتی تھیں شرر اس پر ضرور تبصرہ کرتے ،نمونہ کے لئے چند نام پیش کیا جارہا ہے۔ ''المامون'' حیات جاوید، آثار الصنادید، فرائض انسانی افسر اللغات، سوانح مولانا روم، تاریخ

کلکتہ، مفتاح القرآن، سوز وطن، مسدس حالی، انتخاب اودھ، مقالات سرسید، قواعد اردو، عذر شکوہ، دریائے لطافت، گلدستہ خرد، مثنوی مولانا روم، سیرۃ النبی اور گلزار نسیم وغیرہ۔ ان کے علاوہ اور بہت ساری کتابیں مذکور ہیں جن پر شرر نے تبصرہ کیا ہے۔ اسی طرح کچھ رسائل کا بھی ذکر کیا ہے جیسے ادیب، مخزن، خاتون، زمانہ، اردوئے معلیٰ، خاتون ہند، تہذیب الاخلاق، انتقاد، حزب الاعظم، خم خانہ سرور، نقاد، عائشہ صدیقہ، سراج القواعد اور فوائد الصبیان وغیرہ بعد میں درپیش ہونے والی خبروں کے لئے شرر نے کچھ صفحات کو خاص کر رکھا تھا۔ مثلاً ملک و بیرون میں پیش آنے والے اہم معاشی و سیاسی واقعات و حادثات پر تبصرہ اور اپنی آراء کا ذکر کرتے تھے۔ شرر اس کالم کو مختلف عناوین کے ساتھ پیش کرتے تھے مثلاً پچھلی ڈاک کی تازہ خبریں، پچھلی ڈاک کی اسلامی خبریں، چند مختصر خیالات، مختلف واقعات اور رائیں وغیرہ۔

دلگداز کے صفحات پر شرر اکثر و بیشتر اپنے قارئین سے اپیلیں کرتے تھے کہ جن حضرات کا تعاون بقایا ہے وہ جلد از جلد ارسال کریں۔ اسی طرح اس کے اندر مختلف قسم کے اشتہارات شائع ہوتے تھے۔ سرورق کے اندرونی صفحہ پر مختلف اقسام کے اشتہارات موجود رہتے تھے۔ کبھی عطر وغیرہ کا اور اکثر و بیشتر کتابوں کا اشتہار زیادہ رہتا تھا۔ ان کے علاوہ ادویات، اور حکیموں وغیرہ کے اشتہارات موجود رہتے تھے۔ شرر کا یہ رسالہ دلگداز مختلف مقامات سے متعدد وقتوں میں جاری ہوا۔ دلگداز کی سب سے پہلی اشاعت لکھنؤ سے ہوئی۔ اس کے بعد شرر نے کچھ وقت کے لئے حیدرآباد سے جاری کیا۔ ان کی وفات کے بعد ان کے صاحبزادے صدیق حسین نے اسے اورنگ آباد سے جاری کیا۔ ان تمام حالات واقعات کو دیکھنے سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ دلگداز زمانے کے سرد و گرم حالات کا مقابلہ بہت ہی خوبی کے ساتھ کیا ہے۔ اپنے قارئین کو اپنے تئیں خوش و خرم رکھنے کی بھرپور کوشش کی۔ نیز قارئین کرام نے بھی ہمیشہ ہمیش اپنے اس ہردلعزیز رسالے سے کبھی جدا نہیں ہوئے۔ بلکہ ہر حالات میں وہ اس کے ساتھ کاربند رہے۔

دلگداز کے اغراض و مقاصد یہ رسالہ جس دور میں منظر عام پر آیا اس وقت ہندوستان آزادی کے لئے سرگرداں تھا۔ ہندوستان کی تہذیب و ثقافت کو مسخ کیا جا رہا تھا مسلمانوں کی تاریخ اور ان کی شناخت کو غلط شبیہ کے ساتھ پیش کیا جا رہا تھا۔ نیز اگر عالم اسلام پر نظر ڈالا جائے تو وہاں کے مسلمانوں کی بھی حالت کافی خستہ اور

بدحال تھی۔دوسری طرف سرسید اوران کے رفقائے کار اپنی قوم وملت کی اصلاح اور تبلیغ کی خاطر اپنے آپ کو وقف کئے ہوئے تھے۔شرر بھی ان تمام بزرگوں سے کہں نہ کہیں ضرور متاثر تھے اوران کے مقصدی پیغام کو لوگوں کے درمیان عام کرنا چاہتے تھے۔ نیز اپنے مسائل اور حالات کو عوام کے سامنے پیش کرنا بھی چاہتے تھے۔ لیکن شرر رسائل وجرائد کے کثرت سے جاری ہونے سے بخوبی واقف تھے۔پھر بھی وہ اپنا ایک مشن رکھتے تھے اوراپنے انہیں مقاصد کو''دلگداز'' کے پہلے رسالے میں رسالہ دلگداز کے عنوان سے تحریر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''قومی اغراض قوم سے بیان کرنے کے لئے اس وقت صدہا اخبار جاری ہیں بعض اخبارات بڑی محنت وج ان کاہی سے اپنا فرض ادا کر رہے ہیں۔ایسے وقت میں ایک اور پرچے نکال دینا کسی حیثیت سے مفید نہیں ہوسکتا۔مگر دلگداز اس غرض سے شائع کیا گیا ہے کہ اپنے موثر اور دل دہلا دینے والے الفاظ سے اگر قوم کے دلوں پر نہ پا سکے تو اپنا قومی مرثیہ آپ ہی پڑھے اور آپ ہی روئے اور اس بہانے سے اپنے دل کا بخار نکال ڈالا کرے''۔(8)

شرر اپنے مقصد کی حصولیابی کے لئے بڑے جوش وخروش اور موثر انداز کی تحریریں رقم کررہے تھے۔جو قوم وملت کے دلوں پر اثر انداز ہوسکیں۔اس رسالہ کو بام عروج تک پہونچانے کے لئے شرر شب وروز لگے۔رہے مختلف اصناف پر خود مضامین تحریر کرتے تھے اوراس کی مقبولیت کا اندازہ اس قدر رہا کہ متعدد بار بند ہونے کے باوجود قارئین نے اس کا دامن نہیں چھوڑا۔شرر اس سلسلے میں لکھتے ہیں:

''آج سے بائیس سال پہلے جب کہ یہ بیسویں صدی شروع نہیں ہوئی تھی اورایک تمہارے ماسبق نائب زمانہ 1887 کا عمل تھا دلگداز لکھنؤ سے جاری ہوا۔اس کی اس وقت کی آب وتاب چمک ودمک اور دلفریبی ورعنائی دیکھنے کے لائق تھی۔اس کی اس وقت کی میٹھی اور دل میں اتر جانے والی باتیں سننے کے قابل تھیں۔اس وقت وہ صرف 16 صفحوں کا رسالہ تھا۔مگر وہ 16 صفحہ جن پر عاشقانہ مضامین اور خیال آرائی وخیال آفرینی کے کرشمے ہوا کرتے تھے کیا کہیں کہ کیسے پر لطف پر مذاق اور سراپا سوز وگداز ہوتے تھے چند ہی روز میں اس کی دھوم مچ

گئی اور ہر اردو زبان میں مذاق رکھنے والا اس کا دلدادہ و شیدا ہو گیا۔"(9)

دلگداز کی خصوصیت کا ذکر کرتے ہوئے شرر لکھتے ہیں:

"اس میں جو کچھ ہوتا ہے خاص ایڈیٹر کے دماغ و قلم کا نتیجہ ہوتا ہے۔ اس میں اور کسی کے مضامین نہیں ہوتے یہ شرط بجائے خوش سخت ہے بہت آسان تھا کہ ایک دس پانچ جز کا رسالہ نکال دیا جاتا۔ جس میں ملک کے بہت سارے انشا پردازوں کے مضامین جمع کر دیئے جاتے۔ لیکن دلگداز کو اپنی اس یک رنگی پر ناز ہے اور دست بدعا ہے کہ خدا اس کو آخر تک پناہ دے لیکن ناظرین سے امید ہے کہ اگر کبھی اس کے مضمون کو اپنے مذاق میں پھیکا پائیں تو اس سخت ذمہ داری کا خیال کر کے جو دلگداز نے اپنے سر لی ہے معاف فرمادیں۔"(10)

دلگداز اپنے اندر بہت ساری خصوصیات یکجا کر رکھا تھا۔ ابتدا میں اس کی اشاعت کم تھی لیکن شروع ہوتے ہی یہ اس قدر مقبول عام ہوا کہ شرر نے ایک ہی سال میں اپنا خود کا پریس قائم کر لیا۔ ابتدا میں صرف مضامین پر مشتمل رہتا تھا۔ بعد میں ناول کا اضافہ کیا گیا۔ لیکن جب اس کی مقبولیت مزید بڑھی تو اس میں تاریخ وسوانح کا بھی اضافہ کر دیا گیا۔ پھر یہ پرچہ 56 صفحات پر مشتمل ہو کر شائع ہونے لگا۔ لیکن بعد میں جب لوگوں نے خطوط وغیرہ کے ذریعہ صرف مضامین کی پیش کش کی تو شرر دوبارہ اس کو اپنی قدیم طرز پر لے آئے، اس بنا پر ہم کہہ سکتے ہیں کہ یہ ہندوستان کا واحد رسالہ ہوگا جو ایک ہی ساتھ اردو ادب کی کئی اصناف پر مشتمل ہو کر شائع ہوتا رہا۔ ورنہ یہ رسالہ جتنی بار بند ہوا اس کا خاتمہ ہو جانا چاہئے تھا۔ لیکن قارئین اس رسالے سے اس قدر مانوس تھے کہ ہر بار اسے حرز جان بنا لیتے تھے۔ شرر جنوری 1900ء کے شمار کی ابتدا اس عنوان سے کرتے ہیں "زمانہ با تو نسازد تو با زمانہ بساز" اس کے اندر زمانے کے اوپر جو حالات پیش آئے اس کی تفصیل بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"اگر سچ پوچھئے تو دلگداز کی بھی یہی حالت تھی۔ قوم کا یہ پر جوش خادم، ملکی زبان کا یہ زبردست حامی کئی دفعہ دامن فنا میں آکے اگر پھر سنبھل سکا تو اسی تسکین و مصرع کی

برکت ہے۔ پہلے پہل جب 1891ء میں یہ قضا کا تھپیڑا کھا کے گرا ہے تو بہت برا گرا تھا۔مگر باوجود سردلہری زمانے کے پھر زمانے کا ساتھ دینے کی ہمت کی۔1893ء میں ازسرنو جاری ہوا۔سال پورا نہیں ہونے پایا تھا کہ بادمخالف کا پھرایک جھونکا چلا،اوراس نے اس شمع انجمن کی حسرت ناک صورت دکھا دی۔جس کے گل ہوتے ہی صحبت احباب برہم ہوگئے،ایک مدت کے بعد 1898ء میں یہ قومی چراغ پھر روشن ہوا آزردہ اور مایوسی آمیز تاریکی دور ہوئی،اوربچھڑے ہوئے احباب پرجوش قدردانوں اور یاران باصفا کی پھرصورتیں نظرآئیں وہی قومی انجمن پھرگرم ہوئی اور وہی اگلی پراثر داستانیں وہی قومی کارناموں کی پرمذاق باتیں اوروہی لطف سخن کی دلچسپیاں پھرمحظوظ وسرور کررہی تھیں۔جس بچہ کی زندگی کی زیادہ تمنا ہوتی ہےاسے کسی اورکی گودمیں دے دیتے ہیں یاکسی غیرکا بچہ بنا کر پالتے ہیں۔اسی طرح اس اشاعت میں بھی یہ اہتمام کیا گیا کہ یہ قومی ہونہار بچہ سن عیسوی کی گود سے نکال کے ایک نئے سن یعنی سن محمدی کی گود میں دے گیا گیا۔مگر تجربہ سے معلوم ہوا کہ زمانہ ویسا ہی سردمہر تھا۔ایڈیٹر کے سفر اور مختلف افکار نے آخر پھر وہی روز بد دکھایا کہ سال پورا ہونے کوصرف ایک مہینہ باقی تھا اورلب بام کودوہی چار ہاتھ رہ گئے تھے،کہ آفات زمانہ کی ایک آندھی آئی اور یہ قومی شمع پھرگل ہوگئی،نیز یہ ہونہار بچہ حسب سابق خاموش ہوگیا۔پھر بعد میں اسی معمولی آب وتاب کےساتھ یہ چراغ ازسرنوروشن کیا جاتا ہےاورامید ہے کہ ہمارے قدردان اسے انقلاب زمانہ کی تیز آندھیوں کے بےمہر جھونکوں سے بچاتے رہیں گے۔دلگداز نے باوجوداتنے انقلابات اورایسی ایسی ناکامیوں کی نئی زندگی حاصل کی اور ہرصدمے کے بعدایک نئی شان اورنئی آن بان سےنمودار ہوااسکا اصلی سبب یہی تھا کہ ہمیشہ اسی مذکورہ مصرعہ۔’زمانہ باتو نسازدتو بازمانہ بساز‘پرعمل رہا۔‘‘(11)

شرر کے جتنے بھی مضامین اس رسالے میں شائع ہوئے قارئین نے اسے شرف قبولیت سے ونوازہ،

عوام کے ساتھ ساتھ روسائے اور امیران قوم اور والیان حکومت وغیرہ نے بھی اس رسالے کو پسندیدگی کے ساتھ دیکھتے تھے یہ رسالہ مرد وزن دونوں کے یہاں کافی مقبول تھا۔ یہ اپنی مقبولیت اپنے قارئین پر اثر انداز کر دیتا تھا لیکن ان کی صحبت اور ان کے اثرات قبول نہیں کرتا، شرر اس سلسلے میں رقم طراز ہیں:

''یہ ہر صحبت میں جاتا تھا مگر اس سے متاثر نہیں ہوتا بلکہ اپنا ہی اثر ڈال دیتا ہے وہ سب کا بن گیا اور سب نے اسے اپنا لیا مگر پھر بھی وہ ویسا ہی الگ تھلگ رہا جیسا کہ تھا وہ ہر ایک کی دلداری کرتا اور ہر سینے میں اپنی جگہ پیدا کر لیتا، مگر اس لیے نہیں کہ ان کی برائیوں کو اختیار کرے جس طرح زاہد شب زندہ دار کے پاس جا کے وہ نمازیں پڑھنا اسی طرح ایک شرابی کی صحبت میں بیٹھ کر کے وہ شراب نہیں پینے لگتا اسی طرح یہ رسالہ محبت والفت کی بات کرتا تھا اور ساتھ ہی ساتھ ہر مذہب ومسلک کی تعظیم کرتا تھا لیکن ساتھ ہی ساتھ اس کی ایک خوبی یہ بھی تھی کہ حق گوئی سے کبھی روگردانی نہیں کرنا چاہئے چاہے پورا زمانہ مخالف ہو جائے۔ اس کی پرواہ نہیں کرتا تھا۔''(12)

اسی طرح کچھ لوگوں کا خیال تھا کہ دلگداز ہندوؤں کا مخالف ہے شرر کو جیسے ہی اس بات کی اطلاع ملی فورا انھوں نے اس کی سخت الفاظ میں تردید کی۔ لکھتے ہیں:

''بعض حضرات یہ خیال کرتے ہیں کہ دلگداز ہندوؤں کی اغراض کی خلاف ہے۔ لیکن یہ خیال بالکل بے بنیاد ہے، دلگداز اور وہ لوگ جن کے قلم سے دلگداز کے مضامین لکھے جاتے ہیں، عموماً اس خیال کے پابند ہیں کہ ہندوستان بین الاقوامی دنیا میں ایک مسلمان کے لیے ہندوؤں کی دل شکنی بعینہ ویسی ہے جیسی کہ کسی مسلمان کی دل شکنی ہو، دلگداز کے صفحوں پر کوئی ہندو صاحب کبھی کوئی ایسا لفظ نہیں پائیں گے جو ہندوؤں کو ناگوار گزرنے والا ہو''۔(13)

شرر کے اقتباس اور دلگداز کے مطالعہ سے قاری یہ اندازہ لگا سکتا ہے۔ کہ شرر کسی کے مخالف نہیں تھے بلکہ انھوں نے تو ہندوؤں کے ''رامائن کے بعض سین'' کے عنوان سے کئی قسطیں بھی شائع کی ہیں اور اسی طرح کالیداس کے مضامین لکھنے ''ریتوسمہرا'' کا ترجمہ بھی چھ قسطوں میں شائع کیا ہے دلگداز میں مضامین لکھنے

والے ہندو قلم کار بھی موجود تھے جیسے پنڈت شر دھارام جی' 'اُما شنکر اشٹھانہ فنا' ' کا نام قابل ذکر ہے۔ دلگداز اپنی ترقی اور عمدہ مضامین کے ذریعے آگے بڑھ رہا تھا۔ مختلف النوع موضوعات و مضامین سے قارئین لطف اندوز کے ساتھ اپنے علمی معیار میں مزید اضافہ کر رہے تھے۔ اسلام اور مسلمانان عالم نیز ملک و قوم کے حالات و واقعات کا تفصیل سے تذکرہ بھی کر رہے تھے۔ فیض احمد فیض دلگداز کے سلسلے میں لکھتے ہیں:

> ''مولانا کے دلگداز والے مضامین کتابی صورت میں طبع ہوگئے۔ ان میں بہت سے لطافت اور اصلاحی مضامین ہیں جن میں سماج کی بری رسوم پہ نہایت دلیری اور صاف گوئی سے بحث کی گئی ہے۔ ان میں غالب کے خطوط کی طرح لکھنے والے کی شخصیت کا اظہار یا ظرافت کی چاشنی پائی جاتی ہے۔ لیکن ان کے مطالعہ سے ایک کامل اور چابکدست لکھنے والے کا تصور پیدا ضرور ہوتا ہے۔ اس میں جھٹکا نہیں آتا، کہیں رکاوٹ نہیں ہوتی، انہیں پڑھ کر کچھ اور پڑھنے کی چاہت پیدا ہوتی ہے۔'' (14)

رام بابو سکسینہ دلگداز کے متعلق رقم طراز ہیں:

> ''دلگداز کے شائع ہوتے ہی شوق نے سارے ہندوستان میں ایک سرگرمی پیدا کردی...... اس میں خاص قسم کے ایسے مضامین تھے جن کے نمونے اگر کوئی ڈھونڈھے تو صرف انگریزی کے اعلیٰ لٹریچر میں مل سکتے ہیں۔ اردو کا خزانہ اس وقت تک اس سے خالی تھا۔ کسی خیال کو موثر بنانا اور بغیر تشبیہ و استعارہ کے اور بغیر قافیہ بندی کے کسی مطلب کو دلکش و دلفریب بنا دینا دلگداز کے معجز نگار ایڈیٹر کا خاص حصہ تھا۔ اس کے مضامین اس قدر پسندیدہ اور ایسے دلکش رنگ میں ڈوبے ہوتے تھے کہ سررشتۂ تعلیم کے محکمے کو آپ کے مضامین لینے پڑے اور ہندوستان میں اردو کا کوئی کورس نہیں ہے جس میں دو ایک مضامین شریک نہ ہو''۔ (15)

دلگداز کے اداریے: دلگداز کے اداریے ہندوستان کی تاریخ، تہذیب و تمدن، زندگی کے حالات اپنی قوم و ملت کی زبوں حالی کی روداد، عالم اسلام کے احوال، زمانے کی ستم ظریفاں، بلکہ اس وقت کے تقریباً ہر احوال اور مسائل کا احاطہ کر رکھا ہے۔ یہ کام کسی بھی ایڈیٹر یا مصنف کے لئے اتنا آسان نہیں ہے۔ خاص طور

پر عبدالحلیم شرر کے لیے جو تقریباً اس رسالے کے تمام مضامین لکھنے کے ساتھ ساتھ ناول اور دیگر تاریخی کتب بھی تصنیف کرتے تھے۔شرر نے زندگی کے تمام نامساعد حالات کا مقابلہ کرتے ہوئے مختلف موضوعات پر اداریے مرقوم کئے۔ان کے اداریے تاریخی اور ادبی لحاظ سے دستاویز کی حیثیت رکھتے ہیں۔ان اداریوں کے مطالعہ سے اس دور کی تاریخ اور ماحول کو بحسن وخوبی سمجھا جا سکتا ہے۔مندرجہ ذیل کے سطور میں شرر کے کچھ نمائندہ اداریوں کا تجزیاتی مطالعہ پیش نظر ہے۔شرر جنوری 1887ء کو اپنے رسالہ دلگداز کا اجزاء کرتے ہیں۔اس کا پہلا اداریہ ''دلگداز'' کے عنوان سے قلم بند کرتے ہیں۔یہ اداریہ پانچ صفحات پر مشتمل ہے۔اس کا انداز بیان صنف انشائیہ کی بہت ہی اچھی مثال پیش کرتا ہے۔اس مختصر اداریہ میں شرر زندگی کے مختلف گوشوں کے احوال اور ان کے اوپر گزرنے والے حالات کا تذکرہ کرتے ہیں۔دل پر اثر انداز ہونے والے واقعات کو بہت ہی خوبصورت انداز میں پیش کرتے ہیں۔لکھتے ہیں'' کہ کسی نوجوان بیوہ کی حسرت مند آرزو اس وقت سنیئے جب وہ آدھی رات کو اعزواقرباء سے چھپ کر دبی زبان سے نالہ وفریاد کر رہی ہو تو معلوم ہو کہ دل کیسی اثر قبول کر لینے والی چیز ہے'' اسی طرح اس یتیم بچے کا بلک بلک کے رونا دیکھئے جو کسی ایسی بیوہ کی گود میں چلا جاتا ہو جس سے ننھے معصوم کی مایوسانہ صورت نہ دیکھی جاتی ہو،مگر منھ پھیر پھیر کر اسکے رونے کی آواز سن رہی ہو اس موقع پر بھی ضبط دل کا بخوبی امتحان ہو جائیگا'' ان کے علاوہ موسم کے احوال،میدان کارزار کی مثالیں اور مسلم اقوام کی زبوحالی کا واقعہ ایسا پیش کیا ہے جو دل پر اثر انداز ہو جاتا ہے لکھتے ہیں:

''اس مفلوک الحال قوم کو بھی ایک نظر دیکھ لیجئے جو کسی زمانے میں ترقی یافتہ سمجھی جاتی تھی،جو اہل اسلام کے نام سے مشہور ہے۔اس قوم کی گذشتہ حالات وواقعات کو یاد کیجئے کہ تمام دنیا پر حکومت تھی،علم ودولت اسی کے حصے میں تھے،تمام قوموں کو اس کی شاگردی پر فخر وناز تھا،عام ترقی کی کنجیاں اسی کے ہاتھ میں تھیں،ہر امر میں یہ ساری دنیا کہ مرجع تھی،اسلام کا جوہر اس تاج میں لگا ہوا تھا،جو تمام دنیا کا سرتاج تھا............اب اس قوم کی موجود حالات کو دیکھیے یہ کس ذلت کے نشیب میں پڑی ہوئی ہے جہالت ہر ہر فرد بشر کے سر پر سوار ہے۔تھوڑا بہت علم ہے بھی تو آپس میں لڑنے کے لئے ادبا کی بھیانک صورتیں ہر طرف نظر آرہی

ہیں۔نشۂ غفلت ہے کہ بڑھتا ہی چلا جاتا ہے ابھی پاؤں ڈگمگا رہا تھا اور اب گرا چاہتا ہے دنیا میں دلگدازی کے بڑے بڑے سامان موجود ہیں مگر افسوس ہم ان پر نظر نہیں ڈالتے"۔(16)

اس اداریہ میں شرر نے دل پر اثر انداز ہونے والے واقعات کو خوبصورت لب ولہجہ اور آسان و سلیس زبان و بیان کے ذریعے پیش کیا ہے۔اور مسلم قوم کی آپ بیتی اور موجودہ صورت حال پر اپنے خیالات کا اظہار کیا ہے نیز قوم کی زبوحالی سے نجات حاصل کرنے کے لئے کچھ نسخے کا ذکر بھی کیا ہے۔

شرر نے 1887 میں کئی اور اداریے تحریر کئے جو کافی اہم اور معلوماتی ہیں۔کچھ اداریے ایسے ہیں جو اپنے اندر حسن وعشق کی خوبصورت فضائیں پیوست کر رکھی ہیں۔ابتدائی اداریے اور مضامین عاشقانہ اور شاعرانہ نوعیت کے ہوتے تھے۔جیسا کہ شرر خود کہا کرتے تھے کہ ہمارے ابتدائی مضامین عاشقانہ اور شاعرانہ تحریروں پر مشتمل ہیں۔اس وقت کے کچھ اہم اداریے جیسے"ایک سرو ہزارا سودا" خواب تھا جو کچھ کہ دیکھا جو سنا افسانہ تھا۔ان کے علاوہ آہ پر تاثیر، باغ آرزو، دام واپسیں، نیز واجد علی شاہ مرحوم کے نام سے ایک اداریہ تحریر کیا ہے۔شرر کا ایک اداریہ نومبر 1888ء کے شمارے میں"بوئے وفا" کے عنوان سے شائع ہوا۔ یہ اداریہ چھ صفحات پر مشتمل ہے۔شرر نے اس میں گروہ عشاق کے سردار قیس عامری کی عشق کی داستان کو حسین انداز میں بیان کیا ہے۔کہ جب قیس کو اپنی معشوقہ لیلی کے عشق میں کڑھ کڑھ کر اور دل پر کوفت و پریشانی برداشت کر کے اپنی جان دے دینے کی اطلاع ملتی ہے۔تو فوراً یہ سچا عاشق اس کے شہر جا کے دریافت کرتا ہے اور جب کوئی اطلاع نہیں ملتی تو اس جگہ کے قبرستان میں جا کر ہر ایک قبر کی مٹی کو سونگھتا ہے۔ یہاں تک کہ ایک قبر پر پہنچتا ہے جس پر ایک ہی رات کے باسی نوشگفتہ پھولوں کی مرجھائی صورت دیکھ کر بے اختیار زبان سے پکار اٹھتا ہے۔

پھول تو دونوں بہار جان فزا دکھلا گئے
حسرت ان غنچوں پہ ہے جو بن کھلے مرجھا گئے

پھول کی مرجھائی ہوئی صورت دیکھ کر تیں پر افسردگی طاری ہوجاتی ہے اس لیے کہ وہ چاہتا تھا کہ یہ پھول کبھی نہ مرجھائیں،قیس بار بار اپنی لیلی کی قبر کی ملی اٹھا اٹھا کر سونگھ رہا تھا اور یہ شعر پڑھ رہا تھا۔

یریدون یخفوا قبرها عن حبیبها
وطیب تراب القبر دلّ علی القبر

(یعنی لوگ چاہتے ہیں کہ اس کی قبر کو اس کے عاشق سے پوشیدہ رکھیں حالانکہ قبر کی مٹی کی بو بھی قبر کو بتا رہی ہے)

وفور عشق کا اثر اس قدر ہوا کہ شعر پڑھتے پڑھتے وہیں پر گر پڑا اور دیکھا تو بے جان پایا گیا۔

شرر نے اس قصے کو بڑے رومانوی انداز میں پیش کیا ہے اور یہ بتانے کی کوشش کی ہے کہ جس سے بھی وفاداری کی جائے اس کا احترام اور اس کی تکمیل میں کسی قسم کی کوتاہی اور تغافلی نہ برتی جائے۔ بے وفاؤں کی شرر نے خوب لتاڑ لگائی ہے اور اس بات کا بھی ذکر کیا ہے کہ جہاں ستم کش عشاق موجود ہوں گے وہاں پر بوئے وفا کا وجود مشکل ہے۔ حسن وعشق کی دنیا میں اس بو کی اہمیت کو اجاگر کیا ہے۔ اس اداریہ میں قلم کار اپنے مقصد کو بھی قاری کے سامنے بہت ہی اچھے انداز میں پیش کرنے کی کوشش کی ہے۔ جیسا کہ پہلے بیان کیا جا چکا ہے کہ شرر جو بھی لکھتے تھے اس میں اپنے قوم کی فلاح و بہبود اور ان کی اصلاح کا کوئی موقع نہیں چھوڑتے۔ اسی طرح اس اداریہ کے اخیر میں اپنی قوم کو 'بوئے وفا کی تلقین کرتے ہوئے مخاطب ہوتے ہیں نمونے کے طور پر چند سطور کو پیش کیا جا رہا ہے:

''بوئے وفا ایک ایسی چیز ہے کہ ہر شخص اس کا قیمتی ہے اور ہر دل میں اس کی آرزو ہے۔ ہزاروں اسی دلفریب بو کے تجسس میں پھرتے پھرتے خاک میں مل گئے اور ہزاروں ڈھونڈھ رہے ہیں۔ اے اہل اسلام تمہاری بدقسمتی ہے کہ یہ بو جو کامیابی اور سچی مسرت کا سماں آنکھوں سے دکھائی دیتی ہے تمہیں مل سکتی ہے اور تم نہیں متوجہ ہوتے۔ مل سکنا کیسا تمہارے پاس ہے مگر تم جب غور کر کے تلاش کرو جب تو ملے ویران باغ اسلام جو تمہاری شکستہ حالیوں کے ساتھ خود بھی جو رزمانہ سہہ سہہ کے تمہارا ساتھ دے رہا ہے۔ اگر دیکھو گے تو اس کی ہر ہر مرجھائی اور پژمردہ پنکھڑی میں بوئے وفا آئے گی۔ اگر اس حسرت نصیب مسافر نے اپنی بے کسی کو اپنا مونس پایا تھا اور اس میں بوئے وفا آتی تھی تو تمہارے لیے تمہارا غربت زدہ اسلام ویسا ہی مونس ہے اور اسی بوئے وفا کو ظاہر کرتا ہے جو اس مسافر کی بے کسی میں آئی تھی، خود تمہارا اسلام تمہاری بے کسی ہے۔ یہ منہدم

درود یوار یہ شکستہ اور گرے پڑے قدیم آثار، یہ گرتی ہوئی عالیشان مسجدیں، یہ خاک میں ملتی ہوئی سر بفلک عمارتیں، اگران کی سیر کروگے اور غور سے دیکھوگے توان کی ہر ہر گری پڑی اینٹ سے بوے وفا آئے گی۔ کاش یہ بو ہمارے دماغ میں پہونچتی اور ہم مجبور ہوکے متوجہ ہوجاتے کہ انہیں پھر آباد کرکے اس وفاداری کا معاوضہ کریں جو ان اسلامی یادگاروں نے ہمارا ساتھ دینے میں دکھائی ہے۔'' (17)

شرر جنوری 1889ء میں ایک اداریہ 1889ء کے عنوان سے لکھا ہے۔ اس اداریے میں انھوں نے اپنے گذشتہ سال کے احوال کا ذکر کیا ہے اور قارئین کی جانب سے کافی مطمئن نظر آتے ہیں۔ تمام حیثیتوں سے اگر گذشتہ سال کا معائنہ کریں تو کہتے ہیں ہمیں ناشکری نہیں کرنی چاہئے، ہمارے مضامین بہت اچھے رہے، اور جو ناول دلگداز میں قسط وار شائع ہوا وہ بھی اطمینان بخش رہا۔ کہتے ہیں ملک نے بہت گرم جوشی کے ساتھ اس ناول کا استقبال کیا اور ہمت افزائی کی یعنی شرر کل ملا کر 1888ء کے سال کو اپنے لیے اطمینان بخش تصور کرتے ہیں۔ اس کے بعد وہ 1889ء کے سال کو اپنے لیے مزید اطمینان بخش تصور کرتے ہیں۔ اس کے بعد وہ 1889ء کی بنسبت بہت پر امید ہیں اور بہت مضبوطی کے ساتھ پیشین گوئی کرتے ہیں۔ کہ 1889ء کا دلگداز اور بہتر ہوگا، اور مزید آگے وہ بتاتے ہیں، کہ مجبوری اور نقصان دیکھ کر اب دلگداز کا اپنا پریس بھی ہوگیا ہے۔ اب عمدہ تصانیف پیش کی جائیں گی جو چھپائی اور مضامین دونوں حیثیت سے ہر دل عزیز ہونگی۔ اسی اداریہ میں اپنے ناول ملک العزیز ورجنیا'' کا ذکر بھی کرتے ہیں۔ اور بتاتے ہیں کہ دل گداز کے قدردانوں کے دلوں میں اس کا ایک ایک جملہ حمیت اور جوش پیدا کیا ہے۔ کہتے پھر اس سال ایک اور ناول تحریر کیا جائے گا جو پہلے ناول کی طرح نہیں ہوگا۔ اس کے اصول وضوابط الگ ہوں گے لیکن کہتے ہیں میں اپنے قارئین کو یقین دلاتا ہوں کہ یہ بہت عمدہ اور نایاب ہوگا۔ اپنی خوشی کا اظہار اس کی تکمیل کے وقت کرونگا۔ اس کے بعد پھر 1888ء کا ذکر کرتے ہیں کہ دلگداز اپنے صفحوں پر دو قسم کے مضامین شائع کررہا تھا۔ تاریخی، خیالی وعاشقانہ مضامین، مزید بیان کرتے ہیں کہ لوگوں کے خط وکتابت نے ہمیں الجھن میں مبتلا کر رکھا تھا۔ بعض حضرت تاریخی مضامین کے اس قدر مشتاق تھے کہ ان کی تاکید رہتی تھی کہ اس کا پورا

رنگ تاریخی ہی کر دیا جائے۔ اور بعض حضرات خیالی مضامین زیادہ پسند نہیں کرتے تھے۔ اس کے بعد وہ خود فیصلہ کر کے دونوں کی اشاعت شروع کر دیئے۔

دلگداز کے سلسلے میں کہتے ہیں کہ یہ اپنی قوم کے تئیں جس قدر احسان کر رہا ہے وہ اردو زبان کے لئے بھی مفید ہے۔ اردو زبان کی ترقی اور فارسی کے دھیرے دھیرے مٹ جانے کا اختصار کے ساتھ احوال بیان کرتے ہوئے اردو کے تئیں اطمینان کا اظہار کرتے ہوئے کہتے ہیں۔ کہ گذشتہ چند سالوں میں اردو زبان میں نہایت قیمتی تصانیف ملک کے سامنے پیش آتی ہیں اور اردو کا پایہ بلند ہوا ہے اور اردو تاریخ دانوں کے لیے دعا خیر کرتے ہیں اور یہ امید ظاہر کرتے ہیں کہ ان کے ذریعہ اردو میں باعتبار علوم اور باعتبار لٹریچر دونوں ذخیرۂ ہو رہے ہیں، اور کہتے ہیں کہ ہمارے بعض احباب کا یہ خیال ہے کہ دلگداز سے اردو لٹریچر کو خاص مدد مل رہی ہے شرر اس سے خوش ہو کر کہتے ہیں خدا کرے ایسا ہی ہو دلگداز کی اشاعت کی اصلی غرض بھی یہی ہے۔ کہ اردو زبان وادب میں توسیع کی جائے۔ اس کے بعد 1889 کا استقبال کرتے ہیں اور اپنی خوشی کا اظہار کرتے ہوئے اس سے مخاطب ہوتے ہوئے کہتے ہیں:

> ''اے 1889، آ اور خوشی سے تو ہمارے لیے بہت ساری امیدیں لایا ہے۔ تو ہمیں تسلی دیتا ہوا آیا ہے۔ تو ہماری تکلیفیں دفع کرنے کا وعدہ کرتا ہے آ۔ کہ ہم تیرے مشتاق ہیں...... تیری نورانی صحبتوں میں ہمارے لیے بہت کچھ سامان راحت جمع ہوگا تیری بہار کے موسم میں ہماری جنون انگریز ولولے تجھ سے بہت سی خواہشیں کریں گے اور تو ان کو پورا کرے گا، پیارے 1889ء خوشی اور مسرت کے ساتھ آ۔ اور ہماری آرزوئیں پوری کر''۔(18)

شرر کا ایک اور اداریہ 1893 جنوری کا اس عنوان کے تحت ''قدر ہر نعمت است بعد زوال'' ذکر ہے، شرر اس اداریہ میں اپنے احوال واطوار اور اپنی پریشانیوں کا ذکر کر رہے ہیں۔ کہ کچھ نامساعد حالات کی وجہ سے 1891 سے 1892ء تک دلگداز بند رہا، دوبارہ اس کی شروعات جنوری 1893 سے کرتے ہیں اس اداریہ میں دلگداز کے محاسن اور اس کی خوبیوں کا ذکر کرتے ہیں۔ کہ ابتدا میں پبلک نے کس عزت وتکریم سے ہمیں نوازا۔ ہمارا یہ رسالہ

نے اردو دنیا پر بہت احسان کیا اپنے قارئین میں ایک نئی روح پھونک دی، زمانے کی سرد مہری اور قومی بے پروائیوں نے کچھ ایسا ستایا کہ مجبوراً گمنامی کے پردے میں چھپنا پڑا، لیکن کچھ احباب اس کے عدم موجودگی اور غیبت کے زمانے میں بے قرار ہو گئے۔ اس رسالے نے یہ واضح کر دیا تھا کہ تقریباً ڈیڑھ سال کی مدت جس میں قوم کی پرشوق آنکھیں اسے دیکھنے کو ترس گئی تھیں، اکثر ہاتھ اس کے پانے کی تلاش میں پھیلے ہوئے تھے اس لئے کہ سحر نما مضامین، جادو بھرے الفاظ اور اس کے پرزور نغمے کو یاد کر کے زمانہ پکار رہا تھا۔ لیکن ہم بھی مصیبتوں میں مبتلا تھے کیا کرتے بس اتنے دنوں کے بعد گردش ایام نے ہمیں اپنی قوم کی خدمت کا مقام عنایت فرمایا ہے ہم ان کے شکر گزار ہیں۔ کہ انھوں نے ہمیں بھول نہیں بلکہ یاد کر رکھا ہے۔ اس کے بعد دلگداز میں جو بھی کوتاہی ہوئی شرر اس کو اپنے سر لیتے ہیں اور اپنی قوم سے معافی مانگتے ہوئے افسوس کا اظہار کرتے ہیں۔ کہ ہم نے اپنا کوئی جانشین نہیں چھوڑا اور آپ بغیر اطلاع کئے رخصت ہو گئے۔ اس اداریے میں اپنے ایک رسالہ ''مہذب'' کا ذکر کرتے ہیں کہ یہ ہفتہ واری رسالہ ہم نے جاری کیا جس میں علمائے اسلام کی زندہ و تابندہ شخصیات کا تذکرہ کیا جاتا تھا۔ مزید اس کے تعلق سے لکھتے ہیں کہ کچھ احباب کو یہ شکایت تھی کہ ملک کو اس کی ضرورت نہیں ہے لیکن شرر کی رائے یہ تھی کہ اگر چہ اس کی ضرورت ہندوستان کو نہ ہو مگر اسلام کو اس کی ضرورت اس وقت بھی تھی اور آج بھی ہے۔ اس کے بعد جتنے لوگوں کا قرض وغیرہ تھا اس کا ذکر شرر نے اس اداریے میں کیا ہے اور کہتے ہیں۔ جو ناول 1891ء میں شائع ہو رہا تھا ابھی اس کو نہیں شائع کیا جائے گا۔ بعد میں اس کو کتابی شکل میں دے کر اپنے قارئین کی خدمات میں پیش کر دیا جائے گا۔ شرر نے اس ادریے کے اخیر میں ان لوگوں پر طنز کسا ہے جو دلگداز کے بند ہونے پر شرر کا مذاق اڑا رہے تھے اور اخبارات وغیرہ میں شرر کے تئیں نازیبا کلمات وغیرہ بھی لکھے گئے تھے۔ کچھ احباب نے شرر سے کہا کہ کسی اخبار کے کالم میں اس کا جواب دیجئے۔ لیکن شرر خاموشی کے ساتھ اپنا کام کر رہے تھے۔ دوبارہ اسی آب و تاب کے ساتھ دلگداز کا اجراء کر کے معترضین کا جواب دیا۔

کی میرے قتل کے بعد اس نے جفا سے توبہ

ہائے اس زود پشیماں کا پشیماں ہونا

شرر کا ایک اداریہ ''بیسویں صدی کے عنوان سے شائع ہوا اس کی سن اشاعت جنوری 1901ء ہے۔

ہر سال کے ابتدا یا خاتمے پر لوگ مضامین اور مقالات قلم بند کرتے ہیں اور مختلف اقسام کے خیالات کا اظہار بھی کرتے ہیں اس میں خوشی اور غم دونوں ہوتے ہیں۔اس لئے کہ سال کے ختم ہونے پر کچھ لوگ خوشیاں اور مستیاں کرتے ہیں اور کچھ لوگ مغموم ہوتے ہیں۔بہر حال 1900ء کے خاتمے پر ایک عظیم انقلاب نظر آتا ہے۔زمانے کے تغیرات نے ہمیں ایسی ٹھوکر ماری کی ہم اس کی امید نہیں کر رہے تھے۔اکیسویں صدی کس کو نصیب ہوگی ،شرر اس اداریہ میں تغیرات زمانہ کا احوال خوبصورت انداز اور مثالوں کے ذریعے پیش کرتے ہوئے کہتے ہیں۔کہ آج ہمیں راستوں اور سڑکوں کو طے کرنے میں کئی کئی مہینے لگ جاتے ہیں لیکن ہوسکتا ہے کہ اکیسویں صدی میں کچھ تغیرات اور جدید علوم وفنون کا بول بالا ہو کہ لوگ ہواؤں میں سیر کریں۔شرر دہلی کے بادشاہ محمد شاہ کی مثال بھی پیش کرتے ہیں کہ اسی صدی کے ابتدا میں وہ دہلی کے سلطنت پر براجمان تھے۔لیکن زمانے نے کروٹ لی اور تخت وتاج سب کچھ ختم ہوگیا۔اس صدی کے خاتمے تک ہم یہ دیکھتے ہیں کہ پورے ہندوستان پر انگریزوں کا قبضہ ہے حالات زمانہ کو شرر نے اس اداریہ میں پیش کیا ہے اس کے اخیر میں دلگداز کی بات کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ اس وقت دلگداز ہوگا ،نہیں ہوگا ،شاید ہو،لیکن اگر ہوا بھی تو ہمیں کیا؟ اس لیے کہ نہ یہ ناظرین ہونگے اور نہ ہم ہونگے یا ہوسکتا ہے۔اس وقت ہندوستان میں اس سے بہتر رسائل ومجلّات نکل رہے ہوں گے۔جن کے آگے دلگداز کی کوئی وقعت نہ ہو۔لیکن ہم کہتے ہیں کہ دلگداز ہوگا لیکن زمانے اور حالات کے ساتھ اپنا رنگ تبدیل کرتا رہے گا۔اس اداریے میں شرر نے یہ بات واضح کرنے کی کوشش کی ہے۔کہ تغیرات عالم کے ساتھ رہیے اسی کے مطابق اپنی زندگی بسر کیجئے۔شرر کے اکثر وبیشتر اداریے سال گذشتہ میں رونما ہونے والے واقعات واحوال کے تذکرے پر مشتمل ہوتے ہیں۔ان کا عنوان بھی اسی سن پر رکھا جاتا ہے جیسے 1890ء کا خیر مقدم، نیا سال نئی امنگ (1906) ''نیا سال اور نیا خیال'' (1914) سال حال (1915) آ 1916 آ، ''نیا سال اور نئے دھڑکے'' (1917) حضور 1918ء کا درد'' مذکورہ بالا تاریخوں کو دیکھ کر اور پڑھ کر معلوم ہوتا ہے کہ شرر کے زیادہ تر عناوین انھیں پر مشتمل ہوتے تھے۔ان اداریوں میں کبھی کبھار سیاسی واقعات جو اہمیت رکھتے تھے یا اس کے اثرات سماج پر مرتب ہوتے تھے ان کا بھی ذکر شرر اپنے اداریے میں کرتے ہیں۔

شرر جتنے بھی داریے لکھے اگر ان کے اسلوب نگارش پر بات کی جائے تو زیادہ تر سادہ، سلیس اور عام فہم ہیں۔ساتھ ہی ساتھ مقفی و مسجع اور بھاری بھرکم الفاظ کے استعمال سے عاری ہوتے ہیں۔بعض مقام پر شرر کا اسلوب خطیبانہ ہو جاتا ہے لیکن اس کے ذریعے اردو لٹریچر کو شرر مجروح نہیں ہونے دیتے۔

ادبی صحافت میں شرر کا مقام و مرتبہ:

شرر نے جس وقت صحافت کی دنیا میں قدم رکھا وہ صحافت کی ترقی کا دور تھا۔اس وقت مختلف روزنامچے، ہفت واری، ماہواری، رسائل و جرائد بکثرت جاری تھے۔انگریز ہندوستان کے سوادِ عظیم پر قبضہ جما چکے تھے۔لوگ انگریز حکومت کے خلاف اپنے غیض وغضب کا اظہار اپنی تحریروں میں کر رہے تھے۔اس وقت کچھ ادیب ایسے بھی تھے جو خالص اردو ادب اور شعر وشاعری کے ذریعے اپنی بات عوام الناس تک پہنچا رہے تھے۔کچھ لوگ اردو ادب کی خدمات انجام دیتے ہوئے اپنے ملک وقوم کی حمایت میں بہت کچھ لکھ رہے تھے۔ابتدا میں سرسید اپنے اخبار اور رسالہ تہذیب الاخلاق کے ذریعے قوم وملک کی اصلاح میں سرگرداں تھے،انہیں کے نقش قدم پر چلتے ہوئے عبدالحلیم شرر بھی آگے آئے اور میدان صحافت میں قدم رکھا۔ابتدا میں وہ اودھ اخبار سے منسلک تھے۔زمانے نے کروٹ لی اور شرر نے بھی بہت سارے رسائل و جرائد جاری کرنے لگے۔اس کے ذریعے اپنی ملک وقوم کی خدمات انجام دینے لگے۔اس دور کی عیسائیت مسلمانوں کے تشخص اور ان کی تواریخ کو مسخ کرنے کے درپے تھی شرر اپنی حد تک ان کا مقابلہ کرتے رہے، نیز اپنے نوجوانوں کے دلوں میں اسلام کے خلاف پروپیگنڈہ اور جو غلط بیانی پھیلائی جارہی تھی۔ان کا دندان شکن جواب بھی دے رہے تھے۔اپنی صحافت کے ذریعے ملک وادب اور سماجی افراتفری کو ریفارم کر رہے تھے۔اس وقت کے جو حالات تھے اس میں ملک وقوم کی حالت کو سدھارنے اور سنوارنے کے لئے شرر نے صحافت کا لباس زیب تن کر رکھا تھا۔اپنی بات کو عوام کے سامنے پیش کرنے کے لیے کئی اخبار و رسائل کا اجراء بھی کیا تھا۔ان میں سب سے زیادہ شہرت اور بقائے دوام، دلگداز ہی کو نصیب ہوئی۔دلگداز نے اردو صحافت میں اپنا مقام حاصل کر لیا تھا۔شرر نے مختلف موضوعات پر کئی سارے رسائل کا اجراء بھی کیا۔جن میں محشر، مہذب، پردۂ عصمت ،الفرقان، دل افروز،ظریف اور مورخ قابل ذکر ہیں۔سید سلیمان ندوی

شرر کے رسائل کے تعلق سے لکھتے ہیں:

''دلگداز کے علاوہ تین اور سالے اپنے نام سے نکالے موجودہ پردہ کے خلاف پردہ عصمت انھوں نے نکالا۔ سب سے پہلے انہیں نے مسلمانوں میں ہندو مسلم اتحاد کی باقاعدہ تحریک پیدا کی اور اس کے لیے اتحاد نکالا کچھ دنوں کے لئے تصوف کا بھی ایک رسالہ نکالا تھا............ مہذب نام کا ایک اور صحیفہ نکالا تھا۔ بحر حال وہ جو کچھ تھے ہماری زبان کے نامور مصنف، ہندوستان کا فخر اور لکھنؤ کی آبرو تھے''۔(19)

رام بابو سکسینہ نے اپنی کتاب ''تاریخ ادب اردو'' میں شرر کے رسائل و جرائد کی ایک فہرست درج کی ہے جو اس طرح سے ہے۔

1۔محشر، ہفتہ وار 1881,82

2۔دلگداز ماہوار 1887ء

3۔مہذب، ہفتہ وار

4۔پردہ عصمت، پندرہ روزہ

5۔اتحاد، پندرہ روزہ

6۔الفرقان، ماہوار

7۔دل افروز ماہوار

8۔ظریف، ہفتہ وار

اخیر میں چند سال ہوئے ایک ماہ ہوار پرچہ ''مورخ'' کے نام سے بھی نکالا تھا''(20)

شرر کا رسالہ محشر ہفتہ واری تھا جسے عبدالباسط کے نام سے شائع کرتے تھے۔ اس لیے کہ شرر اس دوران اودھ اخبار میں ملازم تھے، شرر کا یہ رسالہ رنگین آمیز تھا۔ شاعرانہ انداز اختیار کئے ہوئے تھا۔ اپنے طرز بیان میں انوکھا تھا۔ اس لیے لوگوں نے اسے خوب پسند کیا، رام بابو اپنے خیالات کا اظہار کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''رنگ عبارت اس قدر دلکش اور دلفریب تھا کہ ہر طرف دھوم مچ گئی اس میں اٹھارہ انیس نمبروں میں انھوں نے صبح کا سماں دکھایا تھا جس نے تمام صاحب ذوق لوگوں کو

حیرت میں ڈال دیا یہ رنگ اردو میں کبھی نہیں دیکھا گیا اس میں فارسی کے تشبیہات
واستعارات تھے مگر بندشیں انگریزی تھیں۔'' (21)

جتنے بھی اخبار وسائل شرر کی ادارت میں شائع ہوئے، ہر ایک اپنے اپنے اعتبار سے اہمیت کا حامل رہا ہے۔ کسی میں شرر نے اپنے اسلاف کی شان وشوکت اوران کی عظمت وسطوت کا ذکر کیا ہے تو کسی میں اتحاد واتفاق کی طرف لوگوں کو اکسایا ہے اور میل جول سے رہنے کی دعوت دی ہے۔ اس لیے کہ انگریزوں کی ابتدا ہی سے یہی پالیسی رہی ہے کہ ہندو مسلم میں پھوٹ ڈالو اور حکومت کرو۔ شرر اپنے مضامین ورسائل کے ذریعے اس خلا کو پُر کرنے کی کوشش کی۔ اور اس بات کا ہمیشہ خیال کیا کرتے تھے کہ اس ملک کی ترقی وسالمیت اسی وقت قائم رہ سکتی ہے جب دونوں قومیں باہمی پیار ومحبت اور اتحاد کے ساتھ رہیں گی۔

شرر اردو صحافت کے درخشندہ ستارے ہیں۔ جنہوں نے اپنی صحافت کو بام اوج بخشا۔ ان کے ذریعے ملک وقوم اور اردو لٹریچر کی خدمات کو انجام دیا صحافت کے باب میں شرر کا ذکر انتہائی اہم ہے۔ تقریبا45 سال اردو صحافت کی ترویج واشاعت و پروان چڑھانے میں اپنے قلم کی جولانی کو کبھی سرد اور شرمسار نہیں ہونے دیا۔ بلکہ صحافت کے علم کو بلند کرتے ہوئے اس دنیا سے رخصت ہوگئے۔ پریم چند شرر کی ادبی اور صحافتی زندگی کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''مولانا علمی خدمت کے اس قدر حریص تھے۔ کہ ان کا مدمقابل آج ایک متنفس بھی نظر
نہیں آتا۔ ستر برس کی عمر ہوئی پچپن برس تک اردو زبان وادب کی
خدمت میں مصروف رہے۔ اودھ اخبار، روزانہ اخبار، صحیفہ نامی ہمدرد میں کام کیا، محشر،
مہذب، دلگداز ا، اتحاد، پردۂ عصمت، الفرقان، ان سب رسالوں میں مضمون لکھے ان
میں 46 برس تک دلگداز کو جاری رکھا۔'' (22)

حوالہ جات باب پنجم:

(1) طاہر مسعود، ڈاکٹر، اردو صحافت انیسویں صدی میں، ایجوکیشنل پبلیشنگ ہاؤس دہلی 2007ء ص 96

(2) صابری، امداد، تاریخ صحافت جلد اول، ایجوکیشنل پبلیشنگ ہاؤس دہلی 2007ء ص 96

(3) طاہر مسعود، ڈاکٹر، اردو صحافت انیسویں صدی میں، ایجوکیشنل پبلیشنگ ہاؤس دہلی۔ ص 119

(4) بحوالہ " " " " " " ص 53-152

(5) چندن، گربچن، اردو صحافت کا سفر، ایجوکیشنل پبلیشنگ ہاؤس دہلی۔ ستمبر 2007 ص 309

(6) دہلوی، علی انور، اردو صحافت، اردو اکادمی دہلی 1987ء ص 46

(7) طاہر مسعود، ڈاکٹر، اردو صحافت انیسویں صدی میں ایجوکیشنل پبلیشنگ ہاؤس دہلی، ص 168

(8) شرر، عبدالحلیم، دلگداز، جنوری، 1887، قومی پریس لکھنؤ ص 5

(9) " " دلگداز، ستمبر 1908، دلگداز پریس لکھنؤ ص 1,2

(10) " " " جنوری 1906 " " ص 5

(11) " " " جنوری 1900 " " ص 4

(12) " " " مضمون، ہم اچھے ہیں یا ہمارا دلگداز ص 663

(13) " " " دلگداز، مئی، 1897ء " ص 14

(14) فیض احمد فیض، میزان، مغربی بنگال اردو اکادمی بار اول 1982ء ص 168

(15) سکسینہ، رام بابو، تاریخ ادب اردو، اردو نیشنل بک ہاؤس لاہور، 1929ء ص 45-544

(16) شرر، عبدالحلیم، دلگداز، جنوری 1887ء دلگداز پریس لکھنؤ ص 4

(17) ” ” ” ”بوئے وفا“ نومبر 1888ء ” ص 5-6

(18) شرر، عبدالحلیم، دلگداز 1889ء، دلگداز پریس لکھنؤ ص 5

(19) ندوی، سید سلیمان، یاد رفتگان مجلس نشریات اسلام آباد کراچی 1983ء ص 76

(20) سکینہ، رام بابو، تاریخ ادب اردو نیشنل بک ہاؤس لاہور، 1929ء ص 550

(21) ” ” ” ” ” ص 489

(22) مرتب احمد، عتیق، مضامین پریم چند انجمن ترقی ارو کراچی 1981ء ص 1981

حاصل مطالعہ

انیسویں صدی کا نصف اخیر اور بیسویں صدی کا ابتدائی دور اردو ادب کے لئے بہت ہی اہمیت کا حامل رہا ہے۔اس دور میں مقفیٰ، مسجع اور تک بندی جیسی عبارتوں سے اردو نثر کو آزاد کیا گیا۔افسانوی اور غیر افسانوی تحریریں خوب معرضِ وجود میں آئیں، سلیس اور سستہ ادبی شہ پاروں کو رواج حاصل ہوا۔اس طرح کی سادگی و پرکاری اور مقصدی ادب کو پروان چڑھانے میں سرسید اور ان کے رفقاء کا رکا بڑا کردار رہا ہے۔

سرسید کی تحریک کے زیر اثر پروان چڑھنے والے قلم کاروں میں عبدالحلیم شرر کا نام بھی آبِ زر سے لکھے جانے کے قابل ہے۔اردو ادب میں مقصدیت اور قوم وملت کی اصلاح کا بیڑا عبدالحلیم شرر نے اسی تحریک سے متاثر ہو کر اٹھایا۔ان کی تمام تحریروں میں انھیں بزرگوں کا عکس نظر آتا ہے۔شرر کو اردو ادب میں نمایاں مقام حاصل ہے۔ان کی مقبولیت ادب میں تاریخی ناول نگار کی حیثیت سے مشہور ہے۔لیکن انھوں نے ناول کے علاوہ تاریخ،سوانح انشائیہ،مضامین،صحافت وغیرہ پر بہت کام کیا ہے۔ ان کو تاریخی ناول نگار کی حد تک محدود کر دینا ان کے ساتھ نا انصافی ہے۔اس مقالے میں شرر کی غیر افسانوی تخلیقات کو بنیاد بنا کر ان کی شخصیت کا ایک الگ اور نمایاں پہلو پیش کرنے کی کوشش کی گئی ہے کہ شرر کی شناخت جہاں ناول نگار کے باب میں اہم ہے، وہیں غیر افسانوی نثر میں بھی انہیں ایک الگ مقام حاصل ہے جو انہیں ان کے ہم عصروں سے ممتاز کرتا ہے۔

اس مقالے کی ابتدا میں شرر کے خاندانی پس منظر اور ان کی تعلیم وتعلم وغیرہ کا ذکر کیا گیا ہے کہ کس طرح ان کا پورا گھرانہ علم کی روشنی سے منور تھا۔قابلیت اور علمی لیاقت سے سلطنت اودھ میں اپنی خدمات انجام دے رہا تھا۔جس وقت انتزاع سلطنت کا واقعہ پیش آیا پورا نظام درہم برہم ہو گیا۔شرر

بھی ابتدائی تعلیم کے لیے کلکتہ کے مٹیا برج چلے گئے اور وہیں پر اپنے والد کی سر پرستی اور ماتحتی میں تعلیم وتربیت حاصل کرنے لگے۔اس کے بعد لکھنؤ واپس آ گئے۔ یہاں پہونچ کر عبدالحئی وغیرہ سے کسب فیض حاصل کیا، قیام لکھنؤ کے دوران شرر کو مذہبی کتابوں کے مطالعہ کا شوق پیدا ہوا۔نور محمد ملتانی نے شرر کے اندر کتب حدیث کے مطالعے کا بھی ذوق پیدا کر دیا، اب شرر حدیث کی تعلیم کے لیے بیتاب رہنے لگے۔ان دنوں دہلی میں علامہ سید محمد نذیر محدث دہلوی کا دور دور تک چرچا تھا۔ ہندو بیرون ہند سے طلبہ تحصیل حدیث کے لیے کشاں کشاں چلے آرہے تھے شرر بھی دہلی تشریف لے گئے۔حدیث کی تعلیم مکمل کرنے کے بعد لکھنؤ واپس آ گئے۔ یہاں پہونچ کر شرر نے اپنی تعلیمی، تصنیفی اور صحافتی زندگی کا آغاز کیا۔اس باب میں شرر کی تصنیفی وتالیفی سرگرمیوں کو تفصیل کے ساتھ پیش کیا گیا ہے۔

دوسرے باب میں تاریخ نویسی کی ابتدا اس کی اہمیت وافادیت پر گفتگو کرتے ہوئے اردو میں تاریخ نگاری کے آغاز وارتقاء اور اس دور کے تاریخ نگاروں کا ذکر کرتے ہوئے شرر کی تاریخ نگاری اور ان کی اہمیت ومرتبہ کا تعین کیا گیا ہے۔ نیز شرر کی چند تاریخی کتابوں کا تجزیاتی مطالعہ بھی پیش کیا گیا ہے، جیسے تاریخ یہود، تاریخ خلافت، صقلیہ میں اسلام، تاریخ اسلام اور گذشتہ لکھنؤ وغیرہ۔شرر نے اپنی توجہ زیادہ تر کیوں تاریخ اسلام ومسلمانوں کے احوال واطوار ان کی حکومت وسلطنت کے اردگرد رکھا ہے۔اس کا ذکر اس باب میں تفصیل سے بیان کیا گیا ہے۔

تیسرے باب میں سوانح نگاری کی تاریخ اور اس کے آغاز وارتقاء پر بحث کرتے ہوئے اردو میں سوانح نگاری کا فروغ اور اس عہد کے سوانح نگاروں پر گفتگو کرتے ہوئے شرر کی سوانح نگاری پر تفصیل کے ساتھ بحث کی گئی ہے، ان کی چند سوانح عمریوں کا تجزیاتی مطالعہ بھی پیش کیا گیا ہے۔ان میں ثانی اثنین، ذی النورین، ابوالحسنین، ابوبکر شبلی، جنید بغدادی، قرۃ العین، سکینہ بنت حسین، جان عالم وغیرہ قابل ذکر ہیں۔

چوتھے باب میں انشائیہ ومضمون نگاری کی تاریخ کو بیان کیا گیا ہے۔اس دور کے انشائیہ ومضمون نگاروں پر بحث کرتے ہوئے ان میں شرر کی امتیازی خصوصیات کو نمایاں کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔

شرر کے انشائیے ومضامین کا تجزیاتی مطالعہ بھی پیش کیا گیا ہے۔ساتھ ہی اس کے فن اور اسلوب وغیرہ کا تفصیل سے محاکمہ کرنے کے ساتھ شرر کے مقام ومرتبے کا تعین کرنے کی بھی کوشش کی گئی ہے۔ باب پنجم میں اردو صحافت کی تاریخ بیان کرتے ہوئے صحافت میں شرر کا مقام ومرتبہ بیان کیا گیا ہے۔ رسالہ دلگداز کی تاریخ اور اس کے اداریے ومرتبے کا تعین کیا گیا ہے۔رسالہ دلگداز کی تاریخ اور اس کے اداریے پر تفصیل سے بحث کی گئی ہے نیز شرر کے باقی ماندہ رسائل کا بھی اختصار کے ساتھ ذکر کیا گیا ہے۔

شرر نے غیر افسانوی ادب میں تصانیف کی ایک لمبی فہرست قائم کر دی ہے اردو تاریخ نگاری رستم علی بجنوری سے شروع ہوئی، سرسید، شبلی، مولوی ذکاءاللہ وغیرہ نے اسے بام عروج تک پہنچایا اور ان ہی پیش روؤں کے نقش قدم پر چلتے ہوئے شرر نے بھی تاریخی موضوعات پر متعدد کتابیں تحریر کیں۔ان کی تاریخ نگاری کا محور مذہب اسلام، مسلمان اقوام، مسلم ممالک اور ان کی حکومتوں کا عروج وزوال ہے۔ شرر نے جس طرح بحیثیت مؤرخ اور ناول نگار ادب میں کارہائے نمایاں انجام دیئے اسی طرح سوانح نگاری میں بھی فنی وتحریری جوہر دکھائے ہیں۔شرر سے پہلے حالی شبلی اور محمد حسین آزاد نے جس طرح عظیم ہستیوں کی سوانح لکھ کر داد تحسین حاصل کی، انھیں کے نقش قدم پر چلتے ہوئے شرر نے بہت ساری شخصیات کی سوانح عمریاں لکھ کر اردو میں ایک نئے باب کا اضافہ کر دیا نیز بزرگان دین کے کارناموں کو اردو ادب کے پیرائے میں بیان کیا ہے۔تاکہ عوام الناس ان کی عظمت کے قصے پڑھ کر اپنی زندگی میں اصلاح کی کوشش کریں۔اسی طرح صنف انشائیہ میں شرر نے طبع آزمائی کی اور اس صنف میں سرسید اور آزاد کے بعد ان کا کوئی ہم پلہ اور مد مقابل نظر نہیں آتا۔شرر اردو ادب کے ایسے انشائیہ نگار ہیں، جنھوں نے انشائیہ نگاری کو پوری فنی انہاک کے ساتھ برتنے کی کوشش کی ہے۔انہوں نے مختلف موضوعات پر سیکڑوں کی تعداد میں انشائیے لکھے۔مضمون نگاری میں بھی شرر کو اہم مقام حاصل ہے۔ ان کے مضامین کی طویل فہرست ہے جس کو مرکنٹائل پریس لاہور نے آٹھ جلدوں میں شائع کیا ہے۔ ان سب کے علاوہ شرر کی ایک پہچان اردو صحافی کے طور پر بھی ہے۔انیسویں صدی میں بالخصوص

1857ء کے بعد جب ہندوستانی مسلمان انگریزوں کے ظلم وتشدد کے شکار ہوئے تو ان کے حقوق کی بازیابی کے لیے مختلف رسائل وجرائد نے صدائے احتجاج بلند کیا اور نامورانِ اسلام کے کارناموں کو یاد دلا کر ان کے اندر جوش وحمیت کا جذبہ پیدا کرنے کی کوشش کی، ان میں شرر کو عظیم الشان مقام حاصل ہے۔

الغرض اس مقالے میں شرر کی جملہ خصوصیات کے ساتھ ان کی غیر افسانوی نثر کی خدمات اور ان کے مقام ومرتبے کا تعین کرنے کی بھرپور کوشش کی گئی ہے۔

کتابیات

بنیادی ماخذ

عبدالحلیم شرر، ابوبکر شبلی، دلگداز پریس لکھنؤ، 1907ء

عبدالحلیم شرر، ابوالحسنین دلگداز پریس، لکھنؤ 1925ء

عبدالحلیم شرر، تاریخ اسلام جلد اول دارالطبع عثمانیہ حیدر آباد 1925ء

عبدالحلیم شرر، تاریخ اسلام جلد دوم، دارالطبع عثمانیہ حیدر آباد، 1926ء

عبدالحلیم شرر، تاریخ خلافت، دلگداز پریس لکھنؤ، 1923ء

عبدالحلیم شرر، تاریخ سندھ، دلگداز پریس لکھنؤ، 1907ء

عبدالحلیم شرر، تاریخ یہود، دلگداز پریس لکھنؤ، 1925ء

عبدالحلیم شرر، ثانی اثنین، دلگداز پریس، لکھنؤ، 1925ء

عبدالحلیم شرر، جان عالم، ادارہ فروغ اردو، لاہور، 1951ء

عبدالحلیم شرر، جنید بغدادی، دلگداز پریس، لکھنؤ 1923ء

عبدالحلیم شرر، خواجہ معین الدین چشتی، دلگداز پریس لکھنؤ 1927ء

عبدالحلیم شرر، دلگداز، (رسالہ) دلگداز پریس لکھنؤ، 1887-1933ء

عبدالحلیم شرر، ذی النورین، دلگداز پریس لکھنؤ، س، ن

عبدالحلیم شرر، سکینہ بنت حسین، دلگداز پریس لکھنؤ، 1924ء

عبدالحلیم شرر، صد پارۂ دل، قومی پریس دہلی، 1918ء

عبدالحلیم شرر، صقلیہ میں اسلام، دلگداز پریس، لکھنؤ 1929ء

عبدالحلیم شرر، عصر قدیم، اریب پبلیکیشنز پٹودی ہاؤس دریا گنج دہلی، 2007ء

عبدالحلیم شرر، قدم مسیحیت، ظہور الحسن، قومی پریس دہلی، س، ن

عبدالحلیم شرر، قرۃ العین، دلگداز پریس لکھنؤ 1923ء

عبدالحلیم شرر، گذشتہ لکھنؤ تصحیح وترتیب رشید حسن خان، مکتبہ جامعہ لمیٹڈ نئی دہلی، 2011ء

عبدالحلیم شرر، مضامین شرر، جلد اول، حصہ اول، شاعرانہ وعاشقانہ، ایس عبدالرشید، اینڈ بردرس، س، ن

عبدالحلیم شرر، مضامین شرر، جلد اول حصہ دوم، شاعرانہ وعاشقانہ، ایس عبدالرشید، اینڈ بردرس، س، ن

عبدالحلیم شرر، مضامین شرر، جلد اول حصہ سوم، آغاز واختتام سال کے مضامین، مرکنٹائل پریس لاہور، س، ن

عبدالحلیم شرر، مضامین شرر، جلد دوم، حصہ اول، تاریخی وجغرفیائی مضامین، ایس، عبدالرشید اینڈ بردرس، س، ن

عبدالحلیم شرر، مضامین شرر، جلد دوم، حصہ دوم، تاریخی وجغرفیائی مضامین، ایس عبدالرشید اینڈ بردرس، س، ن

عبدالحلیم شرر، مضامین شرر، جلد دوم، حصہ سوم، ہندوستان میں مشرقی تمدن، آخری نمونہ، ایس عبدالرشید اینڈ برادرس، س، ن

عبدالحلیم شرر، مضامین شرر، جلد سوم، حصہ اول، سیر نسواں، ایس عبدالرشید برادرس، لاہور، س، ن

عبدالحلیم شرر، مضامین شرر، جلد سوم، حصہ دوم، سیر نسواں، ایس عبدالرشید برادرس، لاہور، س، ن

عبدالحلیم شرر، مضامین شرر جلد سوم، حصہ سوم، سیر رجال، مرکنٹائل پریس لاہور، س، ن

عبدالحلیم شرر، مضامین شرر، جلد چہارم، ادب وتحقیق مسائل، مرکنٹائل پریس، لاہور، س، ن

عبدالحلیم شرر، مضامین شرر جلد پنجم، اصلاح قوم وملت، مرکنٹائل پریس لاہور، س، ن

عبدالحلیم شرر، مضامین شرر، جلد ششم، تاریخی واقعات پرخیال آرائی، مرکنٹائل پریس لاہور، س، ن

عبدالحلیم شرر، مضامین شرر، جلد ہفتم، نظم وڈرامہ، مرکنٹائل پریس لاہور، س، ن

عبدالحلیم شرر، مضامین شرر، جلد ہشتم، مقالات شرر ایس عبدالرشید اینڈ بردرس، لاہور، س، ن

ثانوی ماخذ

آدم شیخ، ڈاکٹر، انشائیہ، رائیٹرا مپوریم لمیٹڈ بمبئی، 1965ء

احتشام حسین، سید، اردو ادب کی تنقیدی تاریخ، قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان 2008ء

الطاف، آنسہ، اردو میں فن سوانح نگاری کا ارتقاء، اعتقاد پبلیشنگ ہاؤس دہلی، 1997ء

امیر اللہ، ڈاکٹر، فن سوانح نگاری، طاہر بک ایجنسی قاسم جن اسٹریٹ دہلی 1973ء

انور سدید، ڈاکٹر، اردو ادب کی تحریکیں ابتدا تا 1995ء کتابی دنیا دہلی، 2008ء

تصدق حسین، سید، لغات کشوری، منشی نول کشور لکھنؤ فروری 1907ء

تنہا، محمد یحییٰ، سیر المصنفین جلد دوم، مکتبہ جامعہ دہلی بار اول 1928ء

جامع اردو انسائیکلو پیڈیا جلد دوم، قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان نئی دہلی 2000ء

جعفر حسین، مرزا، قدیم لکھنؤ آخری بہار، قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان نئی دہلی، 2011ء

جعفر رضا، پروفیسر، عبدالحلیم شرر، حیات اور کارنامے، پروگریسو بک لاہور، 1989ء

جعفر رضا، عبدالحلیم شرر، ساہتیہ اکادمی دہلی، 1988ء

جمال الدین، سید، ڈاکٹر، تاریخ نگاری قدیم، وجدید رجحانات، نئی آواز جامعہ نگر نئی دہلی، 1994ء

جمیل جالبی، تاریخ ادب اردو، جلد دوم، ایجوکیشنل پبلیشنگ ہاؤس دہلی، 2007ء

جمیل جالبی، ڈاکٹر، قومی انگریزی اردو لغت، مقتدرہ قومی زبان اسلام آباد، 1992ء

حالی، الطاف حسین، حیات جاوید، ترقی اردو بیورو، نئی دہلی، 1997ء

حسنین، محمد، انشائیہ اور صنف انشائیہ، ایجوکیشنل بک ہاؤس علی گڑھ، 1958ء

حسین، ثریا، سرسید احمد خان اور ان کا عہد، ایجوکیشنل بک ہاؤس علی گڑھ، 2006ء

دہلوی، علی انور، اردو صحافت، اردو اکادمی دہلی، 1987ء

رفیعہ شبنم، ڈاکٹر، ملا وجہی اور انشائیہ، حسن پبلی کیشن ممبئی، 1989ء

سکسینہ، رام بابو، تاریخ ادب اردو، نیشنل بک ہاؤس لاہور، 1929ء

سکسینہ، رام بابو، تاریخ سندھ، مترجم محمد عسکری، نیشنل بک ہاؤس لاہور، س، ن

سلیم اختر، ڈاکٹر، اردو ادب، کی مختصر ترین تاریخ، عاکف بک ڈپو، دہلی، 2003ء

سلیم اختر، ڈاکٹر، ادب اور لاشعور، مکتبہ عالیہ، لاہور، 1976ء

سلیم اختر، ڈاکٹر، انشائیہ کی بنیاد، سنگ میل پبلی کیشنز لاہور، 1989ء

سلیم محمد قمر، اشاریہ دلگداز، ایجوکیشنل پبلیشنگ ہاؤس دہلی، 2003ء

سندیلوی، سلام، ڈاکٹر، ادبی اشارے، نسیم بک ڈپو لکھنؤ، سن، ن

سندیلوی، سلام، ڈاکٹر، ادب کا تنقیدی، مطالعہ، میری لائبریری لاہور، 1964ء

سیدہ جعفر، ڈاکٹر، ماسٹر رام چندر اور اردو نثر میں ان کا حصہ، ابوالکلام آزاد اورینٹل ریسرچ انسٹی ٹیوٹ حیدرآباد، 1960ء

شاہ علی سید، ڈاکٹر، اردو میں سوانح نگاری، انجمن پریس لاہور کراچی، جولائی 1961ء

شاہ علی، سید، ڈاکٹر، ادب اور تنقید، مکتبہ اسلوب کراچی، 1961ء

شریف احمد، ڈاکٹر، عبدالحلیم شرر شخصیت اور فن گوہر پبلی کیشنز دہلی، 1989ء

شہابی، انتظام اللہ، بیگمات اودھ کے خطوط، فاروقی پریس دہلی، سن ن

شہناز بیگم، ڈاکٹر، اردو میں تاریخ نگاری کی تاریخ (ابتدا تا ارتقاء، اٹھارویں صدی) جے کے آفسیٹ پرنٹر دہلی 2008ء

شیرازی محمد شفیع، معرکہ چکبست و شرر، نول کشور پریس لکھنؤ، سن، ن

صابری، امداد، تاریخ صحافت جلد اول، ایجوکیشنل پبلیشنگ ہاؤس دہلی، 2007ء

صدیقی، اقتدار حسین، پروفیسر، عہد وسطیٰ کے ہندوستان میں تاریخ نگاری، تحقیقات اسلامی علی

گڑھ،1989ء
طاہر،محمد صالح،مولانا مرتضی احمد خان میکش کی ادبی خدمات،پنجاب اورینٹل کالج لاہور،1989ء
طاہر مسعود،ڈاکٹر،اردو صحافت انیسویں صدی میں،ایجوکیشنل پبلیشنگ ہاؤس دہلی،2007ء
عبداللہ،سید،ڈاکٹر،سرسید احمد خان،اوران کے نام ور رفقاء،مکتبہ کارواں لاہور،1960ء
عبداللہ،سید،ڈاکٹر،وجہی سے عبدالحق تک،سنگ میل پبلی کیشن لاہور،1996ء
عتیق احمد،مرتب،مضامین پریم چند،انجمن ترقی اردو پاکستانی کراچی،1981ء
فاروقی،خواجہ احمد،ماسٹر رام چندرفن اورتنقید مرتب،انور کمال حسینی،دہلی 1966ء
فاروقی،محمد احسن،اردوناول کی تنقیدی تاریخ،ادارہ فروغ اردولکھنؤ،1962ء
فاطمی،علی احمد،عبدالحلیم شرر حیثیت ناول نگار،قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان نئی دہلی،2007ء
فتح پوری،فرمان،ڈاکٹر،مرتب،اردونثر کا فنی ارتقاء،پبلشنگ ہاؤس دہلی۔1997ء
فیروز،مولوی،فیروزاللغات،دارالکتاب دیوبند،یوپی،1988ء
فیض احمد فیض،میزان،کوہ نور آرٹ کلکتہ 1982ء
قادرخرم،ڈاکٹر،تاریخ نگاری،نظریات وارتقاء،مکتبہ فکرودانش مرزنگ،لاہور،1994ء
گل،صادق علی،ڈاکٹر،فن تاریخ نویسی،امپوریم لاہور،1994ء
لاہوری،غلام سرور،جامع اللغات اردوجلداول،مطبع نول کشورلکھنؤ،1989ء
مارہروی،احسن،تاریخ نثراردو(نمونہ منشورات)قومی کونسل برائے فروغ اردوزبان نئی دہلی۔2011ء
مبارک علی،ڈاکٹر،تاریخ سندھ،عرب دورحکومت،نگارشات،لاہور،1986ء
مبارک علی،ڈاکٹر،تاریخ شناسی،فکشن ہاؤس لاہور،1993ء
محمد ذکاءاللہ،مولوی،تاریخ ہندوستان جلداول،سنگ میل پبلی کیشنز لاہور،1998ء
مدنی،ظہیرالدین،ڈاکٹر،اردواسیز،جامعہ لمیٹڈنئی دہلی،1976ء
معصوم،رضا،سید،ڈاکٹر،اردوانشائیہ اوراحمد جمال پاشا،روبی آرٹ پریس دہلی 2005ء

ممتاز، منگلوری، ڈاکٹر، شرر کے تاریخی ناول، مکتبہ خیابان ادب لاہور، طبع اول 1978ء

نا بھوی، رام لعل، آم کے آم، جے کے آفسیٹ پریس دہلی،

نور الحسن، مولوی، نور اللغات، جلد دوم، ترقی بیورو نئی دہلی، جولائی، ستمبر، 1989ء

نور الحسن، مولوی، نور اللغات، جلد چہارم، اشاعت العلوم فرنگی محل لکھنؤ 1931ء

ندوی، سید سلیمان، یاد رفتگان، مجلس نشریات اسلام آباد کراچی، 1983ء

نعمانی شبلی، مقالات شبلی، جلد چہارم، ایجوکیشنل ہاؤس دہلی، 2001ء

وزیر آغاز، ڈاکٹر، انشائیہ کے خدوخال، مکتبہ جامعہ لمیٹڈ نئی دہلی، 1991ء

The New Encyclopedia of Britanica,The University of Chicago,1988

Oxfod Learnars Dictionary,2010

Early urdu Historiography(urdu) Javed Ali.

Bakhash oriental Public library patna-2005

رسائل و جرائد

اردو، اورنگ آباد، دکن، جنوری 1927ء

تحقیقات اسلامی، (سہ ماہی) علی گڑھ، اکتوبر تا دسمبر، 1998ء

جریدۃ الواقعہ، کراچی، مئی، جون، 2012ء

دلگداز لکھنؤ، تمام فائلین، 1887ء سے 1933ء

زمانہ، کانپور، جنوری، فروری، 1927 ء

معارف، اعظم گڑھ، مارچ، 1986ء

نقوش (شخصیات نمبر) لاہور، 1959ء

Abdul Haleem Sharar Ki Ghair Afsanavi Nasr
(Ek Tajziyati Motala)

Abdul Haleem Sharar's Non-Finctional Prose: An Analytical Study

Thesis submitted to the Jawaharlal Nehru University
In partial fullfilment of the requirement
for the award of the degree of

DOCTOR OF PHILOSOPHY

By

Fazlur Rahman

Under The Supervision of

Dr. Mohd. Asif Zahri

Centre of Indian Languages
School of Language, Literature and Culture Studies
Jawaherlal Nehru University
New Delhi - 110067

2017

Abdul Haleem Sharar Ki Ghair Afsanavi Nasr
(Ek Tajziyati Motala)

Abdul Haleem Sharar's Non-Fictional Prose: An Analytical Study

Thesis submitted to the Jawaharlal Nehru University
In partial fulfilment of the requirement
for the award of the degree of

DOCTOR OF PHILOSOPHY

By

Fazlur Rahman

Under The Supervision of

Dr. Mohd. Asif Zahri

Centre of Indian Languages
School of Language, Literature and Culture Studies
Jawaharlal Nehru University
New Delhi - 110067
2017